اللہ کی تلوار

تالیف
ابو زید شبلی

تقدیم
ابو ضیاء محمود احمد غضنفر

نظر ثانی: ابو یحیی محمد زکریا زاہد

دار الابلاغ

عقیدہ لائبریری
www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے.

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com
www.sadaislam.com
www.zekr.tv
www.kalemeh.tv
www.ahlehaq.org/hq
www.islamhouse.com
www.eeqaz.com
www.tauheed-sunnat.com
www.islamic-forum.net
www.khatm-e-nubuwwat.com
www.kitabosunnat.com
www.muhammadilibrary.com
www.islamqa.info/ur
www.quran-o-sunnah.com
www.deeneislam.com
www.nadwatululama.org

حسنِ ترتیب

- حرفِ آغاز..........محمد طاہر نقاش 11
- دیباچہ..........از ابوزید 14
- پیش لفظ..........از ابوزید 17
- تقریظ..........ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد 23
- مقدمہ..........ابوضیاء محمود احمد غضنفر 27

حصہ اول

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل

- نسب، ولادت 51
- خالد رضی اللہ عنہ کا وطن 52
- خالد رضی اللہ عنہ کا قبیلہ 60
- قریش میں خالد رضی اللہ عنہ کا مرتبہ 77
- خالد رضی اللہ عنہ کا پیشہ 79
- خالد رضی اللہ عنہ کی معاندانہ کوششیں 81

حصہ دوم

قبول اسلام سے لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک

- قبول اسلام 87

* غزوۂ موتہ 98
* فتح مکہ 104
* عزیٰ بت کا انہدام 107
* خالد رضی اللہ عنہ بنو جزیمہ میں 108
* بنو جذیمہ کے قتل کا اصل سبب 115
* غزوۂ ہوازن 119
* غزوۂ طائف 121
* بنو مصطلق 122
* دومۃ الجندل 126
* نجران 127

حصہ سوم

خالد رضی اللہ عنہ عہد صدیق میں

* تمہید 131
* طلیحہ الاسدی 136
* مالک بن نویرہ 145
* مسیلمہ کذاب 154

عراق میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات

* جنگ ابلہ 167
* جنگ مذار (الثنی) 174

❋ جنگ ولجہ	176
❋ جنگ الیس	178
❋ فتح امغیشیا	179
❋ جنگ حیرہ	180
❋ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے عمال اور امراء	186
❋ جنگ انبار	189
❋ جنگ عین التمر	190
❋ جنگ دومۃ الجندل	192
❋ جنگ حصید	195
❋ فتح خنافس	196
❋ جنگ مصیخ	196
❋ جنگ ثنی اور جنگ زمیل	197
❋ جنگ فراض	198
❋ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا خفیہ حج	200
❋ عراق میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا اثر	201
❋ شام میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات	206
❋ کیا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ شامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے؟	214
❋ جنگ یرموک	215

حصہ چہارم

خالد رضی اللہ عنہ، عمر فاروق کے عہد میں

❋ فتح دمشق	239

* جنگ یمامہ میں مجاہدین اور مرتدین کے درمیان معرکہ حق و باطل کا نقشہ اور مسیلمہ کذاب کے قتل کی داستان بزبانِ نقشہ۔ 161
* سیدنا خالدؓ کا عراق پر جہادی وار اور شہنشاہ ایران کی مزاحمت کا جغرافیائی پہلوؤں سے جائزہ۔ 169
* جنگ سلاسل میں ایرانیوں اور مسلمانوں کے حملوں کو چار مختلف پہلوؤں سے واضح کرنے والا ایک نقشہ۔ 173
* جنگ ولجہ کا نقشہ کہ جس میں فارسی اور عراقی فوج تمام کاٹ ڈالی گئی۔ 177
* دشمن کو بے خبر رکھتے ہوئے شام پہنچنے کے لیے سیدنا خالدؓ کے اختیار کردہ خطرناک راستہ کا نقشہ۔ 205
* شام پر مجاہدین کے تابڑتوڑ حملوں کی نشاندہی کرنے والا نقشہ۔ 213
* حلب کو محفوظ کرنے کے لیے فوجیوں کی روانگی اور پوزیشنوں کی نشاندہی کرنے والا نقشہ۔ 219
* شمالی شام پر حملہ آور رومی فوج کی تلاش کا خاص نقشہ۔ 219
* جنگ یرموک کی صورت حال کا نقشہ جو سیدنا ابوعبیدہ کی امارت سیدنا خالد کی ہدایات کی روشنی میں لڑی گئی۔ 223
* جنگ یرموک کا فریقین رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان تیسرے دن جنگ کا منظر۔ 227
* جنگ یرموک میں چوتھے دن میدان کارزار کی صورت حال کا نقشہ۔ 229
* جنگِ یرموک کے چھٹے دن رومیوں پر حملہ کی چار شکلیں۔ 233,231
* جنگ یرموک کے چھٹے دن سیدنا خالدؓ کا یزید، ابوعبیدہ، شرحبیل اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہم کو ساتھ ملا کر کافر فوجوں اور اس کے جرنیل ماہان پر زوردار حملوں کا نقشہ۔ 235
* رومیوں کی فوج کا قبرستان بننے والی گھاٹی کا جغرافیائی منظر۔ 237
* دمشق کا محاصرہ اور فتح کی جغرافیائی صورت حال۔ 245,243
* شام کی سرحدوں سے آگے جزیرہ کی تسخیر کا نقشہ۔ 249

شجرہ جات وجدول

* سیدنا خالدؓ کے خاندان کا نقشہ جو محمد رسول اللہ اور ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ 53
* سیدنا خالدؓ کا شجرہ والد اور والدہ صاحبہ کی طرف سے جو سیدنا خالدؓ تک پہنچتا ہے۔ 55
* خالدؓ کے قبیلہ کے سربرآوردہ اشخاص کا شجرہ جو ان کی زندگیوں کی داستان بیان کر رہا ہے۔ 65
* شجرہ جو سیدنا خالدؓ کے بہن بھائیوں کی تفصیلات کی نشاندہی کرتا ہے۔ 69
* سیدنا خالدؓ کی سگی اور سوتیلی خالاؤں اور ماموؤں کا شجرہ۔ 71
* خالدؓ بن ولید کے اسلام لانے کے بعد عہد نبوی میں عظیم کارنامے۔ 129
* سیدنا خالدؓ کی حیات کشمکش کے درخشاں پہلوؤں کا سنین کے اعتبار سے جائزہ۔ 285
* ماخذ کتاب 284

حرف آغاز

ہم مقہور ومجبور اور ذلیل کیوں ہیں؟

قومیں زوال پذیر کیوں ہوتی ہیں؟............صرف اس لیے کہ جب اُن میں ذہنی، فکری، سماجی، ثقافتی اور عسکری کمزوری پیدا ہو جاتی ہے...........دشمن کو ان امور میں اپنے سے اعلیٰ وارفع سمجھنے لگتی ہیں۔ اپنے کو کمتر وحقیر اور پسماندہ خیال کرتی ہیں، دشمن سے مختلف محاذوں پر مرعوبیت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ تو ان کی ہمت وحوصلہ، جوانمردی ودلاوری، قوت وسطوت، ہیبت وجبروت، بلند خیالی و شان وشوکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے............اور دشمن سے مرعوب ہونا ہی قوموں کے زوال و بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ جو کبھی دشمن کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہونے اور مقابلہ کرنے سے، اپنا دفاع اور دشمن پر جارحانہ حملہ کرنے میں رکاوٹ ہوتا ہے اور ذلت ومسکنت کا باعث بن جاتا ہے۔

پھر ایسا موقع بھی آجاتا ہے کہ غیور روایات کا حامل انسان اپنے دشمن کو خوش رکھنے کے لیے طرح طرح کے پاپڑ بیلتا نظر آتا ہے کہ کسی طرح یہ مجھ سے خوش ہو جائے اور یوں اس کو خوش کر کے میں اپنی جان بچا سکوں۔ یوں وہ دشمن پر جھپٹنے کی بجائے الٹا دشمن کو حوصلہ جو جرأت فراہم کرتا ہے کہ وہ اس پر وار کر سکے۔ اور اس وار سے بچنے کے لیے وہ اپنا اصل نصب العین (جہاد فی سبیل اللہ) سے روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ اصل میں اس کی ملی، دینی، ذہنی وفکری موت ہوتی ہے۔

آج جب امت مسلمہ نے فریضہ جہاد سے دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے روگردانی اختیار کی ہے تو دشمن اس پر چڑھ دوڑا ہے۔ اور وہ اس کو جہاد کی تلوار پھینکنے کے نتیجے میں ہر میدان میں ذلیل کر کے شکست دے رہا ہے۔ آج ہمارا بھی من حیث القوم یہی حال ہے۔ ہمارا سربراہ، ہمارا کمانڈر، ہمارے حکمران بھی کفر کو خوش کرنے پر کمر بستہ نظر آرہے ہیں۔ یہ ان کی ذلت کی سب سے بڑی نشانی ہے کہ وہ جہاد کا علم اٹھانے کی بجائے جہاد کے متوالوں کو (کفار امریکہ، انڈیا، اسرائیل، برطانیہ وغیرہ) سے ذبح کروا رہے ہیں۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ ان کفار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خود بھی ان مجاہدین کو ختم کر رہے ہیں، تا کہ وہ ہم سے خوش ہو جائیں، اور یوں ہم ان سے اپنی جان بچا

دیباچہ

فالحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا محمد و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین .

یہ کتاب اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت کے بارے میں لکھی گئی ہے جو متفقہ طور پر (نبی ﷺ کے بعد) مسلمانوں کا سب سے بڑا سپہ سالار مانا جاتا ہے۔ ہماری مراد سیدنا خالدؓ بن ولید سے ہے، جنہیں بارگاہ رسالت سے ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کا خطاب مرحمت ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

جس بات نے مجھے اس عظیم فاتح کی سوانح حیات لکھنے پر آمادہ کیا وہ میرا یہ مشاہدہ تھا کہ زندہ اور ترقی کرنے والی قومیں اپنے مشاہیر کے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ ان پر فخر کرتی ہیں۔ اور کسی موقع پر بھی وہ ان کی تعریف وتوصیف سے غافل نہیں رہتیں۔ ذاتی محفلیں ہوں یا پبلک جلسے، کوئی جگہ بھی ان کے تذکرے سے خالی نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے بچے بچے کے دل میں اپنے بڑے لوگوں کے لیے احترام اور تعظیم کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔

اس کے بالمقابل مسلمانوں نے اپنی ان مایہ ناز ہستیوں کو بالعموم فراموش کر دیا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلاء کلمۃ الحق اور اللہ کے دین کی حمایت ونصرت کے لیے وقف کر دی تھی۔ جو اُمت مسلمہ کے عزت و افتخار کا باعث تھیں اور جن کی بیش بہا قربانیوں کے باعث اسلام کو شان وشوکت نصیب ہوئی۔ ہمیں دنیا کی قوموں میں جو مقام حاصل ہے وہ محض ہمارے اسلاف کی وجہ سے ہے لیکن کیا یہ ظلم نہیں کہ ہم ان کے سارے کارنامے بھول چکے ہیں اور ہمیں ان کی حقیقی شان کا مطلق علم نہیں۔ ہماری بے حسی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمیں بہادری، شجاعت اور جواں مردی کے بارے میں جب بھی کوئی مثال دینے کی ضرورت پیش آتی

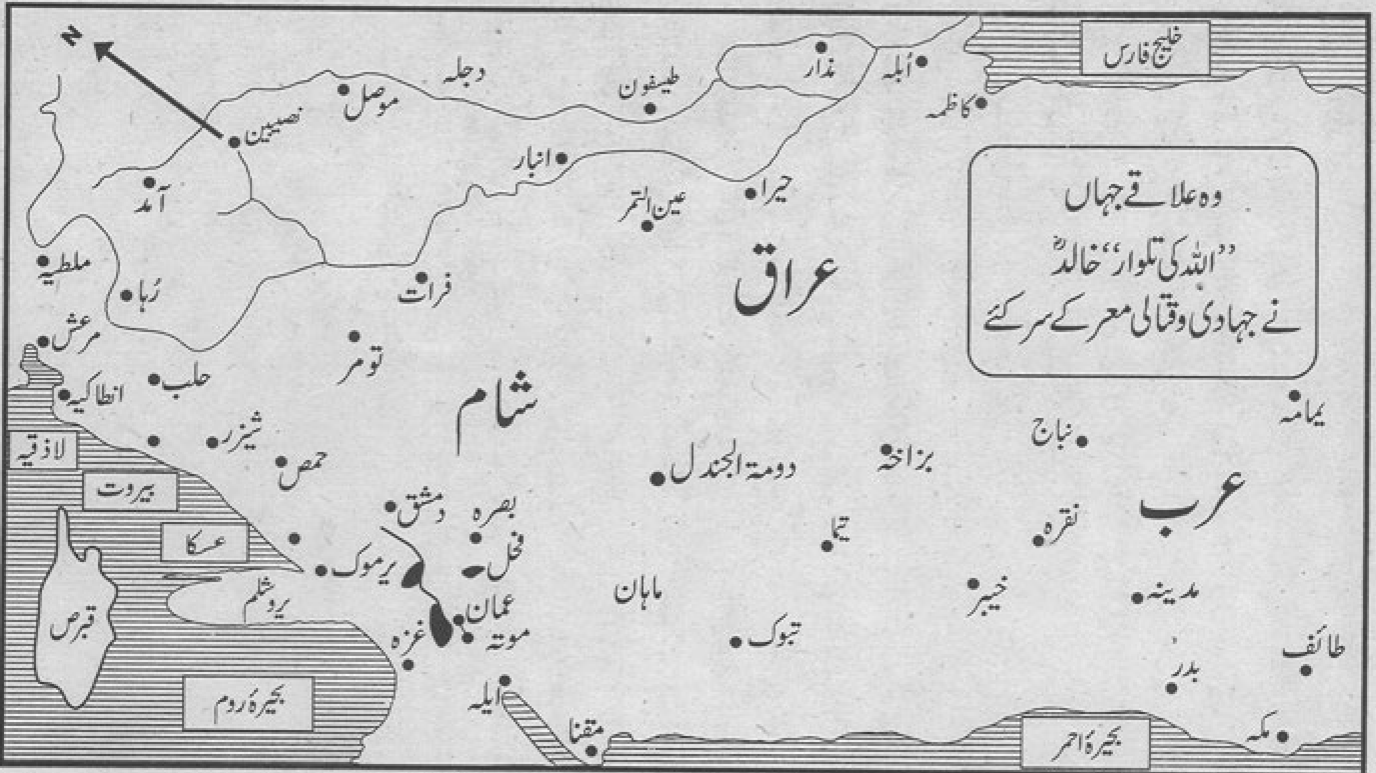
وہ علاقے جہاں
''اللہ کی تلوار'' خالدؓ
نے جہادی وقتالی معرکے سر کئے
عراق
شام
عرب
خلیج فارس
بحیرۂ روم
بحیرۂ احمر
N
دجلہ
فرات
کاظمہ
اُبلہ
مذار
طیسفون
موصل
نصیبین
انبار
حیرا
عین التمر
آمد
رُہا
ملطیہ
مرعش
انطاکیہ
حلب
لاذقیہ
بیروت
عسکا
قبرص
شیزر
حمص
تومر
دمشق
یرموک
یروشلم
بصرہ
فحل
عمان
موتہ
غزہ
ایلہ
مقنا
دومۃ الجندل
تیما
ماہان
تبوک
بزاخہ
نباج
یمامہ
نقرہ
خیبر
مدینہ
طائف
بدر
مکہ

ہے تو نپولین کا نام ہی ہماری زبانوں پر آتا ہے۔ ہمیں قطعاً یہ خیال نہیں آتا ہے کہ ہماری قوم ایک شاندار ماضی کی حامل ہے۔ اور ہم میں ایسی ایسی نادرۂ روزگار ہستیاں گزری ہیں جن کے سامنے نپولین جیسے عظیم المرتبت جرنیل بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

ذرا تصور تو کیجئے .... خالدؓ بن ولید کسی زندہ و بیدار قوم کے فرزند ہوتے تو ہر سال کتنے جلسے (محض ان کے جہادی کارناموں کو زندہ کرنے کے لیے) منعقد کیے جاتے۔ (تا کہ وہن (موت سے ڈر کی بیماری) کی شکار امت کے تنِ مردہ میں روحِ جہاد کو بیدار کیا جا سکے۔)

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جامعۂ ازہر مصر کی تعلیم کے دوران مجھے ایسے فاضل اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا جن کی غیرت اسلامی اور اسلاف سے محبت نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا۔ اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ میں نے اپنے لیے یہ موضوع منتخب کیا۔ اگر پڑھنے والوں کو اس میں کوئی مفید بات یا اچھی چیز نظر آئے تو اس کا تمام تر سہرا میرے محترم اساتذہ کے سر پر ہے۔

جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے آج تک کوئی مستقل کتاب اسلام کے اس عظیم الشان سپہ سالار کے بارے میں نہیں لکھی گئی۔ مجھے امید ہے کہ میری اس تصنیف سے سیدنا خالدؓ بن ولید کی زندگی کے تمام پہلو نمایاں ہو جائیں گے اور روم و فارس میں جو کارہائے نمایاں آپ نے سرانجام دیے اور ان علاقوں میں اسلام کا نام پہنچانے کے لیے آپ نے جو عدیم المثال قربانیاں پیش کیں، ان کا نقشہ پڑھنے والوں کے سامنے آ جائے گا۔ میں نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بڑی محنت اور کوشش کی ہے کہ یہ کتاب کسی پہلو سے بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ اللہ کرے میں اپنی اس محنت میں کامیاب ہوا ہوں۔

ابو زید شلبی

۱۲۵۲ ھجری ۱۹۳۳ء

پیش لفظ

کسی قوم کی حقیقی قدر و قیمت اس کے افراد کے ذریعے ہوتی ہے۔ افراد اپنے کارناموں کی بدولت قوم کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں۔ جس قوم میں مخلص کارکن، باعمل عالم، نڈر اور بے خوف مجاہدین اور راست باز سیاست دان ہوں وہ قوم ترقی کے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہی قوم اس بات کی مستحق ہوتی ہے کہ زمین کی بادشاہت اس کے ہاتھ آئے۔

اسلام سے قبل عربوں کا شمار دنیا کی وحشی قوموں میں ہوتا تھا۔ وہ انتہائی پراگندگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی کی اطاعت کرنا ان کے لیے عار تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر غیظ و غضب کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک اٹھتی تھی جس کا نتیجہ عموماً خوں ریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ قبائلی عصبیت پر دوسری تمام چیزیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ اپنے قبیلے کی حمایت میں ہر شخص کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ خواہ قبیلہ حق پر ہو یا ناحق پر، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، ان کی حالت بالکل اس شعر کے مصداق تھی، جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"جب ان کا بھائی کسی مصیبت کے موقع پر ان کو مدد کے لیے بلاتا ہے تو معاملے کی نوعیت معلوم کیے بغیر وہ اس کی مدد کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔

وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ وہم سمایا ہوا تھا کہ اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ وہ علم و شائستگی سے عاری تھے۔ فکر و تدبر اور مآل اندیشی ان سے کوسوں دور تھی۔"

ایک لمبے عرصے کی گمراہی اور پستی کے بعد آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر اسلام کے ذریعے اپنی رحمت نازل کرنے اور اپنے انعامات سے انہیں سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اسلام کے ظہور کے قریب اس نے قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل جیسے چند نیک لوگوں کو پیدا کر دیا جنہیں عقل

وفکر، تدبر وفراست، زیرکی و دانائی سے حصہ وافر ملا، تا کہ ان کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ان لوگوں نے اپنی پر حکمت باتوں اور مواعظ حسنہ کے ذریعے عربوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کی گمراہی کو ان پر آشکارا کرنا شروع کیا۔ان میں سے ایک گروہ دین ابراہیمی کی تلاش میں تھا اور ایک جماعت اس فکر میں غلطاں تھی کہ اپنی قوم کے دین سے کسی بہتر دین تک اس کی رہنمائی ہو جائے۔

ان حکماء اور مفکرین کے گروہ کی مثال صبح کاذب کی روشنی سے دی جا سکتی ہے جو صبح صادق کی خبر دینے کے لیے فجر سے قبل کچھ وقت کے لیے نمودار ہوتی ہے۔اس کے بعد صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد صبح کے مطلع تاباں سے سورج طلوع ہو کر تمام عالم کو اپنی روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام کی صبح درخشان کا ظہور ایک ہولناک تاریکی کے بعد ہوا۔اس وقت دنیا شاہان کسریٰ کے استبداد اور قیاصرہ کے ظلم وجور کی چکیوں کے نیچے بری طرح پس رہی تھی۔اللہ کے بندے اپنے معبود حقیقی کو بھول کر بے جان پتھروں اور بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔اس حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے، کہ اپنے بندوں پر جو انتہائی مہربان ہے، نہ چاہا کہ اس کے بندے اپنی گمراہی میں اِدھر اُدھر بھٹکتے پھریں۔اس نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھٹکی ہوئی دنیا کی اصلاح کے لیے بھیج دیا۔جنہوں نے آکر لوگوں کو بتایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔آپ نے انسانوں کے لیے جو ضابطۂ اخلاق مقرر فرمایا اس سے بہتر ضابطۂ اخلاق نہ پہلے کسی نے پیش کیا تھا اور نہ آئندہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔آپ نے تمام انسانوں کو، قطع نظر اس کے کہ وہ عربی ہیں یا عجمی، آزاد ہیں یا غلام، معزز قوم کے افراد ہیں یا پست اقوام سے تعلق رکھتے ہیں، مساوی حقوق دیے۔فضیلت کا معیار آپ نے ایک اور صرف ایک یعنی تقویٰ مقرر فرمایا۔آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات:۱۳/۴۹]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز و مکرم وہی فرد ہے جو تقویٰ کے میدان میں سب

سے آگے ہے۔''

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی))

''کسی عربی کو عجمی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو محض تقویٰ کے سبب۔''

امت مسلمہ اپنے عہد اولین میں تمام اقوام عالم کے لیے ایک نمونہ تھی۔ اس نے دنیا کو دکھایا کہ اپنے رب کی خاطر قربانی اور ایمان کی پختگی کا اظہار کس طرح کیا جاتا ہے۔ جو فتوحات مسلمانوں نے حاصل کیں ان کے پس منظر میں جو چیز کام کر رہی تھی وہ ''قوم کی صفوں میں مکمل یک جہتی اور رعایا کے درمیان کامل مساوات تھی۔''

امت مسلمہ ابتداء میں عدل و انصاف کی قدر و قیمت سے حقیقی طور پر آشنا تھی۔ کوئی معزز ترین شخص بھی قصور کر کے سزا سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اور کوئی نہایت ہی غریب شخص بھی مظلوم ہو کر انصاف سے محروم نہیں رہ سکتا تھا۔

جس ایک کلمے پر مسلمان متحد ہو گئے تھے وہ تھا: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) یہ کلمہ زبان پر آتے ہی مسلمانوں کے دلوں سے کینہ مٹ جاتا تھا اور اس کے سینوں میں ایک نئی حرارت پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کی تمام جد و جہد اسی کلمے کو سر بلند کرنے کی خاطر تھی۔ اسی کی خاطر وہ جمع ہوتے تھے اور اسی کی خاطر وہ جہاد کرتے تھے۔

کوئی مؤرخ جب ان فتوحات پر نظر دوڑاتا ہے جو مسلمانوں نے ابتدائی عہد میں (جبکہ ان کی وحشیانہ طرز زندگی کو ختم ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے) حاصل کی تھیں تو حیرت سے اس کا دماغ چکرانے لگتا ہے۔ آخر وہ کونسی چیز تھی جس نے اس تہذیب و اخلاق سے عاری قوم کو اعلیٰ درجے کی مہذب اور شائستہ قوم بنا دیا اور اس میں وہ اتحاد پیدا کر دیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حالانکہ ایک وقت یہ تھا کہ کسی شاعر کا ایک شعر ہی ایک باپ کے دو بیٹوں میں ہمیشہ کے لیے تفریق ڈالنے اور باہم عداوت کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی ہوا کرتا تھا۔ تفریق و عداوت بھی ایسی کہ اس کا نتیجہ اکثر خوں ریز جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔

ہر شخص کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دلوں میں یہ انقلاب عظیم کس طرح برپا

تقریظ

اللہ رب العالمین کے دست مبارک سے پیدا کیے گئے، تمام انسانوں کے جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کے زمین پر ہبوط سے لے کر چند صدیوں بعد تک لوگ عقیدۂ توحید اور دینِ حق پر قائم رہے۔ پھر بنی نوع انسان کے ازلی دشمن ابلیس، شیطان لعین نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا اور لوگوں کو فاسد عقیدے اور بُرے عمل کی سان پر چڑھی، تفریق والی تلوار کے ساتھ بالکل متضاد خیالات وتصورات اور عقائد کے حامل دو مخالف گروہوں میں تقسیم کر دیا کہ جن کے اختلاف نے باہمی لڑائیوں کی شکل اختیار کر لی۔ تب سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

عباد الرحمٰن اور اولیاء الشیطن میں سے کبھی پہلا گروہ اپنے اعمال وانفس کی اصلاح، عقیدے کی پختگی اور دعوت وجہاد والے انبیاء کرام کے منہج کے ساتھ باطل قوتوں پر غالب رہا اور صدیوں تک اللہ کے دین کا غلبہ دنیا پر رہا۔ کبھی ایسا ہوا کہ مابعد والے ناخلفوں کی بداعمالیوں سے شیطان کے پجاری قوت پکڑ گئے اور پھر اللہ ذو القوۃ المتین نے اپنے ساتھ عقیدہ وعمل میں کمزوری دکھانے والوں کو بدکردار لوگوں کے ہاتھوں سزا بھی خوب دلائی۔ پھر ایک لمبی مدت تک اولیاء الشیطن کی حکومتیں دنیا پر قائم ہو گئیں۔ انسانی تاریخ میں ایسا بار ہا ہوا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔

دنیا میں آج تک جتنے بھی ادوار گزرے ہیں ان سب میں سے بہترین دور آج سے چودہ صدیاں قبل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اور پھر خیر وبھلائی میں اس سے ذرا کم آپؐ کے اصحاب کا اور پھر بھلائی اور نیکی میں اس سے بھی کم تابعین وتبع تابعین کا۔ جو ۲۱۰ھ پر اختتام کو پہنچا۔ دنیا کی صالح ترین امت کے ہاتھوں اللہ رب العالمین کی شریعت کے غلبہ والے اس (دو صدیوں پر محیط) دور کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ اس زمانے میں ان لوگوں کو جہاں اللہ ذو الجلال نے سید الثقلین، امام الانبیاء والمرسلین، خاتم النبین

ابوزید شلبی رحمہ اللہ نے اپنی اس تصنیف میں ابوسلیمان سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شخصیت، آپ کے اخلاق و عملی کردار، خاندانی وقار اور خلافت اسلامیہ کے لیے خدمات کا بھرپور جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ آپؓ کی ذات پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا دفاعی انداز میں جواب بھی خوب دیا ہے۔ نبی مکرم محمد رسول اللہ کی زبان مبارک سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ بھی بیان کیے ہیں۔ اصل عربی متن ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ البتہ دارالابلاغ للنشر والتوزیع (لاہور) کے مدیر و منتظم اور کتب کثیرہ کے مصنف محترم طاہر نقاش صاحب نے کہیں سے (پرانا) اردو ترجمہ والا نسخہ تلاش کر کے نئے سرے سے اس پر کام کروایا ہے۔ ایک ایسے مسلمان نوجوان کے لیے جو دعوت و جہاد والے نبوی منہج پر چل کر دنیا میں اپنا کوئی کردار ادا کرنا چاہتا ہو، یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ طاہر صاحب موصوف حفظہ اللہ نے کتاب کی نظر ثانی کے لیے نہ جانے کس حسنِ ظن کی بنیاد پر مجھ کم علم کو حکم دیا ہے۔ جب کہ میں تو اپنے اندر ایسی کوئی استعداد نہیں رکھتا۔

بہر کیف نظر ثانی کر دی ہے اور جہاں ضروری سمجھا اضافہ اور کمی بھی کر دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

اخوکم فی اللہ
ابویحییٰ محمد زکریا زاہد
صفر/۲۷/۱٤۲٤ھ

مقدمہ

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

عسکری تاریخ کے ایک عظیم جرنیل

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين و بعد!

مضبوط گٹھا ہوا اور پھرتیلا جسم...... سروقد...... کشادہ سینہ...... بارعب چہرہ...... عقابی نگاہیں...... بلند خیالی...... شعلہ نوائی اور پختہ ارادی کا قابل رشک نمونہ...... ظاہری و باطنی حسن و جمال اور جاہ و جلال کا پیکر...... شجاعت، بہادری اور جرأت میں بے مثال...... شہسواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کا ماہر...... بے خوف، زندہ دل اور مہم جو...... غزوہ احد میں مہارت، جرأت مندی اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجاہدین کا شیرازہ بکھیرنے والا جوانِ رعنا...... غزوہ موتہ میں اپنی شجاعت اور حسن تدبیر سے مٹھی بھر مجاہدین کو دشمن کے نرغے سے سلامتی وحفاظت سے نکال لانے والا جوان مرد...... مدبر قائد...... روم و فارس کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دینے والا ایک عظیم جرنیل...... میدان کارزار میں دشمنوں کی صفوں کو چیرنے والا ایک بہادر و نڈر جنگجو...... اعدائے اسلام کے سروں پر لٹکنے والی شمشیر بے نیام...... جس کی بہادری و بے جگری سے کفار کے دل دہشت زدہ ہو گئے...... جس کے طوفانی حملوں اور فتوحات سے دنیا محوِ حیرت ہو گئی...... جسے شاہِ امم سلطانِ مدینہ ﷺ نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب دے کر نشانِ حیدر عطاء کیا...... جو پوری دنیا کی عسکری تاریخ میں ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے...... فتح و نصرت جس کی قدم بوسی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھی...... جس کی جنگی مہارت کے اپنے تو کیا بیگانے بھی معترف تھے۔

سیدنا خالدؓ بن ولید بچپن ہی سے نہایت پھرتیلے، چاق و چوبند اور جرأت مند تھے۔ قبیلہ بنو مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ کے فرزند ارجمند ہونے کے سبب ہر فرد کی آنکھ کا تارا تھے۔

جوان ہو کر آپ کے تدبر اور شجاعت کا رنگ اور نکھرا۔ آپ بنو مخزوم کے قابلِ رشک جوانوں میں شمار ہونے لگے۔ سڈول جسم میں بلا کی کشش تھی، دورِ جاہلیت میں اشراف (معززین) میں شمار ہوتے تھے۔ بدر سے لے کر حدیبیہ تک قریش کے لشکر کی کمان ان کے سپرد رہی۔ اس کے بعد ان کا سینہ اسلام کی نورانی کرنوں سے منور ہو گیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ و دل آویز ہے۔

طبقات ابن سعد میں حارث بن ہشام کے حوالے سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے (سیدنا) خالد بن ولید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں تقریباً ہر معرکے میں رسولِ اقدس ﷺ کے مقابلے میں خم ٹھونک کر آیا ہوں۔ لیکن ہر مرتبہ آپ کا رعب و دبدبہ میرے دل پر طاری ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت میرے دل میں پیدا کر دی۔ ایک مرتبہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو میدانِ جنگ میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے اگر اس وقت حملہ کر دیا جائے تو مسلمانوں کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے روک لیا ہے۔ پھر آپ نے اسی میدان میں عصر کی نماز پڑھائی، پھر دل میں خیال آیا کہ حملے کا یہ بہترین موقع ہے لیکن قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ میں نے کہا کہ ان کی پردہ غیب سے حفاظت ہو رہی ہے۔ یہ یقیناً خطہ عرب بلکہ پوری دنیا پر غالب آ جائیں گے۔

جب قریش سے مصالحت کرنے کے بعد آپ اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہمراہ واپس مدینہ پلٹ گئے تو میں نے سوچا اب کیا ہوگا؟ یہ خیالات میرے دل میں آنے لگے کہ کیا میں حبشہ چلا جاؤں؟ لیکن پھر خیال آتا کہ وہاں کا حکمران نجاشی تو پہلے ہی محمد ﷺ کا دامن گیر ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھی وہاں امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کیا شاہ ہرقل کے پاس چلا جاؤں اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت اختیار کر لوں، یا خطۂ عرب کو خیر باد کہتے ہوئے کسی عجمی ملک کی راہ لوں یا اپنے گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں۔ غرضیکہ خیالات کا ایک سیلِ رواں تھا کہ تھمتا ہی نہ تھا۔ انہی خیالات میں گم

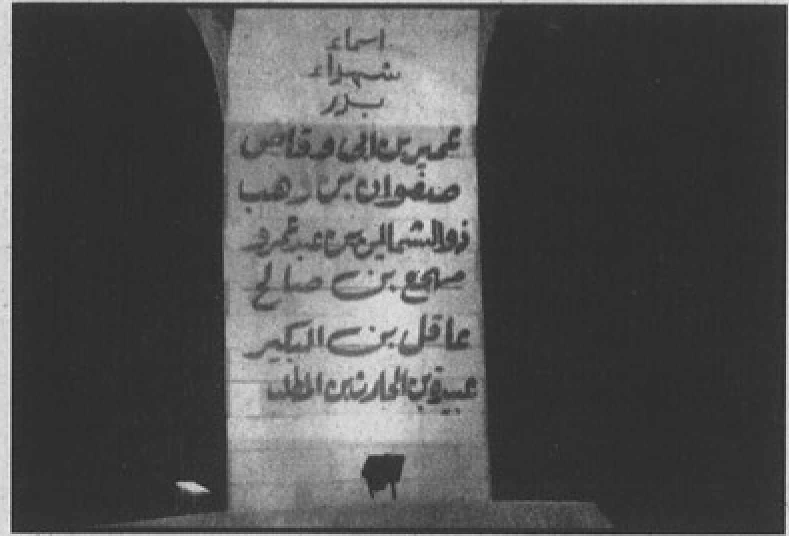

یہ مقام بدر ہے کہ جہاں حق و باطل کے دوران وہ معرکہ بپا ہوا کہ جس میں اللہ کریم نے مومنین کی مدد کے لئے فرشتوں کو آسمان سے میدان قتال میں بھیج دیا کہ وہ مجاہدین کی مدد کریں۔

تھا کہ میرے بھائی کا تحریری پیغام مجھے ملا جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا۔ میرے بھائی نے بڑے ہی پیارے بھرے انداز میں مجھے لکھا:

''بھائی جان! میرے آقا، دو جہاں کے سردار، شاہِ امم، سلطانِ مدینہ ﷺ کا رب کریم ایک دن ضرور میرے بھائی کو آپ ﷺ کے قدموں میں لے آئے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ میرا ذہین و فطین اور لئیق و فہیم بھائی اسلام جیسی نعمت سے محروم رہ جائے۔''

اس پیغام سے میرے دل میں اسلام قبول کرنے کی رغبت پیدا ہوئی اور اس سے مجھے دلی مسرت ہوئی کہ رسولِ اقدس ﷺ نے مجھے یاد کیا۔ میرے تو بخت جاگ اٹھے۔ اسی دوران ایک رات گہری نیند سویا ہوا تھا کہ مجھے ایک خواب آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ: میں ایک تنگ و تاریک اور بے آب و گیاہ جگہ سے سرسبز و شاداب اور کھلے میدان کی طرف جا رہا ہوں۔ آنکھ کھلی تو میرے دل میں ایک خوش گوار احساس پیدا ہوا اور مدینے جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میرے دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ کاش! سوئے مدینہ جانے والا کوئی راہی مل جائے جس کا میں رفیقِ سفر بن سکوں۔

میں نے عثمان بن طلحہ سے اپنے دلی ارادے کا اظہار کیا تو وہ بخوشی میرے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم دونوں دیدارِ نبی ﷺ کا خیال نہاں خانہ دل میں سموئے ہوئے مدینہ رواں دواں ہوئے۔ دورانِ سفر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کشاں کشاں چلے آ رہے ہیں۔ میں نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: ''اسلام قبول کرنے مدینے جا رہے ہیں۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''یہی لگن مجھے بھی مدینہ کھینچے لیے جا رہی ہے۔'' یوں ہم تینوں ساتھی شاداں و فرحاں، خراماں خراماں سوئے منزل چلتے ہوئے یکم صفر ۸ ہجری کو مدینہ طیبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ میں نے نہایت ادب و احترام سے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے محبت بھرے انداز میں ارشاد فرمایا:

سلطانِ مدینہ: خالد! تمہاری عقل و دانش اور فہم و فراست کی بنا پر مجھے بہت امید تھی کہ تم ایک

نہ ایک دن ضرور اسلام قبول کرلو گے۔

خالد بن ولیدؓ: (آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے) ''یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے بارگاہ رب کریم میں دعا کیجئے کہ وہ میرا یہ گناہ معاف کردے جو میں بزور شمشیر لوگوں کو راہِ اسلام سے روکتا رہا اور بزورِ بازو مسلمانوں کے لیے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتا رہا۔''

سلطانِ مدینہ: (آپ ﷺ سیدنا خالدؓ کی یہ پریشانی دیکھتے ہوئے نہایت ہی شفقت بھرے لہجے میں) خالد! گھبراؤ نہیں، اسلام قبول کرنے سے دورِ جاہلیت کے سب گناہ از خود مٹ جایا کرتے ہیں۔

سیدنا خالدؓ: اس کے باوجود میری التجا ہے کہ آپ ﷺ میرے لیے بارگاہِ ایزدی میں دعا کریں۔ (آپ نے سیدنا خالدؓ کے حق میں یہ دعا کی)

سلطانِ مدینہ: الٰہی! خالد بن ولید کو بخش دے...... الٰہی! خالد بن ولید پر رحم کر...... الٰہی! اس کی جملہ خطائیں معاف کردے...... بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے بعد عمرو بن عاصؓ اور عثمان بن طلحہؓ آگے بڑھے اور آپ کے بابرکت ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے آغوشِ اسلام میں پناہ گزیں ہوئے۔

سیدنا خالدؓ بن ولید فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خواب سنایا تو انہوں نے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تنگ و تاریک جگہ سے مراد کفر و شرک کی زندگی ہے، سرسبز و شاداب میدان سے مراد اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے اسلام کے وسیع و عریض اور روشن و چمکیلے میداں کی طرف نکال لایا ہے۔ اسلام قبول کرنا آپ کو مبارک ہو۔ سیدنا خالدؓ بن ولید کسی خوف و لالچ کی بنا پر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ سید الانبیاء شاہِ امم سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

تاریخِ انسانی میں حق گوئی و بے باکی کو بہادر انسانوں کا بنیادی وصف تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہادر و جرأت مند لوگ بسا اوقات انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ دونوں

خوبیاں اپنے دور کے عظیم جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔ جب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا تو یہ مسلمانوں کے خطرناک دشمن تھے۔ غزوہ احد میں لشکرِ اسلام کی جیتی ہوئی بازی کو شکست میں تبدیل کرنے میں سیدنا خالدؓ بن ولید کی انتہا پسندی اور ثابت قدمی کا بڑا دخل ہے۔ چونکہ کفار کا لشکر دلبر داشتہ ہو چکا تھا، پسپائی ان کا مقدر بننے والی تھی، اس معرکہ حق و باطل میں دشمن کی صفوں میں صرف ایک ہی جوانمرد تھا جو ہار ماننے کے لیے کسی صورت تیار نہ ہوا اور موقع پاتے ہی چند افراد کا دستہ ترتیب دے کر درے کے راستے مسلمانوں پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور انہیں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن جب یہ جواں سال مردِ میدان حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے تو ہر مرحلے پر صدقِ دل اور اخلاصِ نیت سے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی سرفرازی کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پھر تو انہوں نے اپنی پوری زندگی حق کی حمایت اور ظلم و بربریت کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہوئے گزار دی۔ انتہائی نازک ترین حالات میں بھی انہوں نے خوف اور ناامیدی کو اپنے قریب تک پھٹکنے نہیں دیا۔

سیدنا خالدؓ بن ولید نے جنگی تاریخ میں ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ دنیا ورطۂ حیرت میں پڑ گئی۔ آپ کی جرأت شجاعت اور عظمت کا اعتراف تو دشمن نے بھی کیا۔ جرمن فوج کے سپہ سالار جنرل اروِن راحیل سے جب پوچھا گیا کہ: ''میدانِ جنگ میں تیری کامیابی کا راز کیا ہے؟'' تو اس نے برملا کہا کہ: ''میں میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے جرنیل (سیدنا) خالدؓ بن ولید کے طریقے اپناتا ہوں۔'' بلاشبہ یہ خالد بن ولید کی مدبرانہ اور جرأت مندانہ قیادت کا کرشمہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کا جاہ و جلال دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قدموں میں سرنگوں ہو گیا۔ چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ روم و فارس جیسی سپر پاوروں کے وسیع تر جنگی وسائل کبھی بھی ان کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔ ابتداء سے لے کر آخر تک ہر معرکہ حق و باطل میں فتح و نصرت ان کے ہم قدم رہی اور شکست و ریخت سے یہ تقریباً ناآشنا رہے۔

موتہ سرزمین شام کے سرحدی علاقے پر واقع ایک بستی کا نام ہے۔ اس مقام پر پیش آنے والے واقعے کو جنگِ موتہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پہلی جنگ ہے جس میں اسلام

قبول کرنے کے بعد سیدنا خالدؓ بن ولید ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ لیکن یکے بعد دیگرے تین جرنیلوں کی شہادت کے بعد لشکرِ اسلام کی قیادت ان کے سپرد ہوئی۔ مجاہدین صرف تین ہزار تھے اور وہ بھی تھکن سے چور۔ مقابلے میں فوج دو لاکھ جنگجو افراد پر مشتمل تھی اور وہ سب کے سب ہتھیاروں سے لیس تھے۔

ہوا یہ کہ شاہِ امم سلطانِ مدینہ ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار صحابی حارث بن عمیر ازدی کو خط دے کر والیِ بصریٰ کے حکمران حارث بن ابی شمر غسانی کی جانب روانہ کیا۔ ابھی شام کے سرحدی صوبے بلقاء کی موتہ نامی بستی میں پہنچے ہی تھے کہ صوبے کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی کو ان کی آمد کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے انہیں گرفتار کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ یہ اندوہناک خبر جب رسول اقدس، شاہِ امم سلطانِ مدینہ ﷺ کو ملی تو آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اس کے علاوہ پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل ایک تبلیغی جماعت سرزمینِ شام میں دعوت وارشاد کے کام میں ہمہ تن مصروف تھی۔ ان تمام صحابہ کرام کو ذات اطلح کے مقام پر دھوکہ دے کر بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ نیز انہی ایام میں شاہ روم نے مدینہ منورہ پر فوج کشی کی دھمکی بھی دی۔ یہ وہ بنیادی اسباب تھے جن کی بناء پر سلطانِ مدینہ ﷺ نے ۸ ہجری کو سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اگر دورانِ جنگ زیدؓ شہید ہو جائے تو لشکرِ اسلام کا سپہ سالار جعفرؓ بن ابی طالب کو بنالیا جائے، وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ کو قائد بنالیا جائے، اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو مجاہدین اپنی مرضی سے جس کو چاہیں اپنا قائد منتخب کرلیں۔ آپؐ نے لشکر کے لیے سفید رنگ کا پرچم بنالیا اور زید بن حارثہؓ کے حوالے کیا۔ لشکر کو آپ نے یہ وصیت کی کہ جس مقام پر حارث بن عمرو ازدی شہید ہوئے وہاں پڑاؤ کریں اور اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان کے ساتھ ڈٹ کے مقابلہ کریں۔ دیکھنا کسی سے بدعہدی نہ کرنا اور نہ ہی خیانت کا ارتکاب کرنا، کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی کسی گوشہ نشین تارک دنیا راہب کی گردن اڑانا، کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا اور نہ ہی کوئی درخت کاٹنا۔ لشکر اسلام سلطانِ مدینہ ﷺ کی ہدایت لے کر اپنی کٹھن منزل کی طرف رواں دواں ہوا۔ دشوار گذار راستوں سے گذرتا ہوا جب یہ سرزمینِ شام کے

سرحدی صوبے بلقاء میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہِ روم ہرقل نے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک لشکر جرار پہلے سے وہاں بھیجا ہوا ہے۔ اور وہ میدان میں پڑاؤ ڈالے بیٹھا ہے۔ لہذا مجاہدین راستہ بدلتے ہوئے مقام موتہ پر پہنچے۔ وہاں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا تو سیدنا زید بن حارثہ نے قائدانہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے زوردار حملہ کیا۔ اپنی مٹھی بھر فوج کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے چومکھی لڑائی لڑی۔ چہار سو تہلکہ مچاتے ہوئے اپنے دشمن کی فوج کو چیرتے ہوئے مسلسل ہی آگے بڑھتے گئے۔ دیوانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے لشکرِ اسلام کی قیادت سنبھالی، جھنڈا ہاتھ میں لیا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن واحد میں رومیوں کے لشکر کے درمیان پہنچ گئے اور اپنی کاٹ دار تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ جب دیکھا کہ گھوڑے کو دشمن کی کثرت اور اژدھام کی وجہ سے آگے بڑھنے میں مشکل پیش آرہی ہے تو چھلانگ لگا کر نیچے اتر آئے اور پیادہ دشمن کی صفوں میں گھس کر انہیں تہہ تیغ کرنے لگے۔ آخر کار ایک دشمن کا وار کارگر ثابت ہوا جس سے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا۔ آپ نے جھنڈا بائیں بازو میں تھام لیا۔ تو اس نے کاری ضرب لگا کر بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ تو پھر آپ نے اپنے پاؤں کے سہارے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اس نے تیسرا وار تاک کر کمر پر کیا، جس سے آپ لڑکھڑا کر زمین پر گر گئے اور یوں شہادت کے بلند مرتبے پر فائز کر دیے گئے۔ ان کے بعد ارشاد نبوی کے مطابق سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر جھنڈے کو تھام لیا۔ اور آخر کار یہ بھی بہادری و جوانمردی کے عظیم کارنامے سرانجام دیتے ہوئے شہادت کا خلعتِ زریں زیب تن کر کے بارگاہِ رب جلیل میں حاضری کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

مسلسل تین جرنیلوں کی شہادت سے مجاہدین کے حوصلے پست ہونے لگے...... لشکر اسلام کا جھنڈا زمین پر گر چکا تھا...... ہر طرف پریشانی کا عالم تھا، میدان میں کہرام مچا ہوا تھا...... مجاہدین کی قلت اور رومیوں کی کثرت کی بنا پر بظاہر بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی...... قریب تھا کہ اسلامی لشکر کا جھنڈا دشمن کے قبضے میں آ جاتا لیکن سیدنا ثابت بن اقرمؓ

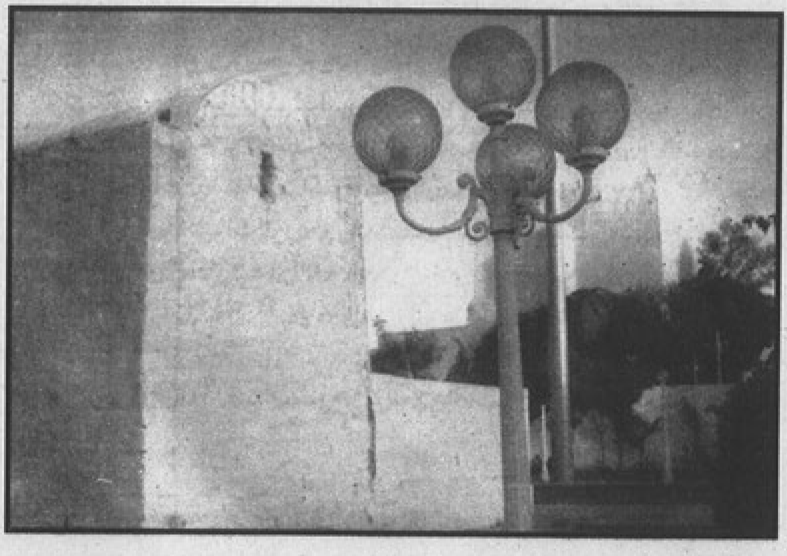

یہ وہ تاریخی اور پاکیزہ مقام ہے کہ جہاں جنگِ خندق کے موقع پر سرور کونین، سید المرسلین رحمۃ اللعالمین اور مجاہد رسول ﷺ کا مورچہ تھا۔ دشمن نے لمبا عرصہ مسلمانوں کے شہر کا محاصرہ کئے رکھا لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ خندق کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔

نے چابک دستی سے جھنڈے کو اپنے قابو میں لیا اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ثابت بن اقرم: ازراہِ کرم یہ جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیجئے، اس مشکل ترین وقت میں مجاہدین کی قیادت کا فریضہ آپ ہی بہ حسن وخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔

خالدؓ بن ولید: (ادب واحترام اور تواضع وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) جھنڈا اپنے پاس رکھئے، آپ مجھ سے افضل وبہتر ہیں، آپ نے غزوہ بدر میں بھی حصہ لیا ہے، لہٰذا لشکرِ اسلام کی قیادت کا حق آپ کو پہنچتا ہے۔

ثابت بن اقرم: میدانِ کارزار میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھلانے میں آپ سے بہتر اس لشکر میں اور کوئی نہیں۔ رب ذوالجلال کی قسم! میں نے یہ جھنڈا آپ کے ہاتھ تھمانے کے لیے زمین سے اٹھایا ہے۔ ازراہِ کرم اسے پکڑیں اور مجاہدین کو موجودہ صورت حال سے نپٹنے کے لیے اپنی مدبرانہ جنگی پالیسی کو اختیار کریں۔ حالات انتہائی نازک ہیں اور آپ کے تدبر، جرأت، شجاعت اور جنگی مہارت کی لشکرِ اسلام کو اشد ضرورت ہے۔ میرے سمیت تمام مجاہدین کی دلی خواہش ہے کہ ان سنگین حالات میں آپ قیادت کا اہم فریضہ سنبھالتے ہوئے دشمن کے خلاف کوئی ایسی جنگی تدبیر اختیار کریں جس سے وہ ورطۂ حیرت میں پڑ جائے اور مجاہدین سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو سکیں۔

ثابت بن اقرم: (مجاہدین سے بلند آواز سے مخاطب ہو کر) میرے مجاہد بھائیو!...... کیا تم سیدنا خالدؓ بن ولید کی قیادت وامارت کو برضا ورغبت تسلیم کرتے ہو؟

اصحاب رسولؐ: (بیک زبان ہو کر) ہم ان کی قیادت کو بخوشی تسلیم کرتے ہیں۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سیدنا خالدؓ بن ولید نے اللہ کا نام لے کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ دشمن کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اپنی جنگی تدابیر کو بروئے کار لاتے ہوئے پہلے روز لشکر کی ترتیب بدل دی، اور چند مجاہدین کو عقب میں محض گھوڑے دوڑانے پر مامور کر دیا۔ فضا گرد وغبار سے اٹ گئی، رومی لشکر یہ صورت حال دیکھ کر

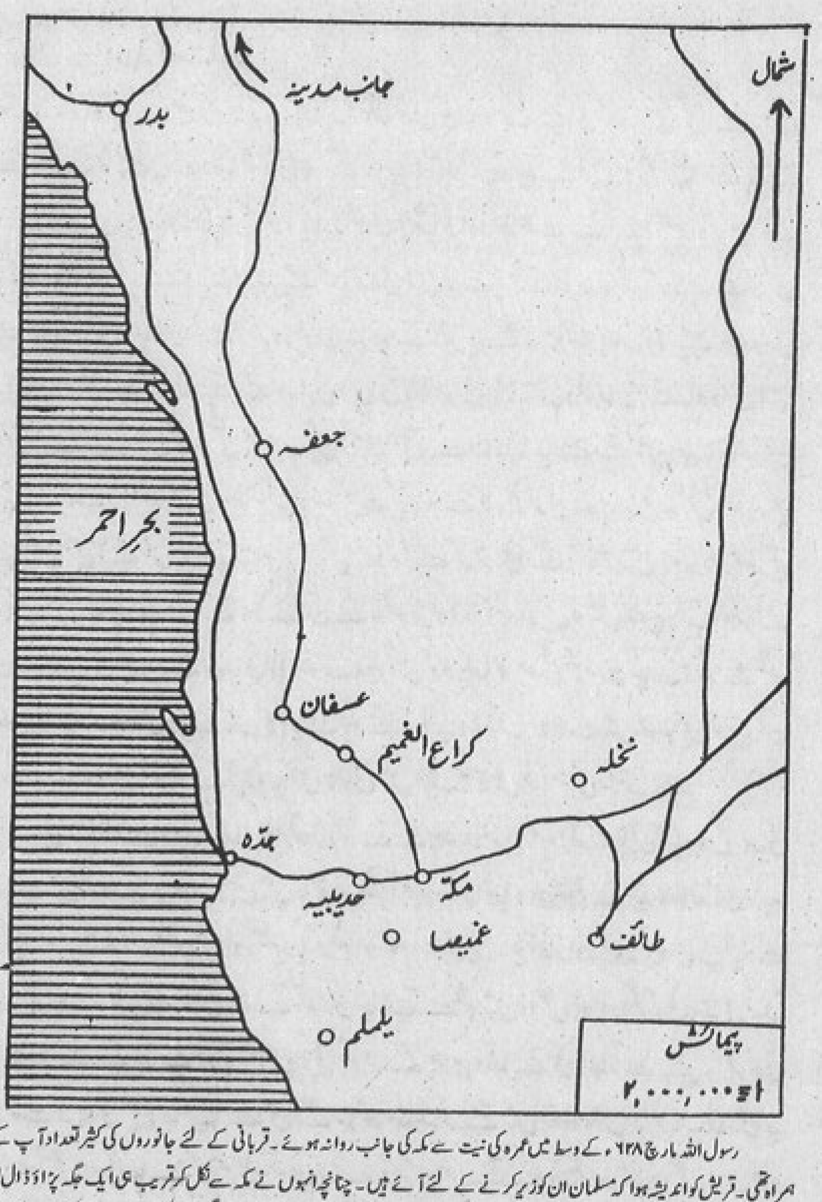

رسول اللہ مارچ ۶۲۸ء کے وسط میں عمرہ کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قربانی کے لئے جانوروں کی کثیر تعداد آپ کے ہمراہ تھی۔ قریش کو اندیشہ ہوا کہ مسلمان ان کو زیر کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مکہ سے نکل کر قریب ہی ایک جگہ پڑاؤ ڈال لیا اور وہاں سے سیدنا خالدؓ کو تین سو سواروں کے ساتھ رسول اللہ کا راستہ روکنے بھیج دیا۔ خالدؓ نے اپنے جنگجوؤں کو عسفان سے ۱۵ میل دور کراع الغمیم میں ایک درے میں مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے متعین کر دیا تو رسول اللہ نے مجاہدین کے ایک دستے کو خالد اور اس کے لشکر کو مصروف رکھنے کے لئے مقرر کر دیا اور خود اپنے جانثاروں سمیت قدرے دائیں جانب ہٹے اور پھر دشوار گزار پہاڑی علاقے کے انجان راستوں پر چلتے ہوئے ساحل سمندر کے قریب درہ ثنیہ المرار سے گزر کر سلسلہ کوہ کی دوسری جانب پہنچ گئے۔ خالدؓ کو جب پتہ چلا تو وہ تیزی سے مکہ کی طرف واپس پلٹے۔ مسلمان مکہ سے ۱۳ میل دور حدیبیہ تک پہنچ گئے۔ یہاں آ کر بھی خالد رسول اللہ پر حملہ کرنے کی پلاننگ کرتے رہے لیکن ہمت نہ پڑ سکی اور بقول ان کے کسی غیبی طاقت نے انہیں اس کام سے روکے رکھا۔ پھر نقشہ میں موجود حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور قریش میں مشہور معاہدہ "صلح حدیبیہ" کے نام سے ہو گیا۔

خوف زدہ ہو گیا۔ رومیوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے نئی کمک پہنچ گئی ہے۔ اس سے ان کے حوصلے پست ہونا شروع ہو گئے۔ سیدنا خالدؓ بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مجاہدین کو سرکانا شروع کر دیا اور بڑی احتیاط اور حفاظت سے اپنے لشکر کو دشمن کے نرغے سے بچا کر لے آئے ورنہ پہلے روز رومی اس بات پر تلے ہوئے نظر آ رہے تھے کہ کسی ایک مجاہد کو بھی میدان سے زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔ کیونکہ چند روز پہلے ہی رومی ایرانیوں کو شکست دے چکے تھے اور اپنی اس فتح و کامرانی پر نازاں و فرحاں تھے۔ وہ اپنی اس کامیابی کے نشے میں مخمور مٹھی بھر مجاہدین کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے لیکن سیدنا خالدؓ بن ولید نے ربِ ذوالجلال کی عطاء کردہ صلاحیت کو بروئے کار لا کر ایسا مدبرانہ طرزِ عمل اختیار کیا کہ دشمن بھی بے بس و لاچار ہو کر رہ گیا۔ وہ ایسے کہ لڑائی کے آغاز میں زوردار حملہ کیا۔ رومیوں کے پرخچے اڑاتے ہوئے ان کے ہاتھوں نو (۹) تلواریں ٹوٹیں لیکن جب دوسرے دن رومیوں کی گھبراہٹ، پسپائی اور خوف و ہراس کو دیکھا تو موقع غنیمت جانتے ہوئے لشکرِ اسلام کو بچا کر واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ایسے نازک حالات میں مجاہدین کو میدانِ کارزار سے واپس محفوظ لے آنا، یہ جنگی تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے۔

سیدنا خالدؓ بن ولید کے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرا اہم واقعہ جو پیش آیا وہ فتح مکہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ جس میں باقاعدہ فخرِ امم، سرورِ انبیاء ﷺ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کو ایک دستے کا امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ تم بنو سلیم، بنو خزیمہ، بنو غفار اور جہینہ قبیلوں کی قیادت کرتے ہوئے مکہ کے بالائی علاقے کدا کی جانب سے شہر میں داخل ہو اور اگر کوئی مقامی قبیلہ راستہ روکنے کے درپے ہو تو تمہیں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی مزاحمت نہ ہو تو اپنی جانب سے کسی کے ساتھ مقابلہ کرنے میں قطعاً پہل نہ کرنا۔ ہماری یہ پوری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم بغیر خون بہائے پُرامن طریقے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اور اس مبارک شہر کی حرمت کو پامال کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، اگرچہ اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی اور یہ مکہ مکرمہ کے باشندوں کی نسبت کافی زیادہ نفری تھی۔ بظاہر امکانات یہی تھے کہ اہلِ مکہ آج ہتھیار اٹھانے کی جرأت نہیں کریں گے اور یوں پُرامن ماحول میں مکہ

فتح ہو جائے گا۔ لیکن بغیر ہتھیار اٹھائے اور زور آزمائے اپنے مرکز پر قبضہ کرا دینا ان کی افتادِ طبع کے خلاف تھا، لہٰذا قریش کے ابھرتے ہوئے نوجوان سردار عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے اپنے دستوں کو منظم کر کے مقام خندمہ پر لشکر اسلام کو روکنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے مجاہدین کے جس دستے کا مقابلہ کیا اس کی قیادت سیدنا خالدؓ بن ولید کر رہے تھے۔ جب انہوں نے جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تلوار کے جوہر دکھلانے شروع کیے تو مدِ مقابل دشمن بڑی تیزی سے پسپا ہونا شروع ہوا۔ مقابلے میں بنو بکر اور بنو ہزیل کے چار آدمی مارے گئے جبکہ صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ پورا لشکر اسلام بغیر کسی مزاحمت کے ۲۰ رمضان المبارک بروز جمعہ ۸ ہجری کو مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے پر امن انداز میں داخل ہوا۔ مکہ مکرمہ پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد فخر امام سرورِ انبیاء ﷺ نے بیت اللہ کو بتوں کی آلائش سے مکمل طور پر پاک و صاف کر دیا اور قابلِ رشک فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے عام معافی کا اعلان کر دیا اور ارشاد فرمایا:

① آج جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے تو وہ امان میں ہے۔
② جو اپنے ہتھیار ڈال دے وہ بھی امان میں ہے۔
③ جو اپنا دروازہ بند کرے اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔
④ جو ابو سفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ بھی مامون و محفوظ رہے گا۔

حالانکہ ابو سفیان ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ آخر کار یہ شوکت اسلام سے مرعوب ہو کر سیدنا عباسؓ کی وساطت سے دربار نبوی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور اسلام کا پاکیزہ دامن تھامنے کا شرف حاصل کیا۔

شاہ عرب و عجم جناب محمد ﷺ نے وادی ذی طویٰ میں پر شکوہ لشکرِ اسلام پر نظر دوڑائی تو آپ فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہو گئے۔ آپ کے خیال میں آیا کہ یہ وہی مکہ ہے جہاں سے ہمیں رات کی تاریکی میں ہجرت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا لیکن آج یہی مکہ اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہمیں اپنی آغوش میں لینے کے لیے سراپا منتظر ہے۔ جو کل لات و منات کے پجاری فرزندان توحید پر دن رات ستم ڈھا رہے تھے آج ہمارے قدموں میں سرنگوں، جاں

بخشی اور رحم و درگذر کے لیے درخواست گذار ہیں۔ جن لوگوں نے مجبوری و بے بسی کے عالم میں شعب ابی طالب میں محصور کر کے ہماری زندگی اجیرن کر رکھی تھی آج وہ ہم سے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اس نیرنگی دوراں کو دیکھ کر رسول اقدس ﷺ نم دیدہ حالت میں پروردگار عالم کے حضور شکرانے کے طور پر سجدہ ریز ہو گئے۔

فتح مکہ کو ابھی پانچ روز ہی گزرے تھے کہ شاہ مدینہ ﷺ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کی قیادت میں تیس مجاہدین کا قافلہ مقام نخلہ کی جانب روانہ کیا تاکہ وہاں مشرکین عرب کے ملجاو ماویٰ عزیٰ نامی بت کے پرخچے اڑا دیئے جائیں اور اس طرح شرک کے ایک اہم اور مرکزی مقام کا قلع قمع کیا جا سکے۔ عزیٰ قریش مکہ کا ایک مشہور اور بڑا بت تھا جس کی پوجا بڑے اہتمام سے کی جاتی تھی۔ کنانہ اور مضر جیسے نڈر، بہادر اور جنگجو قبائل اس کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ جس عبادت خانے میں عزیٰ نامی بت کو رکھا گیا تھا اس کا انتظام وانصرام بنو ہاشم کے زیر اثر قبیلے بنو شیبان کے سپرد تھا۔ شرک کے اس گڑھ کو پیوندِ خاک کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن سیدنا خالدؓ بن ولید جذبہ توحید سے سرشار ہو کر کدال ہاتھ میں لئے عزیٰ بت کے پرخچے اڑاتے ہوئے اپنی زبان سے باآواز بلند کہہ رہے ہیں: ''عزیٰ میں تجھے جھٹلاتا ہوں، تیرے اندر تو ذرہ برابر بھی تقدس نہیں، اللہ تعالیٰ نے آج تجھے میرے ہاتھوں ذلیل و رسوا کیا ہے۔'' پھر اسے توڑ پھوڑ دیا اور بعد میں آگ لگا دی۔

فتح مکہ کے بعد سید المرسلین ﷺ نے گرد و نواح کے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے مختلف اطراف میں تبلیغی وفد روانہ کیے۔ جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بھی شامل تھے۔

بنو خزیمہ کی بستی مکہ سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر واقع تھی۔ اسی قبیلے کے متعلق یہ مشہور ہو چکا تھا کہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ جب قبیلے کے سرداروں نے دیکھا کہ سیدنا خالدؓ بن ولید کی قیادت میں کچھ لوگ بستی کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں تو یہ بھی ہاتھوں میں ہتھیار پکڑے بستی سے باہر نکل آئے، یہ منظر دیکھ کر سیدنا خالدؓ بن ولید نے ان سے پوچھا: ''کیا تم ابھی مسلمان نہیں ہوئے ہو؟'' انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ''ہم صابی ہیں۔'' ان

کے منہ سے یہ لفظ سنا تھا کہ سیدنا خالدؓ بن ولید کو طیش آ گیا، کیونکہ مشرکین اس لفظ کو بے دینی کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ کچھ لوگ سالار قافلہ کی ماہرانہ شمشیر زنی سے مارے گئے اور کچھ خوف زدہ ہو کر دبک گئے جنھیں موقع پر گرفتار کر لیا گیا۔

قیدیوں کو دوسرے روز قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ محض غلط فہمی کی بنا پر افسوس ناک صورت حال پیدا ہوئی۔ انہیں تہ تیغ کرنا یا ان پر ہتھیار اٹھانا کسی طرح بھی جائز نہیں لیکن سیدنا خالدؓ بن ولید کا نکتہ نگاہ یہ تھا کہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ہمارے دریافت کرنے پر ضرور برملا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے۔ چونکہ انہوں نے اپنے لیے اسلام کی بجائے لفظ صابی کو پسند کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اسلام سے نفرت ہے۔ لہٰذا یہ لوگ گردن زدنی کے قابل ہیں۔ امام ابن تیمیہ، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم کا یہ مؤقف ہے کہ بنو خزیمہ کو دریافت کرنے پر برملا کہنا چاہئے تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ایک کامیاب جرنیل میں بنیادی طور پر یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنے کے لیے زیادہ دیر نہیں لگاتا اور نہ ہی سوچ بچار میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ بلکہ فوراً دوٹوک فیصلہ کرنے کے بعد اسے نافذ العمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا خالدؓ بن ولید نے جب ان کی زبان سے لفظ "صابی" سنا تو انہوں نے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ اسلام کو دل و جان سے نہیں چاہتے۔ انہوں نے ہمارے سامنے یہ لفظ کیوں استعمال کیا جسے ہمارے دشمن بے دینی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ بنو خزیمہ کو اس غلط فہمی کی بنا پر بھاری جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

اس واقعہ کی خبر رسول اقدس ﷺ کو ملی تو آپ کو دلی صدمہ تو ہوا لیکن آپ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کو کوئی سرزنش نہیں کی۔ چونکہ ایسا صرف غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا ان کی نیت صاف تھی۔ بنو خزیمہ کے نقصان کا مداوا کرنے کے لے حیدر کرار سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو کثیر مال و متاع دے کر ان کی طرف روانہ کیا تاکہ انہیں خون بہا دے کر راضی کر آئیں۔ تاریخی تناظر میں اگر جائزہ لیا جائے تو سیدنا خالدؓ بن ولید کو اس واقعہ کے بعد بھی شاہِ عرب و عجم ﷺ کا

اعتماد بدستور حاصل رہا کیونکہ اس کے بعد بپا ہونے والے کفر و اسلام کے معرکے ''غزوہ حنین'' میں انہیں ہراول دستے کا کمانڈر نامزد کیا گیا۔

حنین ایک وادی کا نام ہے جو شہر طائف سے شمال مشرقی جانب تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر جبل اوطاس میں واقع ہے۔ یہاں پر ایک مشہور و معروف جنگجو قبیلہ ہوازن آباد تھا۔ جس کی بہت سی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ قبیلہ تیر اندازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد شاہِ مدینہ ﷺ نے اس قبیلے کی سرکوبی کا فیصلہ کیا۔ مدینہ منورہ سے آنے والے دس ہزار مجاہدین کے ہمراہ دو ہزار افراد مکہ سے بھی شامل ہو گئے۔ اس طرح لشکرِ اسلام بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس معرکے میں مہاجرین کی قیادت سیدنا عمرؓ فاروق کے سپرد کی گئی۔ قبیلہ اوس کے علمبردار سیدنا اسید بن حضیرؓ کو بنایا گیا۔ قبیلہ خزرج کی سربراہی مشترکہ طور پر سیدنا سعد بن عبادہؓ کے سپرد ہوئی اور سیدنا خالدؓ بن ولید کو قبیلہ بنو سلیم کا سالار مقرر کیا گیا۔ شاہ امم سلطان مدینہ ﷺ لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے دس شوال ۸ ہجری بروز منگل بوقت شام مقام حنین پر پہنچ گئے۔ بنو سلیم کو عظیم جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کیا گیا۔ مقابلہ میں دشمن کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے اور اپنی فتح کو یقینی سمجھنے لگے۔ تائید ایزدی اور نصرت الٰہی کی بجائے افرادی قوت کی بنا پر حصول فتح کا خیال ان کے نہاں خانہ دل میں سما گیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو یہ انداز پسند نہ آیا جس کی وجہ سے لشکرِ اسلام کو پہلے مرحلہ پر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن مجید میں اس منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ [سورۃ التوبہ: ۹/۲۶]

''اور اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر

اللہ نے رسول اور مومنین پر تسکین نازل کی اور فرشتوں کے لشکر اتارے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور عذاب دیا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اور یہی سزا ہے کافروں کی۔"

قبیلہ ہوازن اور قبیلہ بنو ثقیف کے تجربہ کار جنگجو گھاتیں لگائے اپنی کمین گاہوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی سیدنا خالدؓ بن ولید ہراول دستے کو لے کر آگے بڑھتے ہوئے دشمن کی زد میں آئے تو مد مقابل نے مجاہدین پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دشمن نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ایک زوردار حملہ کیا، جس سے پورے لشکر اسلام میں بھگدڑ مچ گئی، اونٹ اور گھوڑے اپنے سواروں سمیت جدھر منہ ہوا سرپٹ دوڑ نکلے۔ شاہ مدینہ ﷺ کے ہمراہ صرف چند مجاہدین میدان میں باقی رہ گئے۔ لیکن آپ عزم واستقلال کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے باآواز بلند پکارنے لگے:

"میں اللہ کا نبی ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں، چشم بینا سے دیکھ لو، میں میدان میں ڈٹا ہوا ہوں بھاگنے والا نہیں۔"

سیدنا عباسؓ درد بھرے انداز میں مجاہدین کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

"اے مہاجرین وانصار!

شاہ امم سلطانِ مدینہ ﷺ کے قدموں میں واپس چلے آؤ، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اللہ کا رسول تمہیں بلا رہا ہے ادھر آؤ، واپس پلٹو۔"

سیدنا عباسؓ کی گرجدار آواز سن کر مجاہدین واپس پلٹے اور والہانہ انداز میں لبیک یا رسول اللہ کا نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے رسول اقدس ﷺ کے پاس آ حاضر ہوئے۔ مجاہدین نے نئے جوش وولولے کے ساتھ اپنی منتشر قوت کو مجتمع کر کے دشمن پر ایک زوردار حملہ کیا، جس کی تاب نہ لاتے ہوئے دشمن تیزی سے پسپا ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان کارزار کا نقشہ بدل گیا۔ عظیم جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید اپنی کاٹ دار تلوار کے ذریعے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھنے لگے۔ جو بھی آگے آیا وہ ان کی تیغ براں کے وار سے بچ نہ سکا۔ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدانِ جنگ میں دشمنوں پر یوں جھپٹ رہے تھے جیسے کوئی بپھرا ہوا شیر اپنے مرغوب شکار پر حملہ آور ہو۔ اس معرکہ آرائی میں انہوں نے خود بھی اپنے جسم پر

گہرے زخم کھائے۔ فتح حاصل ہو جانے کے بعد سید الانبیاء ﷺ تیمار داری کے لیے اپنے چہیتے جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید کے پاس تشریف لائے جس سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے یوں سمجھا جیسے ہفت اقلیم کی دولت آج ان کی جھولی میں آ گری ہے۔ فرحت و انبساط اور مسرت و شادمانی سے جھومتے ہوئے فرمانے لگے:

''زہے نصیب! آج آقا میرے پاس تشریف لائے ہیں، میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ آج میری خوش قسمتی کے کیا کہنے! یہ میرے زخم ہی مقدر والے ہیں جن پر مقدس و نورانی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔''

رسولِ اقدس ﷺ نے زخموں پر دم کر کے لعاب دہن لگایا جس سے آپ بہت جلد شفایاب ہو گئے۔

غزوۂ حنین کے بعد معرکہ طائف میں سیدنا خالدؓ بن ولید نے زخمی ہونے کے باوجود دشمن کو بار بار للکار کر اپنی جرأت و شجاعت اور جذبۂ ایمانی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ بلاشبہ یہ علامتیں ایک کامیاب جرنیل میں ہی پائی جاتی ہیں۔

سیدنا خالدؓ بن ولید کی ہیبت اور رعب و دبدبہ ایسا تھا کہ ان کا نام سنتے ہی دشمن کے رگ و پے میں کپکپاہٹ طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ ان کی قیادت میں لشکرِ اسلام نے جس طرف کا بھی رخ کیا فتح و نصرت نے ان کی قدم بوسی کی۔ اسلام کا جھنڈا چہار دانگ عالم میں لہرانے لگا۔ قیصر و کسریٰ کا جاہ و جلال دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہونے لگا۔ بلاشبہ سیدنا خالدؓ بن ولید بحیثیت جرنیل ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔

سیدنا خالدؓ بن ولید جہاں ایک کامیاب جرنیل کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں وہاں ایک پرتاثیر اور پارعب مبلغ کی حیثیت سے بھی میدانِ تبلیغ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شاہِ امم سلطانِ مدینہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سیدنا خالدؓ بن ولید مسلسل جہاد اور تبلیغ کا اہم ترین فریضہ سرانجام دیتے رہے کسی موقع پر بھی آپ نے تساہل، بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اسلام لانے کے بعد تقریباً ہر غزوہ میں سرورِ عالم ﷺ کے ہمراہ ہم سفر

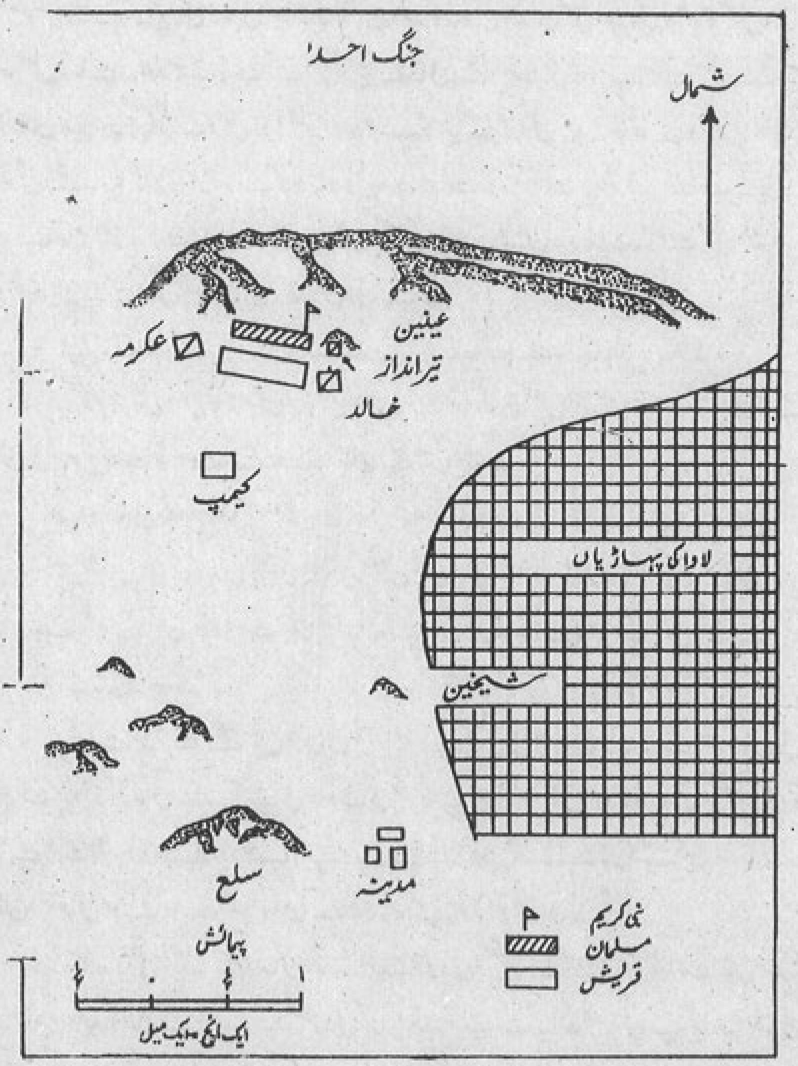

عینینؓ کے مقام پر متعین کردہ تیر اندازوں کو رسول اللہ نے یہ ہدایت کی کہ خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست اتم نے اپنی جگہ نہیں چھوڑنی۔ لیکن ہوا یہ کہ جب انہوں نے مسلمانوں کی فتح کا منظر مشاہدہ کیا تو اکثر اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں شریک ہو گئے۔ اس موقع پر خالد نے عکرمہ کے دستے کو ملا کر کاروائی کی، درہ میں باقی رہ جانے والے تیر اندازوں نے عکرمہ کے دستے کے سامنے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، یوں درہ خالی ہو گیا اور درہ پر خالد قابض ہو کر نیچے اترے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

رہے، آپ نے انہیں متعدد مواقع پر لشکر اسلام کے ہراول دستے کا سالار مقرر کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری زندگی سیدنا خالدؓ بن ولید کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل اعتماد حاصل رہا ہے۔ اور جب آپ نے اس دنیائے فانی سے رحلت کی تو آپ امت مسلمہ کے عظیم انسان میدان جہاد کے دھنی اور لشکرِ اسلام کے کامیاب جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید پر انتہائی خوش تھے۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ دنیا و مافیہا کی دولت اور حکومت کی طرف سے دیئے جانے والے تمام اعزازات اس کے مقابلے میں ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشدہ

یہ عظیم جرنیل جس کا نام سن کر دشمن کانپ جاتا تھا، آج حمص شہر میں بستر مرگ پر لیٹا بے بسی کی تصویر بنا ہوا آنسو بہاتے ہوئے غمگین لہجے میں کہتا ہے:

''اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم! میں نے شوقِ شہادت کے جذبے سے اپنی زندگی میں بہت سی جنگیں لڑیں، میرے بدن کا کوئی جوڑ ایسا نہیں جس پر تیر یا تلوار کے زخم کا نشان نہ ہو، لیکن ہائے افسوس! آج مجھے موت بستر پر آ رہی ہے۔ افسوس! شہادت کا خلعتِ زریں میرے نصیب میں نہ ہو سکا۔''

یہ کلمات منہ سے نکلتے ہیں اور ان کی پاکیزہ روح قفسِ عنصری سے جنت الفردوس کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔ آپ کی رحلت کی خبر جب امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم کو ملی تو آپ بہت افسردہ ہوئے اور جب آپ کو یہ پتہ چلا کہ انہوں نے ورثہ میں ایک گھوڑا اور جنگ میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تو فرمانے لگے:

''خالدؓ واقعی ایک عظیم انسان تھا۔'' سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا خالدؓ بن ولید کو ان کے منصب سے معزول کر دیا تھا۔ آپ نے یہ اقدام اس لیے کیا کہ مسلمان کہیں (اپنے عقیدہ میں) فتح و نصرت کو سیدنا خالدؓ بن ولید کے ساتھ منسلک نہ کر دیں اور انہوں نے دربار خلافت سے معزولی کا پیغام ملتے ہی خالصتاً سپاہیانہ انداز میں اسلام کی سر بلندی کے لیے برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر کے تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش باب کا

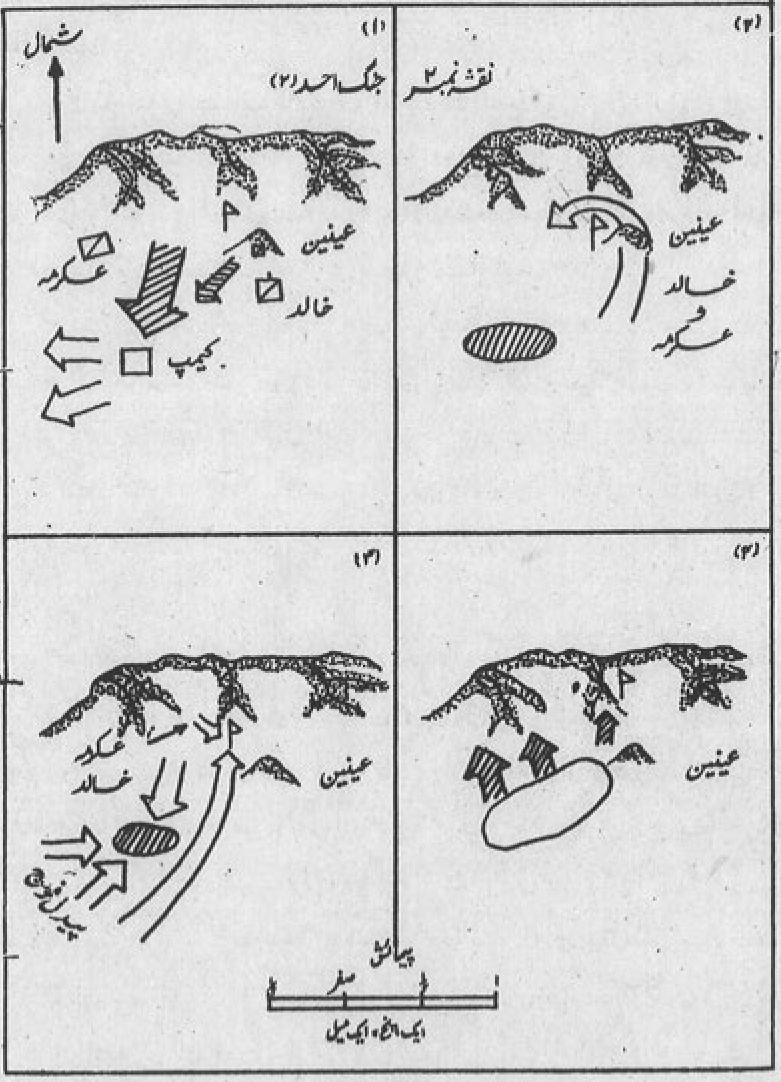

جنگ احد میں سیدنا خالد بن ولید کا جب کہ وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، اپنے دستے کو لے کر درہ پر مقرر باقی ماندہ تیر اندازوں کو ختم کر کے مسلمانوں پر حملے کا ایک دوسرے زاویے سے منظر اور پوزیشن کہ کس طرح وہ چکر کاٹ کر مسلمانوں کے عقب میں پہنچے اور حملہ آور ہوئے۔ اب سامنے سے بھی مشرکین حملہ آور تھے اور پیچھے سے بھی۔ یہ مثال بھی سیدنا خالدؓ کی فن حرب و ضرب سے کمال شناسائی کی دلیل ہے۔

اضافہ کر دیا۔

یہ سچ ہے کہ اس نے ایک عظیم جرنیل اور ایک وفادار سپاہی کی طرح زندگی بسر کی۔ اس نے زندگی بھر دشمن کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کی وجہ سے اپنے بدن کو اذیتوں کا محور بنائے رکھا۔ آج بہشت بریں میں اس کے آرام کا پہلا دن ہے۔ جب ان کا جنازہ گھر سے اٹھایا گیا تو والدہ نے غم میں ڈوبے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے فرمایا:

''میرے راج دلارے!...... بلاشبہ تو ہزاروں میں ایک تو شیر سے بڑھ کر بہادر اور دریا سے بڑھ کر سخی تھا۔ تو نے امت مسلمہ کا دفاع اس طرح کیا جس طرح شیر اپنے بچوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ میرے لختِ جگر! اللہ کی رحمت کا سایہ سدا تم پر رہے، میری دلی دعا ہے کہ آخرت میں تجھے راحت، آرام اور چین نصیب ہو، بیٹا زندگی بھر تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور رہا، اللہ کرے آخرت میں تجھے خوشیاں نصیب ہوں، بیٹا! میں تجھے رب کریم کے سپرد کرتی ہوں۔''

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ماں کے اپنے عظیم بیٹے کے بارے میں تاثرات سنے تو برملا کہا: ''خالدؓ کے بارے میں اس کی ماں بالکل سچ کہتی ہے۔'' سیدنا خالدؓ بن ولید کو جنازے کے بعد لحد میں اتار دیا گیا، صحابہ کرام غم سے نڈھال خاموش کھڑے تھے، ہر طرف ہو کا عالم تھا، اس مہیب خاموشی اور طویل سکوت کو سیدنا خالدؓ بن ولید کے اشعر نامی گھوڑے کی غم آلود ہنہناہٹ نے توڑا، گویا گھوڑا اپنے سوار کی جدائی میں آہیں بھر رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ یہ منظر دیکھ کر انگشتِ بدنداں رہ گئے کہ گھوڑا اپنے سوار کی جدائی میں غم سے نڈھال آنسو بہا رہا ہے۔ دنیائے اسلام کے عظیم جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید نے ۲۱ ہجری کو حمص میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ بلاشبہ انہوں نے قابلِ رشک زندگی بسر کی اور نہایت ہی پر سکون انداز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پیارے ہوئے۔

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ))

محترم بھائی محمد طاہر نقاش ایک منجھے ہوئے صاحب طرز ادیب ہیں۔ ان کے قلم سے بہت سے ادبی مضامین منظرِ عام پر آ کر دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں، اور بہت سی علمی، ادبی

تاریخی اور اصلاحی کتابیں نہایت عمدہ اور نفیس انداز میں شائع کرنے کا انہیں اعزاز حاصل ہے۔ زیرِ نظر کتاب (اللہ کی تلوار) عسکری تاریخ کے ایک عظیم جرنیل سیدنا خالدؓ بن ولید کی سوانحِ حیات شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی اور اس کے مؤلف ابوزید شلبی ہیں جس کو اردو کالب میں ڈھالنے کی شیخ محمد احمد پانی پتی نے سعادت حاصل کی اور نظرِ ثانی کے فرائض محترم جناب ابویحیٰ محمد زکریا زاہد نے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے ہر لائبریری کی زینت بنایا جائے اور عسکری تنظیمیں اسے تربیتی نصاب میں شامل کریں۔

((وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ))

اللہ کریم کا عاجزہ بندہ

ابوضیاء محمود احمد غضنفر

سبزہ زار، لاہور

۱۷۔ جون ۲۰۰۳

حصہ اول

خالدؓ بن ولید، اسلام سے قبل

نسب

سیدنا خالدؓ بن ولید کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:
ابو سلیمان خالدؓ بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے آپ کا نسب ساتویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے (شجرہ نمبر ۱)

آپ کی والدہ کا نام لبابتہ الصغریٰ تھا جو حارث بن حزن ہلالیہ کی بیٹی تھیں۔ ان کا اور آپ کے والد ولید کا سلسلہ نسب مضر پر جا کر مل جاتا ہے۔ (شجرہ نمبر ۲)

ولادت

تاریخ کی کسی کتاب سے ہمیں خالدؓ بن ولید کی صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ابن عساکر اور ابن برہان الدین نے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ عمر بن خطاب اور خالدؓ بن ولید نے کشتی لڑی جس میں خالد نے عمر کی پنڈلی توڑ ڈالی جو کافی علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوئی۔ اس واقعے سے دونوں کا ہم عمر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسلام کے ظہور کے وقت عمر ستائیس سال کے تھے۔ سیدنا خالد کی بھی اسی وقت یہی عمر ہوگی۔ [1]

خالدؓ کی زندگی کے اصل واقعات شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے منشاء و مولد، ان کے قبیلے اور ان کے والدین کا مختصر حال بیان کر دیا جائے کیونکہ اس طرح ہم ان

---

[1] خالد کی بھی اس وقت تقریباً یہی عمر ہوگی۔ (اگر یہ بات مان لی جائے کہ دونوں ہم عمر تھے تو عمر کی عمر بعثت نبوی کے وقت حقیقتاً طور پر ۲۷ برس کی تھی اور رسول کریم ﷺ پر پہلی وحی ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو نازل ہوئی تھی (رحمۃ للعالمین جلد اول ص ۵۲) اس سنہ میں سے ۲۷ برس منہا کیے جائیں تو اس حساب سے خالد پیدائش ۵۸۳ء میں ثابت ہوتی ہے یعنی رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً بارہ سال بعد۔ مترجم)

کے متعلق ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں جو حقیقت سے دور نہیں ہوگی۔ وہ جگہ جہاں کوئی شخص قیام پذیر ہوتا ہے اس جگہ کی آب و ہوا، وہاں کے میدان اور وادیاں، اس شخص کے ساتھی اور دوست اور وہ قبیلہ جس میں وہ اپنی زندگی گذارتا ہے، اس کے اخلاق و عادات اور خصائل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان اثرات کا تعلق انسان کی ابتدائی زندگی ہی سے نہیں بلکہ قبل از پیدائش کی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کا مقولہ ہے: ''کسی شخص میں کسی خاص خصلت کا پایا جانا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اس کے والدین اس کی پیدائش سے پہلے کسی حادثے سے دوچار ہو چکے ہیں۔'' چنانچہ سترھویں صدی کے مشہور انگریز مدبر تھامس لوب کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ انتہائی بزدل تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی والدہ کو ہسپانوی بحری بیڑے ''آرمیڈ'' کے انگلستان پر چڑھائی کے دوران میں انتہائی خوف و ہراس کے عالم سے گزرنا پڑا تھا۔ اسی خوف و ہراس کا اثر اس کے بیٹے میں بھی سرایت کر گیا۔

خالد رضی اللہ عنہ کا وطن

خالدؓ بن ولید خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے جو مکہ کا مشہور و معروف قبیلہ تھا۔ شہر اور قبیلے نے خالدؓ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ان اثرات کو سمجھنے کے لیے مکہ کی طبعی اور اجتماعی حالتوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

مکہ حجاز کے جنوبی علاقے کی ایک بنجر وادی کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کی ہوا گرم ہے۔ البتہ پانی ہر قسم کی کدورتوں اور گندگی سے پاک ہے۔ ساحل سمندر قریب ہی ہے۔ اس لیے صحرا میں ہونے کے باوجود صحرائی آب و ہوا کا زیادہ اثر مکہ پر نہیں ہے۔

یہ علاقہ زراعت اور صنعت و حرفت کے قابل نہیں ہے۔ ریتلی زمین ہونے کی وجہ سے کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی اور صنعت و حرفت کے لیے خام مواد نہیں مل سکتا۔ اس لیے یہاں کے باشندوں کو روزی کمانے کے لیے سفر پر نکلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں اہل مکہ سال کا بیشتر حصہ سفر میں گزارتے تھے اور ان کے قدم رات دن گردش میں رہتے تھے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اشارہ کیا ہے:

شجرہ نمبر 1

فہر

قریش

غالب

لوی

کعب

مرہ

یقظہ	کلاب	تیم
مخزوم	قصی	سعد
عمر	عبدمناف	کعب
عبداللہ	ہاشم	عمرو
المغیرہ	عبدالمطلب	عامر
الولید	عبداللہ	عثمان
خالد (رضی اللہ عنہ)	محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	ابوقحافہ
		ابوبکر (رضی اللہ عنہ)

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ o اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ o فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ o الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ o﴾ [القریش:۱۰۶/۱ تا ۴]

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں جاڑے اور گرمی کے سفروں کی الفت پیدا کر دی ہے۔اس لیے انہیں چاہئے کہ وہ اس الفت پیدا کر دینے کی وجہ سے اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن میں رکھا۔''

ان طبعی حالات کا اثر یہاں کے باشندوں پر پڑنا ضروری تھا۔خالدؓ بن ولید کی صحت بہت اچھی تھی۔کھلے آسمان کے نیچے زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ستارہ شناسی میں انہیں کافی دسترس تھی۔دن رات سفر میں رہنے کے باعث ان میں محنت و مشقت اٹھانے کی عادت راسخ ہو چکی تھی۔مختلف قوموں سے میل جول تھا۔اس لیے فراست اور دانائی میں یہ لوگ دوسرے عرب قبائل میں ممتاز تھے۔

مذہبی لحاظ سے عرب میں مکہ کو بہت اہمیت حاصل تھی کیونکہ اس جگہ ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے بنائی ہوئی وہ مقدس عمارت کھڑی تھی جسے کعبہ مکرمہ اور بیت اللہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔جس کی طرف منہ کر کے دنیا کا ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے اور جس کی زیارت کرنے کے لیے ہر سال لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں۔بیت اللہ کے مکہ میں واقع ہونے کے علاوہ اہل مکہ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ اسماعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے۔کعبہ کی تولیت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔اس وجہ سے وہ ایسی خاص مراعات کے حامل تھے جو دوسرے عرب قبائل کو حاصل نہ تھیں۔چنانچہ اسلام سے قبل حج کے موقع پر قریش مکہ عرفات میں جا کر نہیں ٹھہرتے تھے۔حالانکہ عرفات میں ٹھہرنا حج کا رکن اعظم ہے۔وہ کہتے تھے کہ ہم عین حرم کے رہنے والے ہیں، حرم کی حد کے باہر کیوں جائیں؟ اسی طرح وہ باہر سے آنے والوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے معمولی کپڑوں میں حج نہ کریں بلکہ خاص کپڑے (احرام) پہن کر آئیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ننگے ہو کر حج کریں۔

اسی کا اثر تھا کہ تمام عرب قبائل میں اہل مکہ کو نہایت درجہ عزت اور احترام حاصل تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ عرب کا کوئی فرد، گھرانہ اور قبیلہ ان سے زیادہ معزز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے

شجرہ نمبر 2

مضر

قیس عیلان		الیاس
خصافہ		مدرکہ
عکرمہ		خزیمہ
منصور		کنانہ
ہوازن		النضر
بکر		مالک
معاویہ		فہر
صعصعہ		غالب
عامر		لوی
ہلال		کعب
عبداللہ		مرہ
زویبہ		یقظہ
الہزم		مخزوم
بجیز		عمر
حزن		عبداللہ
الحارث	خالد (رضی اللہ عنہ)	المغیرہ
لبابہ		الولید
(والدہ خالد)		(والد خالد)

حضرت خالدؓ کا یہ شجرہ نسب والدہ اور والد کی طرف سے ماخذ

الطبری جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۷۷، ۱۷۸۔ نساب الاشراف جلد نمبر ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۶۔ الاصابہ جلد نمبر ۸ ص ۱۷۸
نہایۃ الارب جلد نمبر ۲ ص ۳۵۶ الاستیعاب جلد نمبر ۲ ص ۷۷۸، ۷۷۹۔ سیرۃ ابن ہشام جلد نمبر ۱ ص ۱۶۷، ۱۷۰

بھی اس نعمت عظمیٰ کا ذکر کر کے، جو اس نے اہل مکہ کو عطاء فرما رکھی تھی مندرجہ بالا سورۃ میں شکر کرنے کی طرف ان کو توجہ دلائی ہے۔

مکہ ان تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا جو ہندوستان اور اپنے ملک کی چیزیں لے کر یمن سے شام اور مصر جایا کرتے تھے۔ یہ قافلے پانی کا ذخیرہ کرنے اور راستے کے لیے سامان خورد ونوش اکٹھا کرنے کے لیے یہاں ضرور قیام کیا کرتے تھے۔ مکہ کے قریب کئی بازار تھے جن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں نہ صرف تجارتی سامان فروخت ہوتا تھا بلکہ شاعری اور ادب کے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے۔ عرب قبائل ایک دوسرے پر اپنی فوقیت اور بڑائی کا اظہار انہی بازاروں میں کرتے تھے۔ تجارتی قافلوں کے آنے جانے سے مکہ میں خوب چہل پہل، گہما گہمی اور رونق رہتی تھی۔ مکہ محض تجارتی قافلوں کی گزرگاہ ہی نہ تھا بلکہ یہاں کے باشندے بھی تجارت کا کام وسیع پیمانے پر کرتے تھے اور بیسیوں شہروں خصوصاً شام اور یمن کی جانب ان کے تجارتی قافلے بکثرت جایا کرتے تھے۔

تجارت، سفروں کی کثرت اور مختلف اقوام کے ساتھ میل جول رکھنے کا نتیجہ اہل مکہ کے حق میں بہت سودمند ثابت ہوا۔ ان کے یہاں مال کی فراوانی تھی اور وہ نہایت خوش حال تھے۔ دوسری قوموں کے ساتھ میل جول کے نتیجے میں ان کو مختلف تہذیبوں اور افکار کے مطالعہ کا موقع ملا جس سے ان کی عقلیں صیقل (پالش) ہوئیں اور ذہن کافی حد تک بلند ہوا۔

مذہبی حیثیت کے علاوہ مکہ کو تمام عرب پر ادبی اور اخلاقی حیثیت سے بھی امتیاز حاصل تھا۔ یہ امتیاز اس وقت سے شروع ہوا جب قریش کے جد امجد قصی بن کلاب المتوفی ۴۸۰ء نے خزاعہ پر غلبہ حاصل کر کے مکہ کی سیادت اور بیت الحرام کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ قصی کو جو عزت، قدر اور منزلت حاصل ہوئی وہ اس کی وفات پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ نسلاً بعد نسل اس کی اولاد میں منتقل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اہل مکہ تمام عرب میں انتہائی ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ اہل مکہ کے اس امتیاز اور برتری میں بہت بڑا حصہ ان بازاروں کا بھی تھا جو مکہ کے قریب واقع تھے۔ یہ بازار جن کو میلہ کہنا زیادہ مناسب ہے ہر سال منعقد ہوتے تھے۔ سارے عرب سے شعراء، خطیب، مفکر اور حکماء ان میلوں میں شامل ہونے کے لیے آتے

تھے۔ شعر و شاعری کی محفلیں منعقد ہوتیں۔ فصیح البیان خطیب اپنے خطبوں سے لوگوں کے دل گرماتے، ہر قبیلہ اپنے شاعروں، خطیبوں، مفکروں اور حکماء کے بل پر دوسرے قبیلوں پر اپنی بڑائی جتاتا اور اپنے بلند اور اعلیٰ مرتبے کا ڈھنڈورا پیٹتا۔ ان میلوں میں اہل مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ جب شعراء فخریہ اشعار سناتے اور قبائل کے سردار اپنی بڑائی اور برتری کا اظہار کرتے تو وہ قریش کو مستثنیٰ قرار دے لیتے تھے۔ چنانچہ مشہور شاعر اخطل کہتا ہے: (میں نے تمام لوگوں کو خوب اچھی طرح پرکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ ہم سوائے قریش کے باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔)

اہل مکہ میں اپنی بڑائی اور برتری کے احساس کی وجہ سے شجاعت، بہادری، ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کی قوت، ہر میدان میں کامیابی حاصل کرنے اور دشمنوں سے پورا پورا انتقام لینے کا جذبہ اپنی تعریف سننے کا شوق، ہر قومی کام میں سبقت، وفاءِ عہد، پڑوسیوں اور پناہ گزینوں کی حفاظت کے خصائل قدرتی طور پر پیدا ہو گئے تھے۔ اپنے قومی کردار کے قیام اور عزت نفس کو برقرار رکھنے کے لیے وہ کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

اہل مکہ میں سیاسی شعور بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان میں جو سیاسی نظام مروج تھا، وہ شورائی اور جمہوری حکومتوں کے نظام سے بہت ملتا جلتا ہے۔ عہدوں اور رتبوں کی تقسیم میں ہر قبیلہ شریک تھا اور کوئی قبیلہ اپنے جائز حق سے محروم نہ تھا۔

باہمی معاملات میں مشورہ کرنے کے لیے ایک ''دارالندوہ'' قائم تھا۔ جہاں وقتاً فوقتاً سرداران قبائل جمع ہو کر حاضر الوقت مسائل پر بحث و تمحیص کرتے اور باہمی مشورے سے کسی قطعی اور یقینی فیصلے پر پہنچتے۔ دار الندوہ کی اسی شکل کو بعد میں متمدن اقوام نے اپنایا جسے آج کل ''پارلیمنٹ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سرداروں کے فیصلوں کو حرفِ آخر کا درجہ حاصل ہوتا تھا اور قوم کو انہیں لازماً قبول کرنا پڑتا تھا۔ دار الندوہ کا قیام اسی لیے عمل میں لایا گیا تھا کہ یہاں بیٹھ کر سرداران قبائل پہلے متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کر لیں تاکہ کسی خامی اور غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے اپنے قبیلے کے ذریعے نافذ کرائیں۔ اس طرح اہل مکہ کی قومی زندگی میں دار الندوہ کو

زبردست اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہاں بیٹھ کر جو فیصلے کیے جاتے تھے کسی شخص کو ان پر چون و چرا کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ ہر کوئی سچے دل سے انہیں قبول کرتا اور بعد میں کسی قسم کے حیلے بہانے کر کے انہیں کالعدم قرار دینے کی کوشش نہ کرتا۔ اس طرح قوم میں یک جہتی اور اتحاد و اتفاق قائم رہتا تھا۔

اس شورائی طریقے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ مکہ کے ہر قبیلے کے لوگوں میں اپنے فرائض کا احساس اور اپنے سردار کا احترام تھا۔ ان پر شوریٰ کی اہمیت اچھی طرح واضح تھی اور اس کے لیے وہ ایسے ہی نمائندے (رئیس) کو منتخب کرتے تھے جو انکے معاملات کو اچھی طرح مجلس کے سامنے پیش کر سکے۔

معاملات کے اس اجتماعی نظام کا اہل مکہ پر بہت گہرا اثر پڑا۔ عرب کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں ان کا اخلاق نمایاں طور پر بہتر تھا۔ اپنے اور دوسرے لوگوں کے حقوق و فرائض کا انہیں کما حقہ احساس تھا۔ قریش کے جد اکبر قصی سے قبل اور اسلام کے ظہور کے وقت اہل مکہ کی حالتوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو دونوں حالتوں میں ہمیں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وہ ایک پراگندہ اور جاہل قوم سے جسے اپنے اونٹوں کے علاوہ اور کسی چیز کی خبر نہ تھی، ایک ایسی متمدن قوم میں تبدیل ہو گئے تھے جس نے شائستگی اور تہذیب میں کافی حد تک ترقی کر لی تھی۔ اہل مکہ کے کردار میں تبدیلی کی روشن مثال "حلف الفضول" کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے مل کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ ہر مظلوم کی مدد کریں گے۔ اسی حلف الفضول کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں میں نے ایک ایسا عہد کیا تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے اور اگر اب اسلام کے زمانے میں بھی مجھ سے اس کا واسطہ دے کر مدد مانگی جائے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔

اس واقعہ کی تفصیل ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"قریش کے بعض قبائل نے باہم ایک عہد کرنا چاہا۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن جدعان بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق قسمیں کھائیں کہ مکہ میں وہ جس مظلوم کو دیکھیں گے خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا مسافر، اس کے ساتھ ہو

کر ظالم سے اس کا بدلہ لیں گے۔اس حلف کا نام انہوں نے ''حلف الفضول'' رکھا۔مندرجہ ذیل قبائل اس موقع پر جمع تھے: بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، اسد بن عبدالعزیٰ، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ۔

اس کے ساتھ ساتھ قریش میں ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہوں نے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے بت پرستی کو چھوڑ کر ایک اللہ کی پرستش اختیار کر لی۔اس روشن ضمیری کا پتہ دیتا ہے جو قریش میں رونما ہو رہی تھی۔''

ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ قریش اپنے ایک تہوار کے موقع پر ایک بڑے بت کے قریب جمع ہوئے جس کی وہ بہت تعظیم کرتے تھے، اس پر چڑھاوا چڑھاتے تھے، اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے اور اس کے گرد طواف کرتے تھے۔اس موقع پر چار اشخاص نے خفیہ طور پر ان سے علیحدگی اختیار کر لی، جو مندرجہ ذیل تھے:

ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل۔انہوں نے آپس میں طے کیا کہ چونکہ ہماری قوم نے انتہائی گمراہی اختیار کر لی ہے اور دین ابراہیمی سے ان کو کسی قسم کا تعلق نہیں رہا۔جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ محض پتھر ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ نفع دیتے ہیں اس لیے ہمیں دین ابراہیمی کی تلاش کرنی چاہیے۔ان میں سے ورقہ بن نوفل نے بہت کچھ غور و فکر کے بعد عیسائیت اختیار کر لی اور بائبل اور انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ عیسائیت کے بہت بڑے پیرو کار بن گئے۔''

[ابن هشام جلد اول ص ١٤٥]

ذہنیتوں اور افکار میں یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی؟ اور وہ جو کبھی جنگل کے بھیڑیے تھے متمدن انسانوں میں کس طرح تبدیل ہو گئے؟ یہ دراصل اس امر کی علامت تھی کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نئے دین کا ظہور ہونے والا ہے اور اس پیغمبر کی ولادت کا وقت آن پہنچا ہے جس کے سپرد اللہ کے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کا کام لگایا جانے والا ہے۔ قریش کی ظاہری حالت اگرچہ ایسی نہ تھی کہ تاریخ میں زیادہ دیر تک ان کا نام زندہ رہ سکتا اور

بھیجی جارہی تھی بنو مخزوم کے ایک فرد کے شامل ہونے سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو قریش کے دل میں اس قبیلے کی تھی۔

بنو مخزوم اور سرداران بنو ہاشم کے درمیان ازدواج کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ عاتکہ بنت عبدالمطلب، ابوامیہ بن مغیرہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اسی ابوامیہ کے لڑکے زہیر بن ابوامیہ نے سب سے پہلے قریش کے ظالمانہ معاہدے کو فسخ کرنے کا سوال اٹھایا تھا۔ رسول کریم ﷺ کی دادی فاطمہ بنت عمرو بنو مخزوم ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ فاطمہ بنت عمرو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ، آپ کے چچاؤں ابوطالب اور زبیر اور سوائے صفیہ کے باقی تمام پھوپھیوں کی والدہ تھیں۔ اگر ان سب باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی بنو مخزوم کی منزلت، شرف اور فخر کے لیے یہ امر کافی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بھی اسی قبیلے سے ازدواجی تعلق قائم کیا۔ چنانچہ آپ کی دو ازواج مطہرات سیدہ ام سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔

جس طرح بنو مخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے اسی طرح وہ دولت و ثروت میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ واقدی نے قریش کے اس عظیم الشان قافلے کا حال بیان کرتے ہوئے جو جنگ بدر سے قبل اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ اس سے جو منافع حاصل ہوگا اسے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں خرچ کیا جائے گا۔ لکھا ہے کہ اس قافلے میں بنو مخزوم کے دو سو اونٹ تھے اور اس میں ان کا حصہ چار پانچ ہزار مثقال سونا تھا۔

جہاں بنو مخزوم رسول کریم ﷺ کی مخالفت اور دشمنی کرنے میں پیش پیش تھے وہاں اس قبیلے میں مخلصین کی بھی کمی نہ تھی۔ اس قبیلے کے کئی لوگ سابقون الاولون میں شامل ہیں اور کئی نے اللہ کی راہ میں ہجرت بھی کی۔ چنانچہ حبشہ کی طرف جن مسلمانوں نے ہجرت کی ان میں بنو مخزوم کے آٹھ افراد تھے جن میں سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد اور سیدنا ارقم بن ابی ارقم بھی شامل تھے۔ سیدنا ابوسلمہ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ اور مدینہ کی ہجرتوں کے موقع پر مہاجرین میں پیش پیش آپ ہی تھے۔ سیدنا ارقم کی بلندیٔ مرتبہ کے لیے یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی پہلی مسجد آپ ہی کی جائے سکونت تھی جہاں وہ کفار مکہ کی نظروں سے

چھپ کر اللہ واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور جہاں جمع ہو کر وہ اسلام کی ترقی کی تدابیر سوچا کرتے تھے۔

خالدؓ کے چچازاد بھائیوں اور بہنوں کے حالات

☆ ابو جھل : سرداران قریش ، رسول اللہ ﷺ کے شدید دشمنوں میں سے اور مشہور صحابی سیدنا عکرمہؓ کا باپ تھا۔

☆ سلمہ: قدیمی مسلمان ہیں ۔حبشہ کی طرف ہجرت کی، جنگ مرج الصفر میں شہادت پائی۔

☆ خالد : مولفۃ قلوبھم کے زمرہ میں شامل ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہوازن کی غنیمتوں میں سے حصہ دیا تھا۔

☆ حارث : مخلص مسلمان تھے۔ان کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے (جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اخلاق اور سخاوت کے لحاظ سے حارث بہترین شخص ہیں)

☆ العاص: سرداران قریش میں سے تھا۔جنگ بدر میں سیدنا عمر بن خطابؓ نے اسے قتل کیا۔

☆ زھیر: محاصرہ شعب ابو طالب کو توڑنے کے لیے سب سے پہلے انہی نے آواز اٹھائی تھی۔

☆ عبداللہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔

☆ ام سلمہ: ام المؤمنین زوجہ رسول اللہ ﷺ۔

☆ المھاجر: انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنعاء کا امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ مرتدین کی جنگوں میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے انہیں اسود عنسی سے لڑنے کے لیے جھنڈا مرحمت فرمایا تھا۔

☆ عیاش : ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور دار ارقم میں مسلمانوں کے جمع ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے۔

☆ عبداللہ: صحابی تھے۔ جنگ طائف میں شہید ہوئے۔

☆ ابو امیہ: سرداران قریش میں سے تھا اور جنگ بدر کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

☆ ہاشم: ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک تھے۔

☆ حنتمہ: سیدنا عمرؓ بن خطاب کی والدہ تھیں۔

☆ الولید: جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

☆ ابو قیس: سرداران قریش میں سے تھا۔ جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ نے اسے قتل کیا تھا۔ پہلے اسلام لے آیا، پھر مرتد ہو گیا تھا۔

☆ عثمان: یہ ابن حضرمی کے قافلہ میں شریک تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا۔

☆ نوفل: جنگ خندق کے موقع پر خندق میں گر پڑا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھروں کی بارش کی۔ سیدنا علیؓ نے خندق میں کود کر اس کا کام تمام کر دیا تھا۔

سیدنا خالدؓ کے بزرگ

اس قبیلے کو قریش میں جو شرف اور رتبہ حاصل تھا اس کے مختصر سے ذکر کے بعد یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیدنا خالدؓ کے اعمام (چچاؤں) کا بھی مختصر سا حال بیان کر دیں جس سے معلوم ہو کہ انہیں اپنی قوم میں کس درجہ بزرگی، سیادت اور بلند رتبہ حاصل تھا۔

خالدؓ کے چچا

سیدنا خالدؓ کے چچا قریش میں ہر قومی کام کے موقع پر سب سے آگے ہوتے تھے۔ شرافت، سخاوت اور امارت میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا سوال پیدا ہوا تو قریش میں زبردست اختلاف برپا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کے حصے میں آئے۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا، قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جاتیں اور خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔

شجرہ نمبر 3

بنو مخزوم کے بعض سربرآوردہ اشخاص

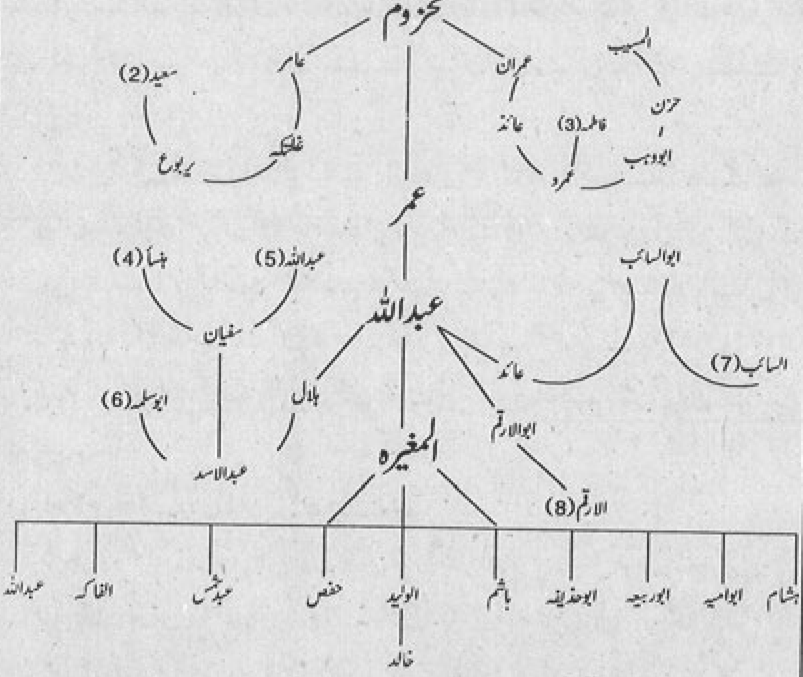

(1) بیعت رضوان میں شامل تھے۔

(2) معززین قریش میں سے تھے اور مولفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل تھے۔

(3) رسول اللہ ﷺ کی دادی اور زبیر اور ابوطالب کی والدہ تھیں۔

(4) اولین مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔

(5) اولین مسلمانوں میں سے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔

(6) اولین مسلمانوں اور اور مہاجرین حبشہ میں شامل تھے۔ مدینہ کی طرف سب سے پہلے انہوں نے ہجرت کی۔

(7) مولفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل اور مخلص مسلمان تھے۔

(8) ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے، انہی کے گھر میں مسلمان خفیہ طور پر جمع ہو کر نمازیں وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔

ماخذ طبقات ابن سعد، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری، انساب القریشیین، تاریخ ابن خلدون

اس وقت سیدنا خالدؓ کے چچا ابوامیہ بن مغیرہ ہی تھے جنہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اس جھگڑے کا تصفیہ اس شخص سے کرایا جائے جو کل سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو۔ اس تجویز پر سب لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور قریش ایک زبردست خانہ جنگی سے بچ گئے۔ قریش کی خوش قسمتی تھی کہ اگلے روز سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے: ''یہ شخص امین ہے اس لیے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں۔''

ابوامیہ قریش میں ''زاد الراکب'' (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ جو شخص ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا اسے اپنا زادِ راہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اس کے کھانے پینے کے تمام اخراجات ابوامیہ برداشت کرتے تھے۔ ابوامیہ ظہورِ اسلام سے قبل ہی وفات پا گئے۔ ابوطالب نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے: (افسوس! ''زاد الراکب'' کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں، اسے شہر ''سرو سحیم'' میں قبروں نے اپنے نیچے چھپا لیا۔)

ابو احیحہ نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا:

''افسوس وہ شخص فوت ہو گیا جو بزرگ اور سخی تھا۔ قریش کا بچہ بچہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ وہ ہمارے یتیموں کی پناہ گاہ تھا، وہ خشک سالی کے موسم میں باران رحمت تھا۔''

سیدنا خالدؓ کے دوسرے چچا بھی سخاوت اور مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فاکہ بن مغیرہ نے ایک ''بیت الضیافت'' بنا رکھا تھا جہاں جا کر ہر شخص بلا اجازت کھانا کھا سکتا تھا۔ آپ کے ایک اور چچا ابوحذیفہ بن مغیرہ ان چار بڑے بڑے رؤساء میں شریک تھے جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے فیصلے کے بعد حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کے لیے اس چادر کے کونے پکڑے تھے جس میں حجر اسود رکھا ہوا تھا۔ باقی تین رؤساء مندرجہ ذیل تھے:

① عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، ② اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اور ③ قیس بن عدی السہمی۔

ایک چچا ہشام بن مغیرہ بھی قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ حرب فجار کے موقع پر

مخزوم کی قیادت انہیں کے سپرد تھی۔ وہ بڑے جری اور بہترین شہسوار تھے۔ شکل بڑی بارعب تھی۔ ان کی وفات سے قریش کو سخت رنج پہنچا تھا اور کئی خطبے ان کی شان میں پڑھے گئے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے: ''ہشام کی وفات کے بعد مکہ کے قریب تین سال تک کوئی میلہ نہ لگا۔ کئی سال تک یہ طریقہ رائج رہا کہ اگر قریش کسی واقعہ کا ذکر کرتے تو یہ کہتے کہ یہ واقعہ ہشام کی موت کے اتنے عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔'' ہشام کی وفات پر ایک شاعر نے اپنے مرثیے میں کہا تھا: (وادیٔ مکہ بے نور ہو گئی ہے کیونکہ ہشام اس زمین سے اٹھ گیا ہے۔) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا خالدؓ کے چچا قوم میں کس قدر بلند مرتبہ کے مالک تھے۔

خالدؓ کے بھائی

مؤرخین میں آپ کے بھائیوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کی تعداد دس بتاتے ہیں بعض تیرہ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سات بھائی تھے۔ سورۃ المدثر کی آیت نمبر ۱۳ ﴿وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا﴾ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کئی بھائی تھے جو سب کے سب مرفہ الحال تھے، اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ سات بھائیوں کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اسلام سے قبل اور بعد کے واقعات اور غزوات کی چھان بین کرنے سے سات سے زیادہ کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ سات بھائیوں کے نام یہ ہیں: ① عاص، ② ابو قیس، ③ عبد شمس، ④ عمارہ، ⑤ ہشام، ⑥ ولید، ⑦ خالدؓ۔ بہنیں دو تھیں۔ ① فاطمہ اور ② فاختہ۔

ان میں سے عاص اسلام سے قبل ہی بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ ابو قیس اسلام لے آیا تھا لیکن بعد ازاں مرتد ہو گیا اور جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ اور بعض روایات کے بموجب سیدنا علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم (میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۷) نازل ہوئی تھی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾

''بعض وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔''

عبد شمس سیدنا خالدؓ کے بھائی کا نام ہی نہ تھا بلکہ ان کے والد کی کنیت بھی تھی۔ عمارہ کو

قریش نے عمرو بن العاص کے ساتھ مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے کے لیے بھیجا تھا۔اسی عمارہ کو قریش نے رسول کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کو آپ کے بدلے پیش کیا تھا اور کہا تھا: ''اے ابو طالب! یہ لڑکا قریش میں سب سے خوبرو اور صاحب فہم وتمیز ہے۔تم اسے اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمد کو ہمیں دے دو۔'' قریش کا یہ کہنا دراصل یہ اعتراف کرنا تھا کہ عمارہ میں وہ خوبیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام قوم میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔اسی لیے انہوں نے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عوض ابو طالب کے سامنے پیش کیا اور اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے نجاشی کے پاس بھیجنے کے لیے بھی منتخب کیا۔

خالدؓ کے علاوہ ولید اور ہشام رضی اللہ عنہم کو بھی اسلام قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ہشام ان لوگوں میں سے تھے جنہیں رسول کریم ﷺ اسلام قبول کرنے کے بعد بطور تالیف قلب کچھ نہ کچھ مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ولید پر ان کے بھائی اور دوسرے قریش اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت ظلم توڑا کرتے تھے۔آخر کار وہ موقع پا کر مدینہ بھاگ گئے۔راستے میں لگاتار چلنے کی وجہ سے ان کی ایک انگلی زخمی ہوگئی۔انہوں نے انگلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تو کیا ہے؟ محض ایک انگلی ہی تو ہے جو زخمی ہوگئی، ابھی تو نے اللہ کے راستے میں تکلیف ہی کیا برداشت کی ہے؟''

ولید اپنے دونوں بھائیوں خالدؓ اور ہشام سے بہت پہلے اسلام لائے تھے۔رسول کریم ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے لیے دعاء مانگا کرتے تھے۔سیدنا خالدؓ کے اسلام لانے میں ولید کا بھی ہاتھ ہے۔

آپ کی بہن فاطمہ نے فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ان کی شادی حارث بن ہشام مخزومی سے ہوئی تھی۔دوسری بہن فاختہ، صفوان بن امیہ کی بیوی تھیں اور اپنے شوہر سے کئی ماہ قبل اسلام لائی تھیں۔

(شجرہ نمبر 5 دیکھیں)

شجرہ نمبر 5

سیدنا خالدؓ بن ولید کے بہن بھائی

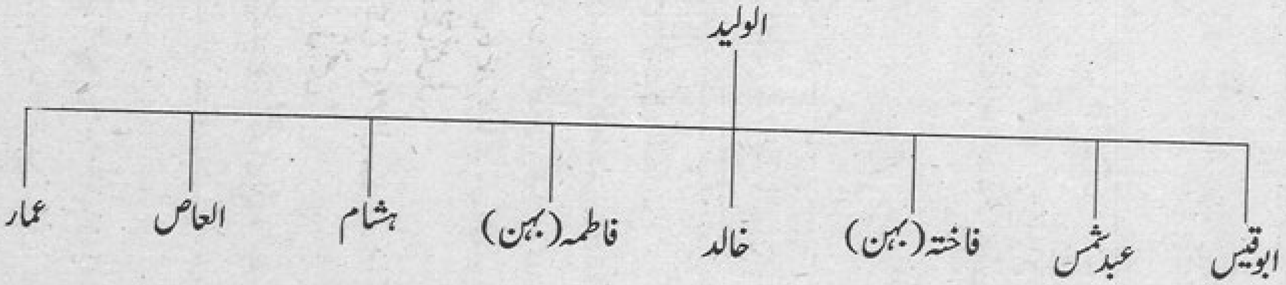

خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ

آپ کی والدہ لبابتہ الصغریٰ کا نسب اپنے شوہر ولید سے قیس عیلان بن مضر پر جا کر مل جاتا ہے۔ (شجرہ نمبر ۲ دیکھیں)

ان کے اسلام لانے کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ مؤلف کتاب الاصابہ لکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئی تھیں۔ ان کے اس دعوے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ وہ عمرؓ کے زمانے تک زندہ رہیں لیکن ابن حجر ان کے اسلام لانے کو تسلیم نہیں کرتے۔ لبابتہ الصغریٰ کی آٹھ بہنیں تھیں۔

- ☆ میمونہ بنت حارث زوجہ رسول کریم ﷺ۔ گویا سیدنا خالدؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انکی ایک خالہ امہات المومنین میں سے تھیں۔
- ☆ ام الفضل لبابتہ الکبریٰ بنت حارث زوجہ عباس بن عبدالمطلب۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کے بعد وہ سب سے پہلی عورت ہیں جو اسلام لائیں ان کی اولاد آگے چل کر عظیم الشان عباسی سلطنت کی مالک بنی۔
- ☆ عصماء بنت حارث زوجہ ابی بن خلف الجحمی. ان کے بطن سے ابان پیدا ہوئے۔
- ☆ عزہ بنت حارث زوجہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی۔ ان کے متعلق ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''کسی شخص نے ان کا شمار صحابیات میں نہیں کیا۔ میرا خیال بھی یہی ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ملی۔''
- ☆ ہزیلہ بنت حارث۔ ان کا نکاح کسی اعرابی کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ اکثر اپنی بہن سیدہ میمونہ کو گھی، پنیر اور مکھن بھیجا کرتی تھیں۔
- ☆ اسماء بنت عمیس سب سے پہلے یہ سیدنا جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق نے ان سے شادی کی۔ آخر میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی زوجیت میں آئیں۔
- ☆ سلمیٰ بنت عمیس، پہلے یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہیں۔ ان کی شہادت کے بعد شداد بن اسامہ بن ہادا للیثی نے ان سے شادی کی۔

شجرہ نمبر 6

سیدنا خالدؓ کی سگی اور سوتیلی خالائیں اور ماموں

ہند بنت عوف زوجہ حارث بن حزن

سگی خالائیں

عزہ

عصماء

ہزیلہ

ام المؤمنین میمونہؓ

لبابۃ الصغریٰ

لبابۃ الکبریٰ

سوتیلی خالائیں

(سوتیلے ماموں)

محمیہ بن جزء الزبیدی

اسماء بنت عمیس

سلمٰی بنت عمیس

سلامہ بنت عمیس

ماخذ

الاستیعاب جلد نمبر ۲ ص ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۶

الاصابہ جلد نمبر ۸ ص ۱۷۸، جلد نمبر ۶ ص ۶۷

انساب الاشراف جلد نمبر ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۶

☆ سلامہ بنت عمیس زوجہ عبداللہ بن کعب بن منبہ خثعمی۔

اس طرح لبابتہ الصغریٰ سمیت کل سگی بہنیں چھ اور سوتیلی بہنیں (باپ کی طرف سے) نو تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں ''الاخوات المؤمنات'' کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ لبابہ کے سوتیلے بھائی محمیہ بن جزء بن عبد یغوث زبیدی تھے جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں ''خمس'' وصول کرنے پر لگایا ہوا تھا اور انہیں ایک لونڈی بھی مرحمت فرمائی تھی۔ کلبی نے لکھا ہے کہ: یہ جنگ بدر میں شریک تھے لیکن واقدی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلی جنگ جس میں وہ شریک ہوئے جنگ مریسیع تھی۔

ان تمام بہنوں کی والدہ ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ الحمیر یہ تھیں۔ شجرہ نمبر ۲ اور شجرہ نمبر ۶ سے واضح ہو جائے گا کہ شرف اور حسب ونسب میں خالد کی والدہ کا درجہ کتنا بلند تھا۔ وہ اس قبیلے کی طرف منسوب تھیں جو تمام قبائل مضر میں سب سے زیادہ معزز اور بڑا تھا۔ اس حسب ونسب اور شرافت کا اثر ان کے بیٹوں کے اخلاق پر پڑنا لازمی امر تھا۔

خالد رضی اللہ عنہ کے والد

سیدنا خالدؓ کے والد کا نام عبد شمس ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو قریش میں صاحب عقل وفہم وذکاء اور بڑا فصیح البیان خطیب مانا جاتا تھا۔ اسے جو عزت، شرف اور رتبہ میسر تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل تھا۔ وہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے سرداروں میں سے تھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں وہ بھی شامل تھا۔ اسلام سے قبل ہی انہوں نے مے نوشی بالکل ترک کردی تھی۔ چوری کرنے کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا سب سے پہلے انہوں نے ہی ایجاد کی تھی جس کی بعد میں اسلام نے بھی توثیق کردی۔ انہیں ''عدل قریش'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک سال صرف وہ اکیلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے اور دوسرے سال تمام قریش مل کر غلاف چڑھاتے تھے۔

حج کے موسم میں وہ منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ منیٰ میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلائے۔ حجاج کے ساتھ ان

کے مشفقانہ سلوک کی وجہ سے اعرابی ان کے بے حد مداح اور ثنا خواں تھے۔اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دولت کی فراوانی سے بھی نوازا تھا۔بارہ ہزار دینار سے کم کسی وقت بھی اس کے پاس روپیہ نہ ہوتا تھا۔وہ بے شمار باغات کا مالک تھا جو مکہ سے طائف تک چلے گئے تھے اور جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا۔

اس کی دلیری اور عزم و ارادہ کی پختگی کا اظہار اس واقع سے ہوتا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو شہید کر کے از سر نو بنانے کا ارادہ کیا، تو ہر شخص اسے ڈھاتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں اس پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔لیکن ولید بن مغیرہ نے کدال لی اور یہ کہہ کر عمارت ڈھانی شروع کر دی:

''اے اللہ! ہم جو کچھ کرنے لگے ہیں اس میں کسی بد ارادے کو دخل نہیں۔ہمارا ارادہ نیک ہے۔''

کعبہ کی تعظیم وہ اتنی کرتے تھے کہ کبھی اس میں جوتیاں پہن کر داخل نہیں ہوئے۔اور کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس طریقے کو رواج دیا وہ ولید ہی تھا۔عقیدے کی پختگی اور اپنے آبائی دین سے حد درجہ شغف ہی کا اثر تھا کہ وہ اسلام کا شدید مخالف بن گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو ناکام بنانے کے لیے اس نے سر توڑ کوشش شروع کر دی۔ قریش کے شرفاء اور معززین کے اس وفد میں جو آپؐ کے چچا ابو طالب کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کو ان کے دین کی تحقیر اور ان کے بتوں کی برائی کرنے سے روک دیں۔ولید بھی شامل تھا۔

رسول کریم ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ ولید اسلام لے آئے تاکہ اسلام کو شان و شوکت نصیب ہو۔جب کبھی ولید آپ کے پاس آتا تو آپ نہایت انہماک سے تبلیغ کرتے۔ ایک دفعہ آپ انہیں تبلیغ فرما رہے تھے کہ ابن ام کلثوم صحابی، جو نابینا تھے، آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ آپ انہیں دین کے بارے میں کچھ بتائیں۔ابن ام کلثوم کا بیچ میں دخل دینا رسول کریم ﷺ کو کچھ ناگوار گزرا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ﴾

[عبس ۸۰/۳]

''اے رسول! تُو نے محض اس بات پر کہ تیرے پاس نابینا آدمی (ابن ام مکتوم) آیا، تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، تجھے کیا پتہ کہ شاید وہ اندھا (اللہ کی توحید اور اس کے دین کی) پاکیزگی حاصل کرتا۔''

طبعی اور خاندانی شرافت کا یہ اثر تھا کہ باوجود اسلام کے شدید مخالف ہونے کے جس وقت سیدنا عثمان بن مظعون الجمحی نے حبشہ سے واپس مکہ آ کر ان سے پناہ کی درخواست کی تو اس نے بلا تامل یہ درخواست قبول کر لی اور عثمان کو قریش کی ایذاؤں سے بچا لیا۔ چند دن بعد عثمان نے اپنی درخواست واپس لے لی اور کہا کہ مجھے اللہ کی پناہ کے سوا اور کسی کی پناہ مطلوب نہیں۔ لیکن ولید کی شرافت کا ان کے دل پر اتنا اثر تھا کہ انہوں نے پناہ کی درخواست واپس لیتے ہوئے ان کے متعلق کہا: ''میں نے ولید کو انتہائی باوفا اور بہترین پناہ دینے والا پایا ہے۔''

ولید کو اپنی قوم میں اتنا اثر و رسوخ اور عزت حاصل تھی کہ اگر وہ اسلام لے آتا تو یقیناً قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ اسلام لے آتی۔ ایک مرتبہ انہیں قرآن کریم سننے کا اتفاق ہوا۔ ان کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگے: ''اس کلام کی مثال اس خوبصورت کھجور کے درخت کی سی ہے جس کا پھل نہایت میٹھا ہوتا ہے۔ جس کا اوپر والا حصہ ثمر دار ہوتا ہے اور نچلا حصہ پانی سے تر بتر اور جو ہمیشہ بلند و بالا ہی رہتا ہے۔'' ان کے یہ الفاظ سن کر قریش بڑے مضطرب ہوئے اور کہنے لگے: ''اے ولید! تم اپنے دین سے پھر گئے اور اپنے ساتھ تم قریش کو بھی گمراہ کر دو گے۔''

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض ولید کے یہ تسلیم کر لینے سے کہ قرآن مجید روزمرہ کے عام کلام کی طرح نہیں ہے۔ قریش میں بے چینی پھیل گئی اور انہیں ڈر پیدا ہو گیا کہ ولید اسلام لے آئیں گے تو اپنے ساتھ اور بہت سے لوگوں کو بھی لے جائیں گے۔ ولید کے جو اوصاف ہمارے سامنے ہیں اور جن کا قرآن کریم میں بھی اشارہ موجود ہے۔ ان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرتا اور قرآن مجید کی تصدیق کرنے میں پیش پیش ہوتا لیکن تکبر اور جاہ و مکنت راہ

میں حائل ہوگئی۔ وہ نہ صرف اسلام قبول کرنے سے محروم رہے بلکہ اسفل السافلین میں جا گرے۔ اس کی حالت بالکل اس آیت کی مصداق تھی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ○﴾ [سورۃ الانعام:٦/٣٣]

''اے اللہ کے رسول! ہمیں معلوم ہے کہ ان کافروں کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ کفار تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

ولید کا شمار ان پانچ سربرآوردہ اشخاص میں تھا جو رسول کریم ﷺ کی دشمنی اور آپ سے استہزاء کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہی کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ○ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○﴾ [سورۃ الحجر:١٥/٩٥]

''اے رسول! ہم ان ٹھٹھا مذاق کرنے والوں سے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں خود نپٹ لیں گے اور عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ استہزاء کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔''

قریش میں ولید ''الوحید'' کے نام سے پکارا جاتا تھا کیونکہ وہ ان خوبیوں اور خصلتوں میں جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں تمام قوم میں منفردانہ حیثیت رکھتا تھا۔ ہجرت کے تین ماہ بعد پچانوے برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ مقام حجون میں دفن کیا گیا۔ موت کا سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کے لیے خزاعہ قبیلہ میں گیا۔ وہاں ایک شخص تیر تیار کر رہا تھا اس کا پیر ایک تیر پر پڑ کر سخت زخمی ہو گیا۔ یہی زخم جان لیوا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کر دی تھی کہ وہ خزاعہ سے خون بہا ضرور لے لیں۔ چنانچہ خزاعہ کو خون بہا دینا پڑا۔

ولید نے قبیلہ ثقیف کو بہت سا روپیہ سود پر دے رکھا تھا اس کی وفات کے بعد خالدؓ نے ان سے سود کا تقاضا کیا۔ بعد میں قبیلہ ثقیف اسلام لے آیا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ○ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ٥ ﴾ [سورة البقرة:٢/ ٢٧٨، ٢٧٩]

''اے لوگو! کہ ایمان لے آئے ہو، اللہ سے ڈرو اور اگر تم مؤمن ہو تو سود کا جو روپیہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار رہو۔ اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہیں صرف اصل روپیہ (راس المال) لینے کا حق پہنچتا ہے۔ اس طرح نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم ہوگا''

اس وقت رسول کریم ﷺ نے سیدنا خالدؓ سے فرمایا کہ: ''اب تمہیں صرف راس المال لینے کا حق پہنچتا ہے۔'' چنانچہ سیدنا خالدؓ نے تمام سود جو قبیلہ ثقیف پر واجب تھا چھوڑ دیا۔

ولید کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں۔ جن سے اس کے اپنی قوم میں ایک مرتبہ اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔

ولید بے شمار مال و دولت کا مالک تھا اور اللہ تعالیٰ نے کئی بیٹے اسے دیئے تھے۔ مال و دولت اور بیٹوں کی یہ کثرت ہی اس کے انکار و تکذیب کا باعث بنی۔

① یہ جو اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾

''کفار مکہ کہنے لگے، یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔''

کا مصداق بھی ولید ہی تھا۔ قریش کے اس قول سے واضح ہوتا ہے جسے قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے یا اگر کسی شخص پر آسمان سے وحی کا نزول ہونا ہی تھا تو اس غرض کے لیے ولید سے بہتر کوئی شخص نہیں اور وہ اپنی عظمت اور منزلت کے اعتبار سے محمد ﷺ سے کہیں زیادہ اس نعمت کا حق دار ہے۔

② ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ٥ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ٥ وَبَنِينَ شُهُودًا ٥ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ٥ ﴾ [سورة المدثر: ٧٤/ ١١ تا ١٤]

''(اللہ فرماتے ہیں:) مجھے اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو میں نے یک و تنہا پیدا کیا ہے، اسے مال کثیر دیا اور بیٹے دیئے کہ جو ہر وقت اس کے پاس (تنومند اور صحت والے خدمت کے لیے) حاضر رہتے ہیں اور ہر طرح کا سامان اس کے لیے مہیا کر دیا ہے۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ خالد کا والد اپنی قوم میں انتہائی بلند مرتبے کا مالک تھا۔ خالد کی پرورش ایک ایسی قوم میں ہوئی تھی جو شجاعت، قوت و طاقت اور عزت و وجاہت میں اپنی مثال آپ تھی۔ والدین اور قبیلے کا اثر خالدؓ پر بہت گہرا پڑا اور انہوں نے عقل مندی و دانائی، شجاعت اور بہادری اور فنون حرب سے واقفیت میں انتہائی کمال حاصل کیا۔ انہی خوبیوں کی بدولت اپنی آئندہ زندگی میں خالدؓ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

قریش میں خالد رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و مقام

صفحات ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قصی بن کلاب نے خزاعہ پر غلبہ حاصل کر کے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا اور ان کی جگہ اپنے قبیلے قریش کو آباد کیا تھا۔ اس وقت سے مکہ اور بیت الحرام کی ریاست قریش کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ یہ ریاست چھ شعبوں میں بٹی ہوئی تھی۔

① دار الندوۃ...... ایک عمارت قصی نے کعبہ کے بالمقابل بنائی تھی۔ اس میں قریش کے سر برآوردہ اشخاص اور سردار باہمی معاملات پر گفت و شنید کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔

② اللواء...... (علم برداری) علم بردار ہی جنگ کے لیے جھنڈا تیار کرتا تھا اور وہی دوسرے لوگوں کو چھوٹے جھنڈے بنا کر بھی دیتا تھا۔

③ حجابۃ الکعبہ...... (کعبہ کی دربانی) جس شخص کے سپرد یہ خدمت ہوتی تھی وہی کعبہ کا دروازہ کھولتا تھا اور کعبہ کے متعلق تمام امور کی نگہداشت اسی کے ذمہ ہوتی تھی۔

④ سقایۃ...... (پانی پلانا) جس شخص کے سپرد یہ کام ہوتا تھا وہ موسم حج میں حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرتا تھا۔

⑤ رفادۃ...... (حاجیوں کی مہمان نوازی اور اعانت) رفادۃ، قصی نے قریش پر فرض کی تھی۔ وہ ہر سال حج کے قریب تمام قریش سے حسب توفیق رقم اکٹھی کرتا اور اس رقم سے کھانا پکوا کر نادار اور غریب حاجیوں میں تقسیم کرتا تھا۔

⑥ قیادت...... یعنی جنگوں کے موقع پر سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دینا۔

قصی نے اپنی زندگی میں یہ تمام مناصب اپنے ہاتھ میں رکھے۔وفات کے قریب اس نے کعبہ کی تولیت کے تمام امور اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے سپرد کر دیئے۔عبدالدار کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں اور بھتیجوں بنو عبد مناف میں ان مناصب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔اور اس اختلاف کے نتیجے میں قریش بھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ایک حصہ بنو عبدالدار کی حمایت کرنے لگا اور دوسرا حصہ بنو عبد مناف کی۔بنو عبدالدار کے حلیفوں نے ان کی امداد اور اعانت کا حلف اٹھایا اور بنو عبد مناف کے حلیفوں نے ان کی امداد و اعانت کا۔قریب تھا کہ قریش میں جنگ چھڑ جاتی لیکن بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور ان مناصب کو جو کلیۃً عبدالدار کے ہاتھ میں تھے۔بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں تقسیم کر دیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ مناصب قریش کے تمام قبائل میں تقسیم ہو گئے۔اس جگہ ہم ان کا مختصر سا تذکرہ کرتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو قریش میں کیا حیثیت حاصل تھی۔

اسلام کے ظہور کے قریب قریش کے دس قبائل میں سے دس اشخاص کو نمایاں حیثیت حاصل تھی کیونکہ مناصب عالیہ کی تقسیم انہی دس اشخاص میں ہوئی تھی۔وہ دس اشخاص یہ تھے: (۱) ہاشم۔(۲) امیہ۔(۳) نوفل۔(۴) عبدالدار۔(۵) اسد۔(۶) تیم۔(۷) مخزوم۔(۸) عدی۔(۹) جمح۔(۱۰) سہم۔بنو ہاشم میں سے سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب کے سپرد سقایۃ تھی یعنی حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی کی بہم رسانی کا سارا انتظام ان کے ذمے تھا۔اسلام کے بعد بھی وہ اس خدمت پر فائز رہے۔بنو امیہ میں سے ابوسفیان بن حرب کے سپرد علم برداری تھی۔جنگ کے دوران میں جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔بنو نوفل میں سے حارث بن عامر کے سپرد رفادۃ تھی۔جب حج کا موقع قریب آتا تو تمام قریش حسب استطاعت کچھ نہ کچھ رقم نادار حاجیوں کی خورد و نوش کے لیے ان کے پاس جمع کرا دیتے اور وہ کھانا پکوا کر حاجیوں میں تقسیم کر دیتے۔بنو عبدالدار میں سے عثمان بن طلحہ کے سپرد کعبہ کی نگرانی اور انتظام تھا۔دار الندوۃ کا انتظام بھی بنو عبدالدار کے سپرد تھا۔بنو اسد میں سے یزید بن زمعہ بن اسود مشیر تھے۔جب رؤساء قریش کسی بات پر متفق نہ ہو سکتے تو معاملہ مشورے کے لیے یزید بن زمعہ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور جو فیصلہ وہ کرتے سب کو قبول کرنا پڑتا۔یزید نے جنگ

طائف میں جام شہادت نوش کیا۔ بنو تیم میں سے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے سپرد ''اشناق'' کا کام تھا۔ تمام جرمانے اور خون بہا آپ کے پاس جمع ہوتے تھے ان کے علاوہ اور کسی شخص کے پاس جمع ہونے والے خون بہا کو قبول نہ کیا جاتا تھا۔ بنو مخزوم میں سے سیدنا خالدؓ بن ولید کے سپرد ''قبہ'' اور ''اعنہ'' یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور سپہ سالاری تھی۔ قریش جنگ کے لیے جو سامان اکٹھا کرتے تھے وہ انہی کی تحویل میں رہتا تھا۔ جنگی گھوڑوں کی دیکھ بھال بھی انہی کے سپرد تھی۔ بنو عدی میں سے سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے سپرد ''سفارۃ'' تھی۔ یعنی جب قریش اور عرب کے کسی دوسرے قبیلہ کے درمیان جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی تو قریش انہیں اپنی طرف سے سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔ اگر قبائل کے درمیان عزت و مفاخرۃ کا مقابلہ ہوتا تھا تو سیدنا عمرؓ ہی کو ثالث بنایا جاتا اور جو فیصلہ وہ دیتے تھے قبائل اسے قبول کرتے تھے۔ بنو جمح میں سے صفوان بن امیہ کے سپرد فال لینے کا کام تھا جب کسی شخص کو فال نکلوانی ہوتی تو وہ صفوان کے پاس جاتا اور وہ اسے فال نکال کر دیتا۔ بنو سہم میں سے حارث بن قیس کے سپرد وہ اموال ہوتے تھے جو قریش اپنے بتوں پر چڑھاتے تھے۔

خالد کا پیشہ

تاریخ کی کتابوں میں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسلام سے قبل سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا پیشہ کیا تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا خالدؓ کے والد بہت امیر کبیر تھے اور بے شمار باغات کے مالک تھے۔ ایسی صورت میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ خالدؓ اور ان کے بھائیوں کو کوئی پیشہ اختیار کرنے یا تجارت کے لیے سفر پر جانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھر بیٹھے مال و دولت سے نواز رکھا تھا۔

ہمارے اس خیال کی تائید سہیلی نے بھی کی ہے۔ وہ آیت ﴿وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا﴾ کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''ولید کو اللہ تعالیٰ نے ایسے بیٹے دیئے تھے جو اسی کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر کرنے یا مکہ سے باہر جانے کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ انکے والد کے پاس بے شمار مال و دولت موجود تھی۔'' الوسی وغیرہ نے بھی اپنی تفاسیر میں انہی خیال کی تائید کی ہے۔

ان امور کی موجودگی میں اغلب گمان یہی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سیدنا خالدؓ نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا تھا۔

تاہم بے کار رہنا ان کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔ان دنوں امیروں اور سرداروں کے بیٹوں کے دلچسپ ترین مشغلے گھوڑے کی سواری اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے تھے۔شوق کا یہ حال تھا کہ گھوڑے کو سدھانے کے علاوہ اس کے دانہ پانی کا بھی سارا انتظام لڑکے خود ہی کرتے تھے۔خادموں کے سپرد کبھی یہ کام نہ ہوتا تھا۔خالد بھی امراء کے دوسرے لڑکوں کی طرح اسی شغل میں مشغول رہتے تھے۔آپ کے لیے تو یہ مشغلہ اور زیادہ اہم تھا کیونکہ ان کے قبیلے،بنومخزوم کے سپرد جنگی کیمپ کا انتظام اور فوجی گھوڑں کی نگہداشت تھی۔(جوان ہونے پر یہ ڈیوٹی سیدنا خالدؓ کے سپرد کی گئی) یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جس شخص کو شہسواری اور گھوڑ دوڑ میں مہارت حاصل نہ ہو،اسے لشکر کی سپہ سالاری اور جنگی گھوڑوں کی نگہداشت کا اہم کام سپرد نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن محض شہسواری ہی کافی نہ تھی بلکہ جب تک نوجوانوں میں پھرتی،چالاکی شجاعت ،خطرات سے بے پروائی اور جنگی مہارت کی صفات موجود نہ ہوتی تھیں انہیں قبیلے میں عزت کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔خالدؓ میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا کام صرف گھوڑ دوڑانا ہی تھا۔دوسرے معززین قریش کی طرح وہ بھی یقیناً تنخواہ دار ملازم رکھ کر اپنا مال تجارت کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہوں گے کہ وہ دوسرے ملکوں میں جائیں اور تجارت سے جو منافع حاصل ہو وہ انہیں لا کر دے دیں۔البتہ تجارت کے لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا خود مکہ سے باہر نکلنا کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔

کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب اسے ان کاموں میں حد درجہ مہارت ہو اور اس میں جبلی طور پر وہ کام کرنے کی استعداد موجود ہو۔ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سپرد کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو اس کی طبیعت کے موافق نہ ہو تو وہ اس میں بالعموم ناکام ہوتا ہے اور خواہ کتنا ہی ہوشیار اور کیسی ہی صلاحیتوں کا

مالک کیوں نہ ہو وہ متوسط سے بھی کم درجے کا ثابت ہوتا ہے۔اس کے برعکس اگر فطری استعداد کے ساتھ ساتھ فرائض میں رغبت اور ان کی طرف میلان بھی ہو تو یہ چیز سونے پر سہاگہ ثابت ہوتی ہے اور اس شخص کی کامیابی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

سیدنا خالدؓ قدرت کی طرف سے جنگی دل و دماغ لے کر آئے تھے۔خاندانی روایات نے ان کی فطری صلاحیتوں کو مزید ابھرنے کا موقع دیا۔جنگی فرائض کی بجا آوری ان کے راہوار شوق کے لیے مہمیز ثابت ہوئی اور سیدنا خالدؓ ایک ایسے زبردست جنگی ماہر اور عظیم سپہ سالار بن گئے جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی تمام صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

اس زمانے میں کوئی فوجی سکول نہ تھا جہاں سیدنا خالدؓ فوجی تربیت حاصل کرتے۔آپ کی تربیت جنگ کے میدانوں اور مدرسۂ عمل میں ہوئی ایسی تربیت کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ شجاع ، بہادر، نڈر اور خطرات کو خاطر میں نہ لانے والے بن گئے۔آپ تمام جنگی حربوں سے پورے طور پر واقف تھے۔لشکر میں جن صفات کا ہونا ضروری تھا ان میں سے ہر ایک پر آپ کی نظر تھی۔ارادے کے پکے اور ذکاوت و فطانت میں اپنی مثل آپ تھے۔دشمن کی حرمات و سکنات پر کڑی نظر رکھنے والے تھے۔ان صفات کی موجودگی میں یہ جاننا کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ کی کامیابی کا راز کیا تھا۔

آپ کے حسب نسب اور اپنے قبیلے میں آپ کے مرتبے کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں جہاں سے اسلام کا دور شروع ہوتا ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کی معاندانہ کوششیں

دوسرے سردارانِ قریش کی طرح خالدؓ بھی شروع میں اسلام کے شدید مخالف تھے۔ رسول کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔اسی مخالفت اور دشمنی کا اثر تھا کہ بعد میں جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہوئیں تو خالدؓ کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان نیست و نابود ہو جائیں۔

جنگ اُحد کے موقع پر جنگ کا پانسہ پلٹنے میں سب سے زیادہ حصہ خالدؓ ہی کا تھا، ابتداء

میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو چکی تھی اور وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے کہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خالدؓ نے اپنا دستہ لے کر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا۔

اگر خالص اس موقع پر دور اندیشی اور جنگی چالوں سے کام نہ لیتے اور اس موقع کو جوان کے ہاتھ آ گیا تھا ضائع کر دیتے تو کفار مکہ کے لیے جنگ احد کی شکست بدر کی شکست سے کم نہ ہوتی۔ اگر مسلمان اس موقع پر فتح یاب ہو جاتے تو کفار کو پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور اغلب یہی تھا کہ حدیبیہ کے موقع پر بھی کفار مسلمانوں کے سامنے سدِّ راہ بن کر کھڑے نہ ہو سکتے اور انہیں زیارت کعبہ سے نہ روک سکتے۔

جنگِ خندق

جنگ خندق کے موقع پر خالدؓ ان چنیدہ لوگوں میں سے تھے جو سارا دن خندق کے کنارے کنارے گشت کرتے رہتے تھے، تاکہ اگر خندق کا کوئی حصہ کمزور معلوم ہو یا مسلمان غفلت کی حالت میں ہوں تو وہ خندق پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر سکیں۔

لیکن مسلمان بھی باوجود انتہائی مشکلات کے کفار کے ارادوں سے غافل نہ تھے۔ جب بھی وہ محسوس کرتے کہ خالدؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق پار کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں پیچھے ہٹا دیتے۔ اگر خالد رضی اللہ عنہ کو خندق پار کرنے کا موقع مل جاتا تو مسلمانوں کے لیے ایک نازک صورت حال پیدا ہو جاتی۔ جنگ خندق میں جب لشکر کفار میں عام بھگدڑ مچی اور گھبراہٹ میں کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا تو اس وقت دو اشخاص، خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاص ہی سے درخواست کی گئی کہ اگر مسلمان تعاقب کر کے ان پر حملہ کریں تو وہ ان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دو سو سواروں کے ساتھ بطور ''ساقہ'' لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ کسی متوقع خطرے کی صورت میں مقابلہ کر سکیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کو خالدؓ پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اسے یقین تھا کہ خطرات اور مصائب سے انہیں اگر کوئی شخص محفوظ رکھ سکتا ہے تو وہ خالدؓ ہی ہیں۔ خالدؓ کے اتنی عظیم ذمہ داری کو قبول کر لینے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں خود اپنے اوپر کتنا اعتماد تھا اور وہ کس

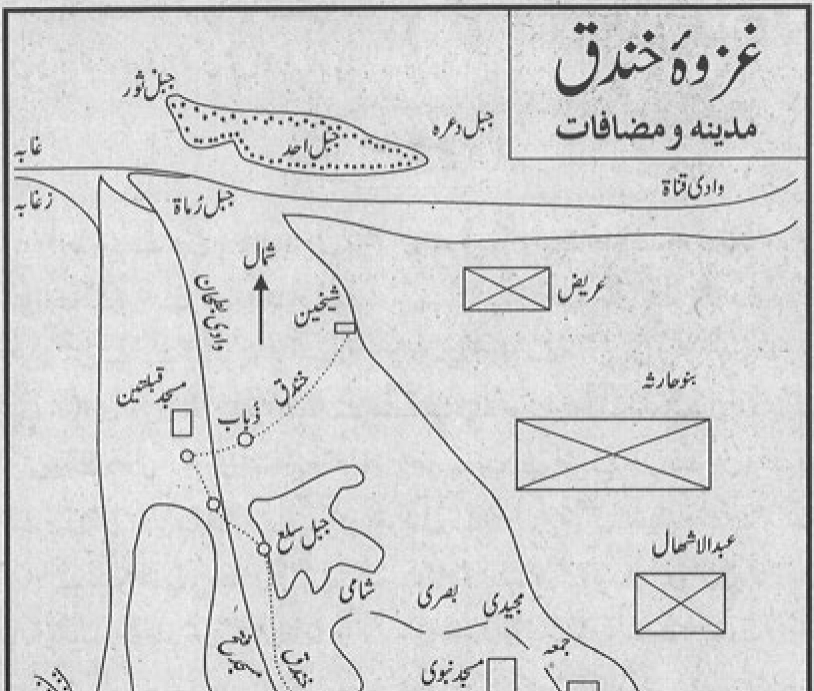

غزوہ خندق کا ایک تفصیلی نقشہ۔ جس میں مدینہ کے قریبی مضافات کی جغرافیائی اور عسکری پوزیشن کو بھی واضح کیا گیا ہے اور مدینہ کے گرد خندق کے مقامات کو واضح کر کے پیش کیا گیا ہے۔

طرح بلاخوف وخطر شدید خطرات میں اپنے آپ کو ڈال دیتے تھے۔ اپنے اوپر اعتماد کا یہی جذبہ ان کی آئندہ پوری زندگی میں کارفرما رہا۔

حدیبیہ

حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ خانہ کعبہ کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ کی آمد کا حال سننے پر خالد رضی اللہ عنہ کو مزید تحقیق کے لیے بھیجا۔ چنانچہ آپ دوسو سوار اپنے ہمراہ لے کر ''کراع الغیم'' کے مقام پر پہنچے، وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے سے آپ کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ خالدؓ نے ارادہ کیا کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں گے اس وقت وہ بے خبری میں صحابہ پر حملہ کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خالدؓ کے ارادے سے اطلاع دے دی جس پر آپ نے صلوٰۃ خوف کا حکم دیا۔ وہ اس طرح کہ باری باری ایک دستہ نماز میں مشغول رہتا۔ اگر قریش معاہدہ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے تو یقیناً تاریخ میں منجملہ اور لڑائیوں کے جنگ حدیبیہ کا ذکر بھی آتا جس میں خالدؓ نمایاں حصہ لیتے۔

عمرۃ القضاء

اس زمانے میں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ نفرت اور دشمنی تھی کہ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب معاہدے کے مطابق مسلمان عمرۃ القضاء کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو خالدؓ مکے سے باہر نکل گئے کیوں کہ وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کی نظروں کے سامنے مسلمان مکہ میں داخل ہوں حالانکہ مسلمان بھی خانہ کعبہ کی تعظیم کرنے میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے ان کے اور اہل مکہ کے درمیان عمرۃ کرنے کے متعلق ایک سال قبل باقاعدہ معاہدہ ہو چکا تھا اور اکثر مسلمان جو خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے لیے آئے تھے وہ قریش بلکہ خاص ان کے قبیلے میں سے تھے لیکن عقیدے کی پختگی نے ان تمام باتوں کو نظرانداز کر دیا۔

گو شرک کی حالت میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے لیکن عقیدے کی وہی

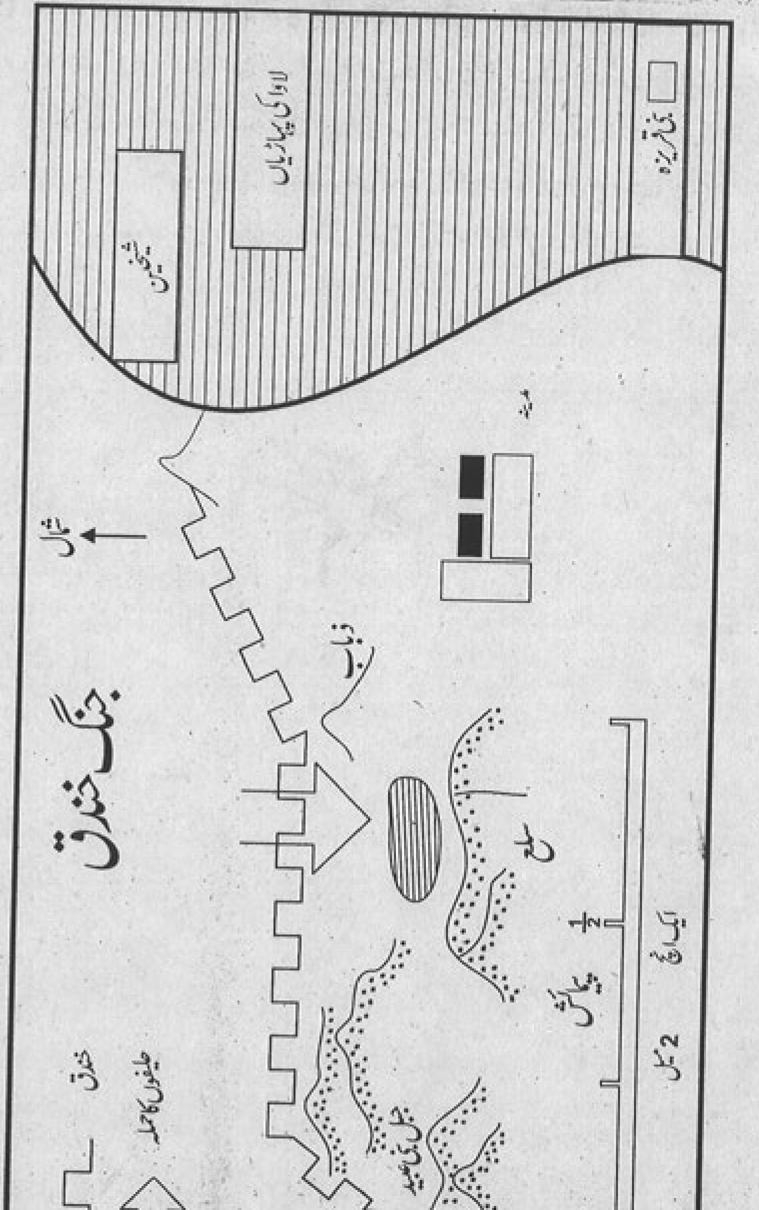

جنگ خندق

جب قریش مکہ نے یہودیوں کو ساتھ ملا کر اور متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کیں تو سیدنا سلمان فارسیؓ کے مشورے سے رسول اللہ نے مدینہ کے اردگرد خندق کھدوا دی۔ قریش مکہ نے جب یہ خندق کا منظر دیکھا تو حیران و پریشان ہو گئے کیونکہ ان کے علم میں ایسی جنگی چال پہلے دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ قریش کو محاصرہ کیے دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے، اس سے اکتا کر خالد بن ولید نے عکرمہ کو ساتھ ملا کر ایک جگہ کم چوڑی خندق کو عبور کیا اور مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہو کر مسلح کاروائیاں کیں لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ پورے عرب سے جنگجو جب

پختگی، جو اسلام اور مسلمانوں سے شدید عداوت کا باعث تھی، آگے چل کر اخلاص اور ان کارہائے نمایاں کا باعث بنی جو اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کی نصرت وحمایت میں سرانجام دیئے۔

یہاں پہنچ کر خالد کی کتاب زندگی کا پہلا باب ختم ہوتا ہے اور ایک ایسا دور شروع ہوتا ہے جو پہلے دور سے یکسر مختلف ہے اس نئے دور میں خالد کی شخصیت بالکل نئی صورت میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ یہ نیا باب خالد کی زندگی ہی کا نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا بھی درخشاں باب ہے۔

حصہ دوم

قبول اسلام سے وفاتِ رسول ﷺ تک

قبول اسلام

مؤرخین اس بارے میں باہم کافی اختلاف رکھتے ہیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کون سے سنہ میں اسلام لائے؟ بعض کہتے ہیں ۵ھ میں مسلمان ہوئے۔ بعض کہتے ہیں: ۶ھ میں، بعض کہتے ہیں: ۷ھ میں اور بعض کا خیال ہے ۸ھ میں، ۵ھ اور ۶ھ میں آپ کا اسلام لانا بعید از قیاس ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے انہوں نے اپنی تائید میں کسی قسم کے دلائل پیش نہیں کیے۔ چنانچہ بہت سے ثقہ مؤرخین نے بڑے زور سے اس خیال کی تردید کی ہے۔

۵ھ اور ۶ھ کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ۷ھ اور ۸ھ میں سے کس سنہ میں آپ اسلام لائے۔ کتب تاریخ و سیر کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ سے چھ ماہ اور غزوہ موتہ سے دو ماہ قبل صفر ۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ ہمارا اس نتیجے پر پہنچنے کی بنیاد دو امور پر مبنی ہے۔

(ا) تاریخی شہادتیں۔ (ب) عقلی امور جو تاریخی شہادتوں کے مطابق ہیں۔

(الف) سب سے پہلے ہم تاریخی شہادتیں پیش کرتے ہیں:

① ابن سعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا اپنا قول نقل کرتے ہیں: ''ہم دونوں (خالد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں یکم صفر ۸ھ کو حاضر ہوئے۔

② بلاذری لکھتے ہیں: ''عمرو بن العاص نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر لوٹے، راستے میں انہیں عثمان بن طلحہ اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ملے جو رسول کریم ﷺ کے پاس مدینہ جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ تینوں صفر ۸ھ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔''

③ ابن قتیبہ لکھتے ہیں: ''سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان

بن طلحہ رضی اللہ عنہ ۸ ھ ہجری میں اسلام میں داخل ہوئے۔"

④ طبری میں ہے: "صفر ۸ ھ میں سیدنا عمرو بن العاص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وہ نجاشی کے پاس سے مسلمان ہو کر آئے تھے۔ عمرو بن العاص کے ساتھ ہی عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بھی مسلمان ہونے کے لیے مدینہ آئے۔"

⑤ ابن عساکر واقدی کا قول نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ہمارے نزدیک یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے۔ وہ عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ، یہ تینوں فتح مکہ سے قبل یکم صفر ۸ ھ کو اسلام لائے تھے۔"

⑥ ابن اثیر لکھتے ہیں: "اس سنہ ۸ ھ کے دوسرے مہینے (صفر) میں عمرو بن العاص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ ان کے ساتھ ہی خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کی غرض سے مدینہ آئے۔"

⑦ ابوالفداء لکھتے ہیں: "۸ ھ میں خالد رضی اللہ عنہ بن ولید، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، السہمی اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبدالدار مسلمان ہونے کے لیے مدینہ آئے۔"

ان کے علاوہ بھی سینکڑوں شہادتیں دی جاسکتی ہیں لیکن ہم غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے انہیں درج نہیں کر رہے۔

(ب) تاریخی شہادتوں کے بعد اب معقولات کی جانب آتے ہیں۔

① بلاذری فتح مکہ کے حالات لکھتے ہیں: "رسول کریم ﷺ نے فتح کے بعد خانہ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو مرحمت فرمائی جو ۸ ھ میں اسلام قبول کر چکے تھے۔"

تاریخی شہادتوں سے ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کے لیے مکہ آئے تھے۔ اس لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا بھی ۸ ھ ہی میں ماننا پڑے گا۔

② اکثر مؤرخین جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا حال بیان کرتے ہیں تو

خود ان کا اپنا یہ قول بھی بیان کرتے ہیں: ''و ذالک قبل الفتح ''یعنی'' یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔'' اگر یہ واقعہ ۵ ھ یا ۶ ھ کا ہوتا تو انہیں یہ کہنے سے کیا چیز مانع ہوتی کہ ہم نے حدیبیہ کے بعد یا عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کیا۔ لیکن صرف یہ کہنے سے کہ ہم نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے فتح سے تھوڑا ہی عرصہ قبل اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں سیرت ابن ہشام میں بھی سیدنا عمرو بن العاص کا یہی قول درج ہے۔ پس یہ نتیجہ کسی صورت بھی نہیں نکل سکتا کہ آپ فتح مکہ سے ایک سال یا دو سال قبل اسلام لائے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے اسلام لانے کو فتح مکہ کی بجائے کسی ایسے واقعہ سے منسلک کرتے جو قریب ہی کے زمانے میں گزرا ہوتا۔

③ جن کتابوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بھائی ولید بن ولید کے اسلام لانے کا ذکر ہے ان میں یہ مذکور ہے کہ عمرۃ القضاء کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید سے کہا: ''افسوس خالد رضی اللہ عنہ ہمارے پاس نہیں آئے اگر وہ آتے تو ہم بڑی گرمجوشی سے ان کا خیر مقدم کرتے۔ خالد رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو تو اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہئے۔'' یہ سن کر ولید نے خالد رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات درج کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہی خط خالد رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا سبب بنا۔ اس واقعہ سے بصراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ عمرۃ القضاء تک سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لائے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہو کر ذی الحجہ ۷ ھ میں واپس مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ ان امور کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ ۷ ھ کے آخری ایک یا دو روز میں کیا تھا اور اپنے اس ارادے سے اپنے بعض رفیقوں کو مطلع کیا تھا جس سے ان کے اسلام لانے کی خبر مکہ میں پھیل گئی اور ابو سفیان اور عکرمہ بن ابو جہل سے تکرار بھی ہوئی۔

④ قابلِ اعتماد مورخین کا بیان ہے کہ سب سے اہم واقعہ جس میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اسلام

محبت پیدا کر دی اور مجھے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطاء فرمائی۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میں محمد (ﷺ) کے خلاف ہر جنگ میں لڑا لیکن ہمیشہ ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہم اسلام کی شان وشوکت مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آہستہ آہستہ میرے دل میں خیال پیدا ہونے لگا کہ میں ایک غلط راستے پر کھڑا ہوں۔ کوئی غیبی طاقت بزور میرے دل میں محمد ﷺ کے لیے جگہ پیدا کر رہی تھی۔ جب محمد ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے تو میں مکہ سے نکل گیا اور جب تک رسولؐ اللہ مکہ میں رہے میں وہاں داخل نہ ہوا۔ میرے بھائی ولید بن ولید جو مسلمان ہو چکے تھے محمد ﷺ کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب فرمایا لیکن میں کہاں تھا؟ اس پر میرے بھائی نے مجھے خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام سے اس قدر برگشتہ کیوں ہو؟ حالانکہ جس عقل کے تم مالک ہو وہ کبھی بھی اسلام کے حقیقی نور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت فرمایا اور پوچھا کہ: "خالد رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟" میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ "خالد رضی اللہ عنہ کو اللہ ہی لائے تو لائے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "خالد رضی اللہ عنہ جیسا شخص کبھی اسلام کی حقیقت سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔" اے برادر!...... تم بہت دنوں تک گمراہی میں رہے ہو، اب حقیقت کو پہچانو اور سیدھے راستہ پر آ جاؤ۔"

یہ خط پڑھ کر میرے دل پر پڑے ہوئے تاریک پردے پھٹ گئے اور مجھے اسلام سے رغبت پیدا ہو گئی۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس گفتگو سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ نے میرے متعلق میرے بھائی سے کی تھی۔ آخر میں نے مکہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انہی دنوں میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ میں ایک ویران چٹیل اور تنگ جگہ میں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں وہاں سے نکل کر ایک فراخ اور سرسبز وشاداب میدان میں آ گیا۔

جب میں نے مکہ سے نکلنے کی تیاری مکمل کر لی تو میں صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے

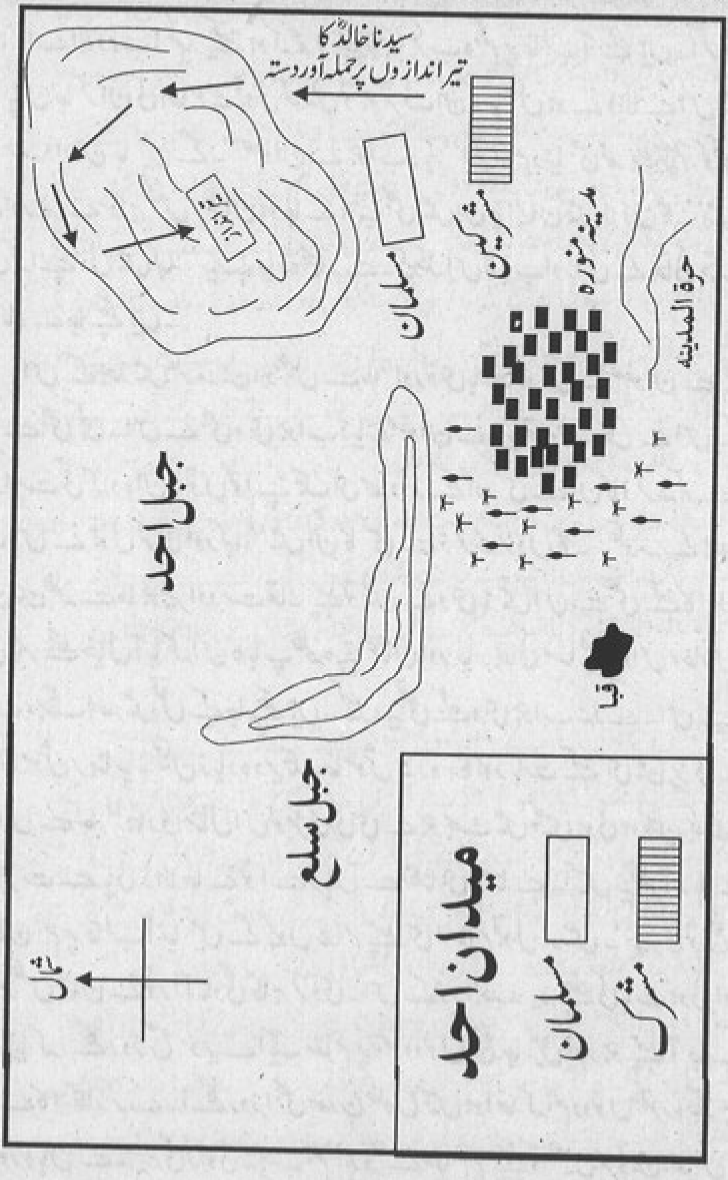

اس نقشہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقام کی نشاندہی وموجودگی واضح کی گئی ہے۔اور عینین کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے تعینات کردہ دستے کی پوزیشن کی اہمیت اور جنگی نتائج پر اثر انداز ہونے اور فائق رہنے کی حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے۔

اس کے علاوہ اس نقشہ میں نظر آرہا ہے کہ کس طرح خالد زمانہ جاہلیت میں عکرمہ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے سامنے صف آراء ہو گئے ان کے پیچھے قریش کا سپلائی لائن بحال رکھنے کا کیمپ نظر آرہا ہے۔اسی صورت حال میں کفر اور اسلام کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔

کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک فرماتے تھے۔ رہنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مکانوں میں سے جو حارثہ بن نعمان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیے تھے ایک مکان مجھے عنایت فرمایا۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی اس سرگزشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی لالچ کی خاطر یا کسی پیش آمدہ خطرے سے بچنے کے لیے یا کسی شخص کے سمجھانے بجھانے سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی وقت اسلام لائے جب پورے غور وفکر کے بعد انہیں یقین ہوگیا کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے اور جس (پہلے والے) عقیدے پر وہ قائم ہیں اس میں سوائے گمراہی اور نقصان سے کچھ نہیں۔

ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو خالد رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کس قدر خواہش تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خالد رضی اللہ عنہ سے جو تعلق تھا اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے مکانوں میں سے ایک مکان عطاء فرمایا لیکن ان کے دونوں ساتھی، باوجودیکہ وہ قریش میں انتہائی بلند مرتبے کے مالک تھے اس سلوک سے محروم رہے۔ پھر جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آپ سے اپنے لیے دعائے استغفار کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور دعاء فرمائی۔

اسلام قبول کرنے میں دیر کیوں ہوئی؟

اس سوال کا جواب ہمیں سیدنا عمرو بن العاص کی زبان سے مل جاتا ہے۔ ان سے بھی یہی سوال پوچھا گیا تھا کہ: ''آپ کا شمار عرب کے عقل مند ترین انسانوں میں ہوتا ہے پھر آپ نے اسلام لانے میں دیر کیوں کی؟'' انہوں نے جواب دیا تھا: ''ہم ایسے لوگوں میں رہتے تھے جنہیں ہم پر ہر طرح سے فوقیت حاصل تھی۔ ذکاوت، فطانت اور عقل مندی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جب تک وہ ہمارے درمیان رہے ہم ان سے علیحدگی کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتے تھے لیکن جب وہ اس دنیا سے اٹھ گئے اور معاملات ہمارے ہاتھوں میں آئے تو ہمیں غور وفکر اور تدبر کا موقعہ ملا تب ہمیں معلوم ہوا کہ حق کس طرف ہے چنانچہ اسلام میرے دل میں راسخ

ہو گیا۔"

پھر یہ بھی ہے کہ قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ان کا شمار عرب کے معزز ترین قبائل میں ہوتا تھا۔اس کا طبعی اثر یہ تھا کہ قریش اور بالخصوص ان کے سردار اور سربرآوردہ اشخاص اس نئے دین کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے جس کو قبول کرنے سے ان کی عزت میں فرق آنے کا اندیشہ تھا کیونکہ اسلام قریش، غیر قریش، عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ سب مسلمانوں کو مساوی حقوق دیتا ہے۔قریش، جن کے دلوں میں پشتہا پشت سے اپنی سرداری اور بڑائی کا غرور قائم تھا کس طرح یہ برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے اور انکے غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہ رہے اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ وہ اسلام کے پکے دشمن بن گئے۔ یہ دشمنی اسوقت اور بھی بڑھی جب مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کو پے در پے شکستیں ہونے لگیں اور ان کے سرداران جنگوں میں کثرت سے مارے جانے لگے۔ خصوصاً جنگ بدر میں جہاں مسلمانوں کے ہاتھوں صنادید قریش کی بھاری تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔

افراد کے لیے اس دین کی پیروی بہت مشکل ہوتی ہے جس نے ان کے عزیزوں اور اقرباء کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو، اور ان کے پیاروں کو ان سے چھین لیا ہو۔ چنانچہ جس وقت خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے سے عکرمہ بن ابی جہل کو مطلع کیا تو وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا: "تم صابی ہو گئے؟" خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں صابی نہیں ہوا، مسلمان ہوا ہوں۔" تب عکرمہ نے کہا: "اللہ کریم کی قسم! خواہ سارے قریش اسلام لے آتے مگر مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "کیوں؟" عکرمہ نے جواب دیا: "تمہیں وہ وقت بھول گیا جب بدر کے موقع پر تمہارے چچا اور چچازاد بھائی قتل ہوئے تھے؟ کم از کم تمہیں تو اسلام نہیں لانا چاہئے تھا۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ قریش مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اس موقع پر تم ان سے علیحدگی اختیار کرنے لگے ہو؟" لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کی حقانیت کا یقین راسخ ہو چکا تھا۔ وہ اس قسم کی اشتعال انگیز باتوں میں نہ آئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ: "یہ سب باتیں جاہلیت کی نشانی ہیں میں

ایسی حمیت کا قائل نہیں۔جس وقت مجھ پر حق ظاہر ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا۔"

اب ہم خالد رضی اللہ عنہ کی ان فتوحات اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں جو اسلام کی ترقی میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئیں۔

غزوۂ موتہ

رسول کریم ﷺ نے ایک جماعت اپنے صحابی حارث بن عمیر کی سرکردگی میں حاکم بصریٰ کے پاس بھیجی تھی۔ان لوگوں نے حارث کو شہید کر دیا۔اس پر جمادی الاول ۸ھ میں آپ ﷺ نے ایک لشکر حارث کا انتقام لینے کے لیے بھیجا اور فرمایا:"اس لشکر کی قیادت زید بن حارثہ کریں گے۔اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب قیادت سنبھال لیں۔اور اگر وہ بھی کام آ جائیں تو قیادت عبداللہ بن رواحہ کے سپرد کر دی جائے۔"

مسلمانوں کا لشکر جب بلقاء کی سرحد پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مشارف کے مقام پر، شہنشاہ روم ہرقل کا ایک عظیم الشان لشکر ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔یہ معلوم کر کے انہوں نے موتہ کا رخ کیا، وہاں رومیوں اور ان کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔

زید بن حارثہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور لڑنا شروع کیا۔جب لڑائی نے زور پکڑا تو وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور دیوانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے قیادت سنبھالی اور شہادت پائی۔

اب مسلمانوں کے لشکر میں کوئی سردار ایسا نہ تھا جو ان میں نظام قائم رکھتا اور وہ مقصد بجا لاتا جس کے لیے اس لشکر کو بھیجا گیا تھا۔مسلمان اس صورت حال سے بہت پریشان ہوئے۔دشمن کے مقابلے میں انکی حیثیت آٹے میں نمک کی سی تھی۔اور دشمن انہیں بڑی آسانی سے پیس کر رکھ سکتا تھا۔اس نازک موقع پر مسلمانوں کی نظریں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید پر پڑیں اور انہیں اپنا قائد منتخب کر لیا۔

خالد رضی اللہ عنہ ایک ایسے کمزور اور بے حقیقت لشکر کے قائد منتخب ہوئے تھے جس کی تعداد تین

ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے مقابلے میں دشمن کم از کم ڈیڑھ لاکھ تربیت یافتہ لشکر جرار لیے میدان میں موجود تھا جسے اپنی قوت و طاقت پر کامل بھروسہ تھا۔ یہی رومی لشکر کچھ عرصہ قبل ایرانیوں پر فتح پا چکا تھا اور فتح و کامرانی کے نشے میں چور اب مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے تھا۔ اس موقع پر خالد رضی اللہ عنہ کی حربی صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور انہوں نے لشکر کو تباہی سے بچانے اور اسے دشمن کے نرغے سے نکال لانے میں حیرت انگیز طور پر کامیابی حاصل کی۔ پہلے روز وہ جی کھول کر دشمن سے لڑے جب رات ہوئی تو انہوں نے اپنے لشکر کی ترتیب بالکل بدل ڈالی۔ مقدمہ کو ساقہ کی جگہ کر دیا اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ۔ اسی طرح میمنہ اور میسرہ کو بھی تبدیل کر دیا۔ دشمن کو اس نقل و حرکت سے احساس ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے کوئی اور تازہ دم فوج میدان میں آ گئی ہے چنانچہ دوسرے روز اس کے جوش و خروش کی وہ حالت نہ تھی جو ایک روز پہلے تھی۔

اس طرح سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وقتی طور پر لشکر اسلام کو تباہی سے بچا لیا اور پھر اس طرح دشمن کو مرعوب کر کے انہوں نے بڑے قرینے سے اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ اور کچھ دیر بعد اسے دشمنوں کے نرغے سے سلامتی کے ساتھ نکال لائے۔ اب دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور مسلمان اس تباہی و بربادی سے بچ گئے جو انہیں کچھ عرصہ قبل اٹل نظر آ رہی تھی۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جو تدابیر اختیار کیں وہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا جسے ہر قائد بجا لا سکتا بلکہ ایک عظیم الشان کارنامہ تھا جو جنگی مہارت عقل مندی، وسعت نظر اور اللہ پر کامل بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس وقت خالد رضی اللہ عنہ سے ذرا بھی کوتاہی ہو جاتی تو پورے کا پورا اسلامی لشکر فنا کے گھاٹ اتر جاتا۔ اس جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو جس سختی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس کی دھندلی سی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ''مؤتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں اور اگر کوئی تلوار صحیح سلامت میرے ہاتھ میں رہی تو وہ یمنی تلوار تھی۔'' اندازہ کیجئے کہ جس لشکر کے سردار کو خود لڑنا پڑے اور اس کے ہاتھ سے نو تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹ جائیں اس پر کیسے جرار لشکر نے

حملہ کیا ہوگا؟ اور وہ سردار کتنا شجاع، دلیر اور جنگی حربوں سے کس درجہ واقف ہوگا۔

جس وقت یہ معرکہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے سردار یکے بعد دیگرے شہید ہو رہے تھے اُس وقت اللہ تعالیٰ مدنیہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ تمام ماجرا دکھا رہا تھا اور آپ صحابہ سے ان سرداروں کی شہادت کا حال بیان کر رہے تھے۔ جب خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا تو آپ نے فرمایا: ''ان کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ وہ مقرر کردہ قائدین میں سے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے خود اپنے کو قائد بنایا ہے۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اب تو ہی اس کی مدد فرما۔'' اس دن سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا لقب ''سیف اللہ'' پڑ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دیئے ہوئے اس لقب کے پورے پورے مستحق تھے، کیونکہ انہوں نے انتہائی نازک موقع پر مسلمانوں کے لشکر کو تباہی سے بچا لیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے اس لقب میں جو جامعیت ہے وہ کسی عام انسان کی بیان کردہ تعریف میں کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کی اس قدر قابلِ رحم حالت تھی تو ان کے پیچھے ہٹنے پر رومیوں نے آگے بڑھ کر انہیں روکا کیوں نہیں اور ان کا تعاقب کرنے میں انہیں کیا رکاوٹ پیش آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھاری لشکروں کے لیے جنگلوں میں گھس کر لڑائی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ رومی لشکر بھاری تعداد پر مشتمل تھا اور اس کے پاس سامان جنگ بھی بہت تھا، اس کے مقابلے میں مسلمان تعداد بہت تھوڑے تھے اور انکے پاس سامان بھی بہت کم تھا، اس لیے انہیں رومیوں کے مقابلے میں نقل و حرکت کے زیادہ مواقع میسر تھے اور وہ بڑی آسانی سے جنگلوں اور پہاڑوں میں گھس کر اپنی راہ بنا سکتے اور اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ اس صورت میں رومیوں کے لیے ان کا پیچھا کرنا کسی فائدے کا موجب نہ ہو سکتا تھا۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں کہ رومیوں کا یہ خیال ہو کہ مسلمانوں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں کمین گاہیں بنا رکھی ہیں اور ان کا پیچھے ہٹنا محض ایک جنگی چال ہے تا کہ جب ہم ان کا تعاقب کرتے ہوئے گھنے جنگلوں میں پہنچیں تو وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ہم پر حملہ کر

دیں (اور ہمیں کاٹ ڈالیں۔)

بعض مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ لشکر کی قیادت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آنے کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور مسلمانوں نے پے در پے زور دار حملے کر کے رومیوں کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ ابن سعد، طبقات میں ایک ایسی ہی روایت نقل کرتے ہیں اس روایت میں مرقوم ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیتے ہی زور شور سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بے دھڑک تلوار کے جوہر دکھانے شروع کیے اور رومیوں کو ایسی زبردست شکست دی جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

لیکن یہ روایت ہر لحاظ سے ناقابل قبول ہے۔ مشہور اور مستند کتب تاریخ اس روایت کی تائید نہیں کرتیں، بڑے بڑے مؤرخین جن میں ابن سعد خود بھی شامل ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کمان اپنے ہاتھ میں لے کر دشمن کے حملے کو روکا اور آہستہ آہستہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر اسے دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔

اس کے علاوہ عقل کے لیے بھی یہ بات قابل قبول نہیں کہ تین ہزار کا مختصر لشکر ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کے عظیم الشان لشکر پر فتح یاب ہو جائے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے ہزار رومی قتل کیے اور کس قدر مال غنیمت اکٹھا کیا؟ مسلمان مؤرخین ہر جنگ کا ذکر کرتے وقت اس کے مقتولین کی تعداد اور مال غنیمت کی مقدار کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں لیکن اس موقع پر وہ بالکل خاموش ہیں آخر کیوں؟

ابن ہشام اور ابن برہان الدین نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسلمانون نے خالد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان جنگ میں فتح نصیب فرمائی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان مؤرخین نے مسلمانوں کی نجات کو مجازاً فتح سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ تین ہزار مسلمانوں کو جنہیں موت اپنے سامنے نظر آ رہی تھی، موت کے منہ سے نکال لانا فتح کے مترادف بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنے بے نظیر تدبر اور اعلیٰ جنگی مہارت سے کام نہ لیتے تو مسلمانوں کی تباہی میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ تھا۔ گویا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کو موت کے منہ سے نکال کر مسلمانوں کی تعداد میں تین ہزار کا اضافہ کر دیا۔

تقریباً تمام مؤرخین نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ اس کے استقبال کے لیے نکلے۔ جب لشکر سامنے آیا تو لوگوں نے لشکر کے سپاہیوں پر مٹی پھینکنی شروع کر دی اور کہنے لگے۔ ''اے بھگوڑو! تم لوگ اللہ کے راستے سے بھاگ کر آئے ہو۔'' لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں اس حرکت سے منع فرمایا اور کہا: ''یہ بھگوڑے نہیں ہیں۔ ان شاء اللہ یہ دوبارہ جہاد کو جائیں گے۔''

اس روایت سے جہاں بعض مؤرخین کی اس روایت کی تردید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے لڑائی میں فرار اختیار کیا تھا (کیونکہ نبی کریم ﷺ صحابہ کو لے کر ایک بھگوڑے لشکر کے استقبال کے لیے کبھی نہ نکل سکتے تھے) وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس جنگ سے فتح یاب ہو کر نہیں لوٹے تھے۔ کیونکہ فتح یابی کی صورت میں ان کے سروں پر خاک ڈالنے کے کوئی معنی نہیں۔

تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تین ہزار کے مختصر سے لشکر کو ڈیڑھ لاکھ کے عظیم الشان لشکر کے نرغے میں سے نکال لانا اور وہ بھی اس صورت، میں کہ مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

ہماری رائے کی تائید بعض اشعار سے بھی ہوتی ہے جو اس موقع پر کہے گئے تھے۔ چنانچہ قیس بن محسر الیعمری کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! میرا نفس مجھے اب تک جنگ مؤتہ کے واقعات پر ملامت کرتا ہے افسوس میں اس روز کچھ نہ کر سکا۔ میں نے اپنے آپ کو خالد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا جن کے مثل قوم میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے جعفر کی شہادت کا وہ وقت نہیں بھولتا جب ہمارے تیر اندازوں کی طرف سے تیر چلانے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب رومیوں کی فوجیں دو اطراف سے ہمیں پیس ڈالنے کے لیے ہم پر پل پڑی تھیں۔''

ابن برہان الدین بھی اپنی کتاب میں ہماری رائے ہی کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

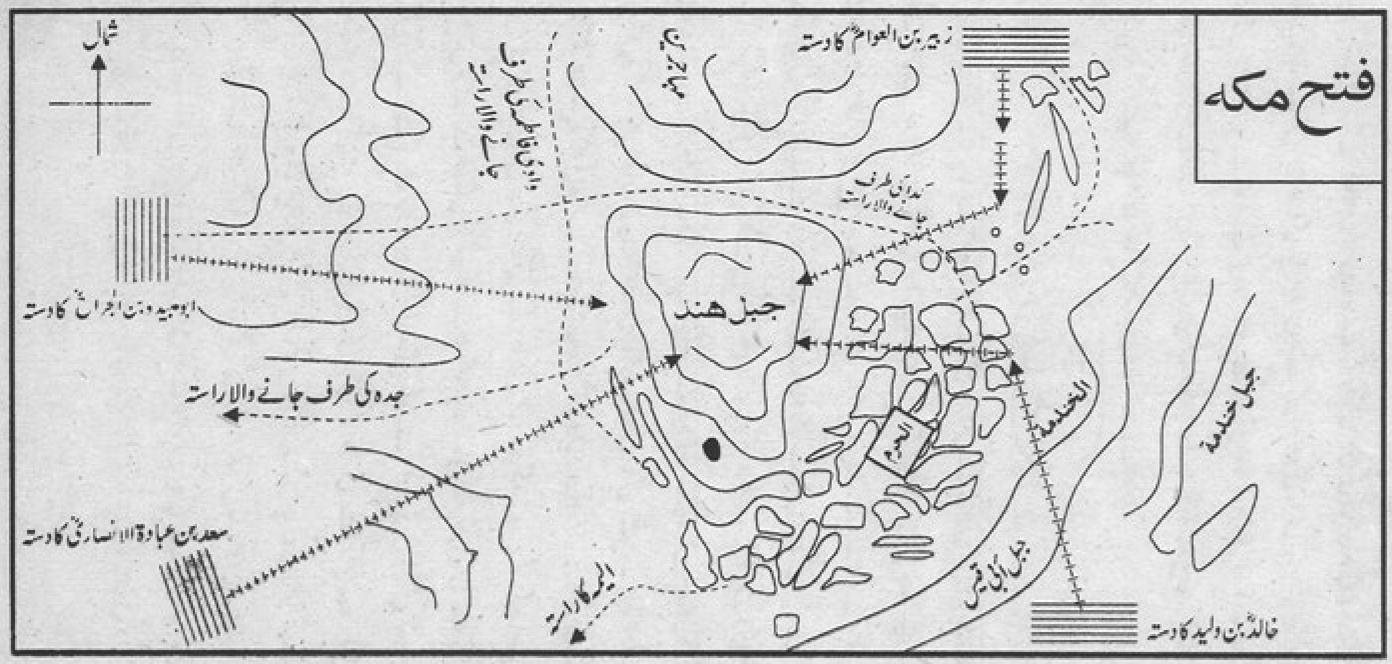

فتح مکہ کا ایک منظر کہ جس میں مکہ میں ایک طرف سے سیدنا خالد بن ولید کا دستہ داخل ہو رہا ہے دوسری جانب سے سعد بن عبادہ انصاری، تیسری جانب سے ابوعبیدہ بن الجراح کا دستہ اور چوتھی طرف سے زبیر بن العوام کا دستہ مکہ کو فتح کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔

''جنگ موتہ میں مسلمانوں کو اس لحاظ سے فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس موقع پر تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دو لاکھ رومی سپاہ میدان جنگ میں موجود تھی۔ اس عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کے زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی اور بظاہر یہی نظر آ رہا تھا کہ تین ہزار سپاہیوں میں سے ایک شخص بھی اپنی جان بچا کر نہیں لے جا سکے گا۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے بے نظر جرأت اور شجاعت دکھا کر مسلمانوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔''

فتح مکہ

جب اللہ نے چاہا کہ مکہ مکرمہ اس کے حقیقی وارثوں کے ہاتھوں میں دیا جائے تو اس کے لیے مختلف اسباب پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہم کے لیے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ۱۰ رمضان ۸ھ کو بدھ کے روز بعد نماز عصر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کے تمام بالغ افراد آپ کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ عرب قبائل سے بھی ہزاروں اشخاص نے اس مہم میں شرکت کی تھی۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے قریب ذی طوی کے مقام پر پہنچے تو آپ نے لشکر کو ترتیب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو میمنہ کا امیر مقرر فرمایا جس میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ وغیرہ عرب قبائل شامل تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو قیادت اور امارت کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ کو کدا، زبیر کو، کداسی اور خالد رضی اللہ عنہ کو زیریں حصے سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ قریش میں سے جو بھی تمہارے مد مقابل آئے اسے کاٹ کر رکھ دو، حتیٰ کہ صفا پر مجھ سے آ ملو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''اذاخر'' کے مقام سے داخل ہوئے اور مکہ کی بلندی پر پہنچ کر سواری سے اتر پڑے۔ وہیں پر آپ کے لیے ایک خیمہ استادہ کیا گیا اس طرح مسلمانوں کا لشکر مکہ میں چاروں اطراف سے داخل ہوا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شدید خواہش تھی کہ حرم مقدس میں خون نہ بہے۔ اسی لیے آپؐ نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ صرف اسی وقت تلواریں میان سے نکالی جائیں جب کفار ان کے آگے بڑھنے میں مزاحم ہوں اور بغیر جنگ کیے ہمارے آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو۔

لیکن بعض عمائدین قریش نے حرم مقدس میں بھی خون بہانے سے دریغ نہ کیا۔ صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمر نے قبیلہ بنی بکر اور احابیش بنو الہون بن خزیمہ، بنو الحارث بن عبد مناف بن کنانہ اور بنو المصطلق بن خزیمہ کو احابیش کہا جاتا تھا) کے بعض لوگوں کو زیریں مکہ میں خندمہ کے مقام پر جمع کیا اور مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا مصمم ارادہ کیا۔ اللہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا) یہ مقرر کر رکھا تھا کہ اس دن اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور انہی لوگوں سے لڑیں جن کے ساتھ ہو کر وہ کچھ عرصہ قبل مسلمانوں سے جنگ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ اور مندرجہ بالا گروہ کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ دونوں طرف سے تلواریں چلنی شروع ہوئیں، تیرہ مشرک مارے گئے اور تین مسلمان شہید ہوئے۔ اس جگہ کے سوا اور کہیں مشرکین نے مقابلہ نہ کیا اور مسلمان مسجد حرام میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا وہ رؤیا (خواب) کامل طور پر پورا ہو گیا جس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ [سورۃ الفتح: ۲۸/۳۷]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ ان شاء اللہ تم مسجد حرام میں بے خوف وخطر داخل ہو گے۔ وہاں جا کر تم میں سے کچھ تو اپنے سر منڈوائیں گے اور کچھ فقط بال ہی کتروائیں گے۔ غرض جس بات کی تم کو خبر نہ تھی وہ اللہ کو پہلے سے ہی معلوم تھی۔ پھر اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ فتح مکہ سے پہلے ایک فتح کرادی۔"

مسلمان مکہ میں ۲۰ رمضان ۸ھ بروز جمعہ داخل ہوئے تھے۔

بکر، حارث اور احابیش کو جمع کر کے کفار نے یہ سوچا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیں گے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ فاتح لشکر کے میمنہ کا سردار خالد رضی اللہ عنہ ہے۔ وہی خالد رضی اللہ عنہ جو کل تک ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تا رہا تھا، آج

انہی مشرکین اور کفار کے لیے پیغام موت بن کر آیا ہے۔ اس یوم موعود کا انتظار رسول اللہ ﷺ انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ کر رہے تھے کیونکہ اہل مکہ کو تمام عرب پر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل تھی اور تمام اہل عرب ان کی سرداری قبول کرتے تھے۔ اگر اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع اور فرمانبردار بن جاتے اور مکہ سے بت پرستی اور شرک مٹ جاتا تو اس کے نتیجے میں تمام عرب مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش تھی کہ کعبہ کو اس حال میں دیکھیں کہ وہاں اللہ واحد کی عبادت کی جاتی ہو اور تین سو ساٹھ بتوں میں سے کسی بت کا نشان باقی نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ قریش کی نفسیات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ قریش کی اسلام سے نفرت کرنے کی وجوہات کیا ہیں۔ مکہ والے کبھی اس بات کو برداشت نہ کر سکتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوں۔ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے تو ان کی ساری حکومت، عزت اور عظمت جو اہل عرب پر انہیں حاصل ہے، جاتی رہے گی اور ان کے معبودوں کا نشان تک باقی نہ رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو جانتے تھے اسی لیے آپ نے لشکر کی قیادت اور امارت کے لیے ایسے لوگوں کو چنا جن کا جنگی تجربہ بے پناہ تھا اور جو لشکر کی قیادت کے لیے موزوں ترین اشخاص تھے۔ اس سلسلے میں جن چار لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ انتخاب پڑی ان میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لیے عمل میں آیا کہ آپ فی الواقع ایک ممتاز قائد تھے۔ اور ان کی عیاں و نہاں صلاحیتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی خوب اچھی طرح سے واقف تھی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کمان میں وہ لشکر تھے جو سراسر بدوی زندگی میں رنگے ہوئے تھے۔ نہ تہذیب و تمدن سے واقف تھے نہ کسی نظام میں رہ کر زندگی بسر کرنے کے عادی تھے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اس مخلوط لشکر کی کمان دینے میں کیا بھید تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ ایسی طبائع رکھنے والے لشکر کی قیادت صرف خالد رضی اللہ عنہ ہی کر سکتے تھے۔ ان کی قیادت اور کسی کے بس کی چیز نہ تھی۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جو کارنمایاں سرانجام دیا اور راہ میں حائل

ہونے والے لشکر کا جس طرح مقابلہ کیا اس کا اعتراف بہت سے مسلمان اور مشرکین شعراء نے کیا ہے۔ ذیل میں حماس بن قیس بکری کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا تھا۔ جب ان لوگوں نے شکست کھائی تو یہ بھاگ کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کر دے۔ بیوی نے اس کی نامردی پر اس کو لعنت ملامت کی تو اس نے یہ اشعار کہے:

''میری زوجہ کاش تو خندمہ کی جنگ میں موجود ہوتی جب کہ صفوان اور عکرمہ دونوں بھاگ گئے تھے اور ابو یزید بھی حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اس وقت جب کہ میں ایسی تیز تلواروں کے ساتھ ان کے آگے بڑھا جو کلائی اور کھوپڑی کو کاٹ کاٹ دیتی تھیں اور اس شدت کی لڑائی تھی کہ بجز تلواروں کی جھنکار کے اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور ہمارے پیچھے دشمنوں کا شور و غوغا تھا۔ پس اگر تو اس موقع کو دیکھتی تو ایک لفظ بھی ملامت کا میرے متعلق نہ کہتی۔''

فتح مکہ کے بعد اسی دن کعبہ کو بتوں سے صاف کر دیا گیا اور بجائے بتوں کی عبادت کے اللہ واحد کی پرستش کا آغاز ہوا۔ تاہم ابھی ایک مرحلہ اور باقی تھا اور وہ تھا ان معبدوں کا انہدام جو مکہ کے اردگرد بتوں کی پرستش کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ فتح مکہ کے معا بعد رسول اللہ ﷺ نے انکی جانب بھی توجہ فرمائی۔

عزیٰ بت کی تباہی

فتح مکہ کو ابھی پانچ روز بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ہمراہ عزیٰ کے بت کو منہدم کرنے کے لیے نخلہ روانہ فرمایا۔ سیدنا خالدؓ ۲۵ رمضان کو وہاں پہنچے اور اسے منہدم کر دیا۔ عزیٰ مشرکین کا سب سے بڑا بت تھا اور قریش، کنانہ اور مضر وغیرہ قبائل اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس معبد کا انتظام جس میں عزیٰ رکھا ہوا تھا، بنو ہاشم کے حلیف بنو سلیم کی شاخ، بنی شیبان کے سپرد تھا۔

عزیٰ کا انہدام گو بظاہر معمولی واقعہ نظر آتا ہے لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ یہ قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور تمام قبائل کنانہ اور مضر اس کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے اس کا

انہدام کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس بت کو اس لیے منتخب فرمایا کہ آپ جانتے تھے اگر اسے منہدم کر دیا گیا اور اس کی پرستش کرنے والوں نے اطاعت قبول کر لی تو دوسرے بتوں کو توڑنا اور ان کی تعظیم کرنے والے قبائل کو مطیع کرنا آسان ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نفسیاتی حقیقت سے واقف تھے کہ کعبہ کی فتح سے کفار کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے سخت کینہ اور بغض بھر گیا ہے لیکن وہ بے بس ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتے تھے ۔ اگر اس وقت اس بڑے بت کو توڑا نہ گیا اور کفار کو کچھ مہلت مل گئی تو بعد میں اس کا انہدام سخت مشکل ہو جائے گا اور اس وقت دشمن جان لڑا دے گا مگر اس بت پر آنچ نہیں آنے دے گا ۔ چنانچہ ابھی فتح مکہ کو پانچ روز بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ نے اس کے انہدام کا ارادہ کر لیا۔

اس مہم کو سر کرنے کے لیے ایسے سپہ سالار کا بھیجا جانا ضروری تھا جو ہر ممکن خطرے کی پروا کیے بغیر اپنے فرض کو سرانجام دے سکے ۔ یہ خوبی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نظر انتخاب آپ پر ہی پڑی ۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتخاب ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر پورا بھروسہ تھا ۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے ہی نہیں بلکہ دینی نقطۂ نظر سے بھی۔

خالد رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد خاموش ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ آپ نے عرب قبائل کو ہدایت کا راستہ دکھانے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف رہنمائی کرنے کی عظیم الشان مہم نئے سرے سے شروع کر دی ۔ اب اس مہم میں زیادہ دشواری بھی نہیں رہی تھی کیونکہ قریش جنہیں عرب کی سرداری کا دعویٰ تھا اور جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے، اب محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کر چکے تھے ۔ اس سے قبل تمام عرب قبائل کی آنکھیں قریش کی طرف لگی ہوئی تھیں اور وہ بے تابانہ منتظر تھے کہ آیا وہ نئے دین کے مقابلے میں جمے رہتے ہیں یا بالآخر اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو جاتے ہیں ۔ جب قریش نے بھی اسلام کے

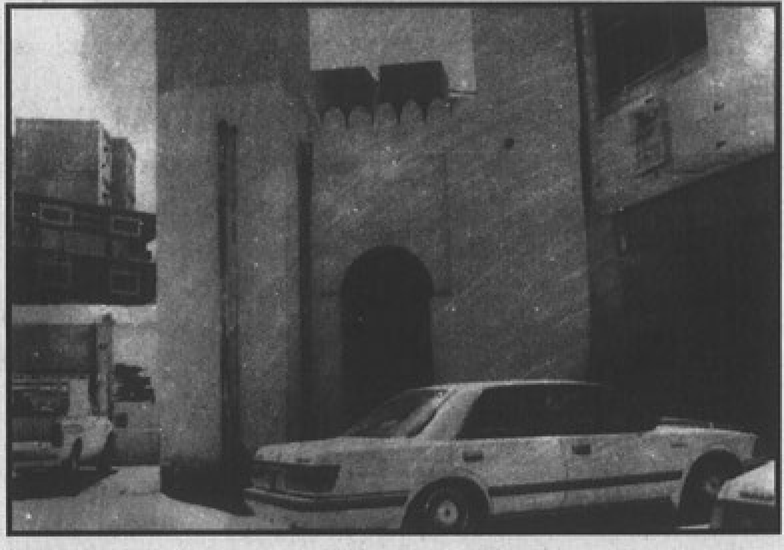

رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کی رات اس مقام پر جلوہ افروز رہے اور صبح اپنے جانثاروں اور فدا کاروں کے ساتھ اس کنویں کے پانی سے غسل فرما کر مکہ شہر میں پر امن صالح و فاتح کی حیثیت سے داخل ہو گئے۔ فتح مکہ کے لئے سیدنا خالد اپنے دستے کے ہمراہ بر وقت اللہ کے دشمنوں پر برہنہ شمشیر بن کر چھا گئے۔

آگے ہتھیار ڈال دیے تو دیگر قبائل عرب کا اسلام لانا کوئی دشوار امر نہ رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے اس نتیجے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسلام کی تبلیغ کے لیے ان قبائل عرب میں جو مکہ کے قریب آباد تھے مختلف اشخاص کو بھیجنا شروع کر دیا۔

انہی لوگوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بھی تھے۔ عزیٰ کے انہدام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ مکہ میں ہی قیام فرما تھے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ساڑھے تین سو مہاجرین وانصار اور بنو سلیم وغیرہ کے ساتھ دعوت اسلام کی غرض سے بنو جذیمہ کی جانب روانہ فرمایا لیکن انہیں قتل وغارت کا حکم نہیں دیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق شوال ۸ ھ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ بنو جذیمہ کے چشمہ غمیصاء پر پہنچ کر آپؓ نے اس کے قبیلے کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ ''ہتھیار رکھ دو کیونکہ قریشِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔'' انہوں نے ہتھیار رکھ دیے، اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دیا اور ان میں بعض کو قتل کرا دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر ملی تو آپ نے آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ! میں خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں۔'' اس کے بعد آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ تم جا کر اس قبیلے کے مقدمے کا فیصلہ کرو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بہت سا مال لے کر بنو جذیمہ کے پاس آئے اور جس قدر لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے ان کا خوں بہا ادا کیا حتیٰ کہ کتوں کا معاوضہ بھی دیا اور جو مال سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے چھینا تھا وہ سب بنو جذیمہ کو واپس کر دیا اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ خوں بہا کی تمام رقم ادا کر چکنے کے بعد بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال باقی رہ گیا آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ: ''اگر تمہارا کوئی اور خوں بہا یا مال باقی ہو تو اس کے بدلے میں یہ مال لے لو۔'' لوگوں نے کہا اب ہمارا کچھ باقی نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تاہم یہ مال بھی میں تمہیں ہی دے دیتا ہوں، شاید تمہارا کوئی خوں بہا یا مال رہ گیا ہو جس کی نہ تم کو خبر ہو نہ ہم کو۔ پس یہ مال تم اس

کے معاوضے میں سمجھو۔" یہاں سے فارغ ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔"

چونکہ اس وقعہ سے سیدنا خالد کا خاص تعلق ہے اور بظاہر اس سے آپ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمام واقعات کا جائزہ لیں اور معلوم کریں؛ کیا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ واقعی قصوروار تھے؟ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہو چکے ہیں؟

① سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کے جن لوگوں کو قتل کیا وہ کافر تھے یا وہ آپ کے پہنچنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے؟

② کیا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے؟

③ اگر غلطی پر تھے تو کیا آپ کا یہ فعل پرانے کینے اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے تھا یا محض ایک اتفاقی غلطی تھی؟

④ کیا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے قتل کرنے کے لیے کوئی جواز تھا اور اگر جواز تھا تو کیا تھا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بنو جذیمہ کافر ہوتے تو ان کے قتل پر وہ شور برپا نہ ہوتا جو اس وقت ہوا۔ اس صورت میں اس تکرار کے بھی کوئی معنی نہیں تھے جو خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان ہوئی جس میں عبدالرحمٰن بن عوف نے خالد رضی اللہ عنہما پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بنو جذیمہ کو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کے انتقام لینے کی خاطر قتل کیا ہے۔

قتل و قتال کے اس سلسلے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقتولین کا خون بہا ادا کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور انہوں نے جا کر نہ صرف ہر مقتول کا خون بہا ادا کیا بلکہ انہیں زائد مال بھی بطور تالیف قلوب مرحمت فرمایا۔ اگر بنو جذیمہ درحقیقت کافر ہوتے تو ان کا خون بہا ادا کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔

اکثر قابل اعتماد مؤرخین بصراحت بیان کرتے ہیں کہ بنو جذیمہ اسلام لے آئے تھے۔ ان مؤرخین میں سے ہم واقدی، یعقوبی اور ابن سعد کی روائتیں پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ سب

سے زیادہ قدیم مورخین ہیں۔ واقدی اپنی کتاب ''المغازی'' میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ، ابرق، کے مقام پر بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو جذیمہ کے پاس گئے جس وقت آپ ان کے پاس پہنچے تو وہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے.......... سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے پوچھا: ''تم کس دین کے پیرو ہو؟ انہوں نے کہا: ''ہم مسلمان ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ تم کب اسلام لائے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اس رات جس رات ہم نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی جان بخشی کر دی ہے جنہوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ چنانچہ ہم بھی اسلام لے آئے اور نماز ادا کرنے لگے۔''

ابن سعد، طبقات میں لکھتے ہیں:

''جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: ''ہم مسلمان ہیں، نماز پڑھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے گھروں کے صحنوں میں مسجدیں بنا رکھی ہیں اور ہم ان میں اذانیں بھی دیتے ہیں۔''

یعقوبی لکھتے ہیں:

''سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''ہتھیار رکھ دو۔'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے، ہم مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جس کام کے لیے بھیجا ہے اسے سر انجام دیں۔ اگر انہوں نے آپ کو زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے لیے بھیجا ہے تو ہمارے اونٹ اور بکریاں حاضر ہیں، آپ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائیں۔''

ان روایات سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ بنو جذیمہ مسلمان ہو چکے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا: کیا سیدنا خالد انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے؟ ابن سعد لکھتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدی چھوڑ دیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ان قیدیوں

یہ وہ جگہ ہے جہاں سیدنا خالد بن ولیدؓ کا گھر تھا۔ اور اسی جگہ فتح مکہ کے روز کفار سے ان کی مڈبھیڑ اور جھڑپ ہوئی تھی۔ اس مقام پر سعودی حکومت نے مسجد خالدؓ قائم کر دی ہے۔ یہ مقام آج بھی ہمیں دعوت فکر و عمل دے رہا ہے کہ دنیا کی رعنائیوں زیبائیوں اور بلند و بالا بلڈنگوں اور شاندار محلات کے نشے میں غرق ہو کر درس جہاد و قتال نہ بھلا بیٹھنا بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اللہ کے دشمنوں کو ہر جگہ گھیرو اور ان کی گردنیں اڑاؤ، جہاد و قتال کے معرکوں کو بپا کیے رکھو۔

۱۱ جنوری ۶۳۰ء کو مکہ میں داخلے کے وقت خندامہ کے مقام پر اس کے عزیز ترین دوست عکرمہ اور صفوان مقابلے پر آ گئے۔ جبکہ صفوان دوستی کے علاوہ خالدؓ کی بہن فاختہ کا شوہر بھی تھا۔ لیکن سیدنا خالد نے تمام دوستیوں اور رشتہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کے مورچے پر بھرپور حملے کے ساتھ جواب دیا، اور ان کو فوری پسپا کر کے ۱۲ کفار کو ہلاک کر دیا دو مسلمان شہید ہوئے جبکہ عکرمہ اور صفوان میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ نکلے۔

کے قتل کو جائز نہیں سمجھا۔ اگر ان قیدیوں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو وہ خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کی اطاعت ضرور کرتے اور اس طرح اپنے امیر کی مخالفت مول نہ لیتے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مہاجرین اور انصار میں عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے کئی جلیل القدر صحابہ بھی موجود تھے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر: ''اے اللہ! میں خالد بن ولید کے فعل سے بری الذمہ ہوں۔'' یہ فیصلہ فرما دیا کہ سیدنا خالد غلطی پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ صاف بتاتا ہے کہ سیدنا خالد کا یہ فعل آپ کو پسند نہیں آیا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بریت کا اظہار نہ فرماتے۔ دوسرے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سیدنا خالد کو غلطی پر سمجھتے تھے۔ چنانچہ مؤلف الاستیعاب نے کھلے الفاظ میں اسکی تصریح بھی کر دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''............سیدنا خالد نے بعض لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کا قتل کرنا کسی صورت میں جائز نہ تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انکا خون بہا ادا فرمایا۔''

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سیدنا خالد نے بنو جذیمہ کو پرانے کینے اور جاہلیت کے جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے قتل نہیں کیا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا خالد سے ضرور قصاص لیتے اور انہیں قرار واقعی سزا دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے فعل سے اپنی بریت کے اظہار پر ہی اکتفا کیا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ نے سیدنا خالد سے قصاص نہیں لیا۔ بلکہ انہیں بدستور امیر رہنے دیا۔ جنگ حنین اور بعد والی جنگوں میں مقدمۃ الجیش کا سردار بھی مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے سیدنا علی کو خون بہا ادا کرنے کے لیے بھیجنے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہما سے باز پرس نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا خالد کے فعل کو اتفاقی غلطی خیال کرتے تھے اور ایسا جرم نہیں سمجھتے تھے جو سیدنا خالد نے جان بوجھ کر کیا ہو۔

بعض لوگ جو خالد رضی اللہ عنہ کو قصور وار سمجھتے ہیں وہ اپنے دعوے کی دلیل میں یہ امر پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی جانب روانہ فرمایا تو ان سے کہا کہ: ''جاہلیت کی باتوں کو اپنے قدموں تلے مسل دینا۔'' یہ روایت پیش کر

کے وہ کہتے ہیں؛ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور بنو جذیمہ کے درمیان بعض جھگڑے چلے آتے تھے اور سیدنا خالد نے انہی کا انتقام لیا تھا۔ اصول درایت کے لحاظ سے یہ روایت غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ پیش آمدہ واقعات جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اس کی تائید نہیں کرتے۔ مزید برآں امام بخاری اور دیگر محدثین رحمھم اللہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے میں احتیاط اور صحت کا کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا کوئی قول منسوب نہیں کرتے۔ نہ ہی قابل اعتماد مؤرخین نے اس قول کا ذکر کیا ہے۔ ان امور کی موجودگی میں اس قول کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

بنو جذیمہ کے قتل کا اصل سبب

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو جذیمہ مسلمان تھے اور سیدنا خالد انہیں قتل کرنے میں غلطی پر تھے۔ لیکن ان سے یہ غلطی پرانے کینے اور جھگڑوں کا انتقام لینے کی غرض سے سرزد نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ کسی نہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اب صرف چوتھے سوال کا جواب باقی رہ جاتا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے قتل کرنے کے لیے کون سی وجہ جواز تھی اور انہیں کیا غلط فہمی لاحق ہوئی تھی؟ بعض مؤرخین نے جن میں ابن ہشام اور طبری شامل ہیں، ابن اسحاق سے یہ روایت بیان کی ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے اپنی مرضی سے بنو جذیمہ سے جنگ نہیں کی بلکہ عبداللہ بن حذافہ السہمی کے زور دینے اور ان کے یہ کہنے پر کی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان سے جنگ کرو کیونکہ یہ ابھی تک اسلام نہیں لائے لیکن یہ روایت بھی ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو سیدنا خالد پر طعن و تشنیع کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ اس صورت میں سارا الزام عبداللہ بن حذافہ پر عائد ہوتا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غلط بات منسوب کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرانے کی وجہ سے کسی صورت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے بچ نہ سکتے۔ ہم سیدنا ابن حذافہ یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کر سکتے

کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب غلط بات منسوب کر سکتے تھے۔ پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ بنو جذیمہ اس وقت تک کافر تھے اور اسلام سے برگشتہ۔ حالانکہ ہم دلائل عقلیہ ونقلیہ کی رو سے ان کا مسلمان ہونا ثابت کر چکے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ صریح اور قابل اعتماد روایت وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر کی زبانی بیان کی ہے۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبانا، صبانا (ہم صابی ہو گئے، ہم صابی ہو گئے) کہنا شروع کر دیا۔ یہ سن کر خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جو لوگ قید کیے گئے انہیں مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا۔ اگلے روز خالد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے۔'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں تو اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔'' یہ جھگڑا بڑھا جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات آپؐ سے عرض کیے۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری الذمہ ہوں۔''

شارحین حدیث نے اس وقعہ کی جو تشریح کی ہے اس سے سیدنا خالدؓ کے عذر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ علامہ بدر عینی شارح بخاری فرماتے ہیں۔ ''صبانا'' صبا سے ہے جس کے لفظی معنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو جانے کے ہیں۔ قریش ہر اس شخص کو جو مسلمان ہو جاتا تھا، صابی کہا کرتے تھے۔ جب بنو جذیمہ نے صبانا کہا تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سمجھ لیا کہ اس طرح وہ اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کو کافی نہ جانا، وہ ان کے منہ سے اسلام کا لفظ صراحتاً سننا چاہتے تھے۔''

خطابی کہتے ہیں: ''اس بات کا احتمال ہے کہ سیدنا خالد کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو جذیمہ نے اسلام کا لفظ چھوڑ کر صَبَأْنَا کا لفظ اختیار کیوں کیا؟ ممکن ہے ان کو یہ خیال ہو کہ یہ لوگ یہ لفظ اسلام سے نفرت کی وجہ سے صَبَأْنَا کہہ رہے ہیں اور درحقیقت اسلام قبول کرنے سے انکاری کر رہے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ رسول اللہ

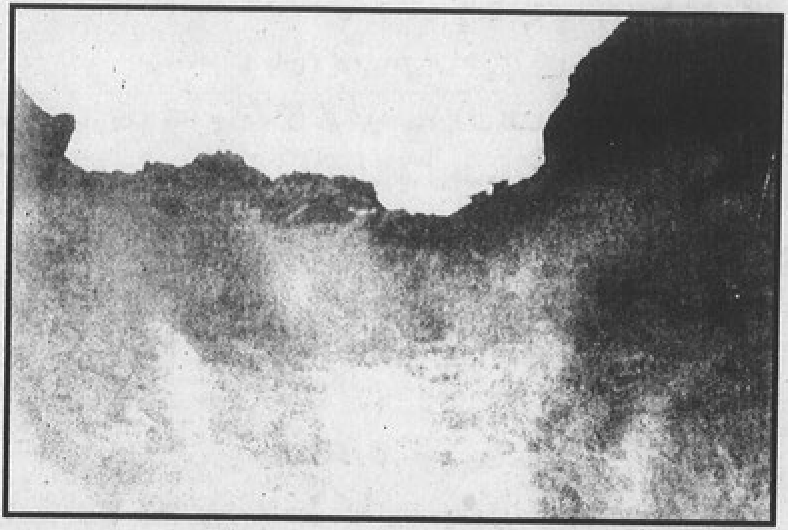

نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے کچھ ذرا پہلے جبل احد کا ایک دلفریب منظر جس میں بکریوں کے ریوڑ اور بدوؤں کی آمد و رفت قرون اولیٰ کی یاد دلاتی ہے اور اپنے دامن میں تاریخ جہاد سموئے ہوئے یہ پیغام دے رہی ہے کہ رات کو سو کر صبح اٹھنے تک کہیں صدیوں سے دیا جانے والا درس جہاد نہ بھلا بیٹھنا کہ جس کی آبیاری کے لئے آخری نبی فخر الرسل جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا جسم لہولہان کروالیا اور اپنے دانت مبارک شہید کروالیے۔ کیا تمہاری جان ان کی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو قربانی دینے سے جی چراتی ہے۔

ﷺ ،سیدنا خالد پر اس لیے ناراض ہوئے کہ انہوں نے جلدی کیوں کی اور معاملہ فہمی سے کام کیوں نہ لیا۔‘‘

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب منہاج السنہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اس فعل کا وہی سبب بیان کرتے ہیں جو علامہ عینی اور ابن حجر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ’’بنو جذیمہ نے ’’اَسْلَمْنَا‘‘ کا لفظ چھوڑ کر ’’صبانا ،صبانا‘‘ کہنا شروع کر دیا۔ سیدنا خالد نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے چنانچہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا.......... سیدنا خالد نے جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی۔ وہ دل وجان سے آپ کے مطیع تھے لیکن آپ کو چونکہ تفقہ فی الدین میں کمال حاصل نہیں تھا اس لیے آپ کی نظروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مخفی رہا اور آپ اسے پورے طور پر سمجھ نہ سکے۔ سیدنا خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت نہیں کی اور نہ ان لوگوں کو قتل کیا جو ان کے نزدیک مسلمان تھے۔ آپ سے اتفاقیہ ایک غلطی سرزد ہو گئی۔ اسی قسم کی ایک غلطی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے قتل کرنے میں ہو گئی تھی جس نے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ تک اپنی زبان سے ادا کر دیا تھا۔‘‘

علامہ عینی، امام ابن تیمیہ اور دیگر مقتدر شارحین حدیث نے اس حادثے کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے جس عذر پر روشنی ڈالی ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا خالدؓ نے جو کچھ کیا وہ اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کیا اور بنو جذیمہ کو قتل کر کے اپنے کسی پرانے جھگڑے کا انتقام ہرگز نہیں لیا تھا۔

خواہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اس بات پر غصہ آیا ہو کہ بنو جذیمہ نے صبانا کہہ کر اسلام کے لفظ سے انحراف کیا یا ان کا غصہ اس خیال سے ہو کہ انہوں نے اسلام سے نفرت کی وجہ سے صبانا کہا ہے، دونوں حالتوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے جائے عذر موجود ہے۔ کیونکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جیسے شخص سے، جن کی تمام عمر فوجی آداب وقواعد کی بجا آوری میں گزر گئی تھی، نرم مزاجی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کی رگ وپے میں سختی سرایت کر چکی تھی، ان کے خیال میں اسلام قبول کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ اعلان تھا اور وہ یہ کہ انسان اسلام کا اقرار

کرتے ہوئے زبان سے صاف صاف اسلام کا لفظ ادا کرے۔ چونکہ بنو جذیمہ نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے سیدنا خالد کے پہنچنے پر ہتھیار بھی اٹھائے تھے، اس لیے آپ کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور اسی بات کے پیشِ نظر آپ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا خالد نے جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جو کچھ کیا وہ فہم وادراک کی غلطی کی وجہ سے کیا۔ ہمارے اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی سیدنا خالد کو رسول اللہ ﷺ کا اعتماد حاصل رہا اور آپ برابر رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد جب ہوازن کا معرکہ پیش آیا تو آپ اسلامی فوج کے مقدمۃ الجیش کے سالار مقرر ہوئے۔

غزوہ ہوازن

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ۶ شوال ۸ھ کو ہفتہ کے روز قبیلہ ہوازن کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ ہوازن ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں۔ یہ قبیلہ، ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن الیاس بن مضر کی جانب منسوب تھا۔ دس ہزار کے اس لشکر کے علاوہ جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آیا تھا، دو ہزار کے قریب اہل مکہ بھی تھے، جو غنیمت کے لالچ یا قومی عصبیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے۔ سیدنا خالد بن ولید ،بنو سلیم کے سو سواروں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش پر متعین تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے نکلتے ہوئے بنو سلیم کو آگے روانہ کر دیا تھا۔ اور ان کی کمان سیدنا خالدؓ کے سپرد کر دی تھی۔ آپ جعرانہ تک مقدمۃ الجیش پر ہی متعین رہے) ۱۰ شوال کو منگل کے روز شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے مقام پر پہنچ گئے۔

فتح وکامرانی اور قوت وطاقت کے نشہ میں چور جب اسلامی لشکر وادی حنین میں اترا تو ہوازن نے تیروں اور تلواروں سے ان کا استقبال کیا اور اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اس

شدت سے حملہ کیا کہ ان کے اوسان بجا نہ رہے۔ انہیں پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ ان کی اس وقت کی حالت کا نقشہ قرآن مجید میں یوں کھینچا گیا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

[سورۃ التوبہ:۹/۲۵]

"اے مسلمانو! بہت سارے مواقع پر اللہ نے تمہاری مدد کی اور یاد کرو حنین کے دن کو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن کوئی چیز بھی تو تمہارے کام نہ آسکی۔ زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔"

سب سے پہلے بنوسلیم کے گھوڑوں کے قدم اکھڑے اور انہوں نے سرپٹ واپس بھاگنا شروع کیا۔ اہل مکہ بھی انہیں کے ساتھ پلٹے۔ اس غیر متوقع صورت حال کے باعث دیگر مسلمانوں کے اونٹ بھی ان کے قابو میں نہ رہے اور ایسے بدکے کہ کسی کے روکے نہ رک سکے اور تھوڑی دیر میں میدان صاف ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چند مہاجرین و انصار اور آپ کے اہل بیت کے سوا اور کوئی نہ رہا۔ لیکن یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہی، اللہ نے رسول کریم ﷺ اور مومنوں کو طمانیت وسکون بخشا۔

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾

[سورۃ التوبہ:۹/۲۶]

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کے) لشکر بھیج دیے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے۔"

چنانچہ مسلمان جلد ہی پلٹے اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ ہوازن کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

اس واقعہ کے مختصر سے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کیا سیدنا خالد بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والوں کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہ یا آپ ان چند لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدستور میدان جنگ میں کھڑے رہے؟ اگر آپ بھاگنے والوں میں تھے تو کیا جلد

لوٹ آئے تھے اور دشمنوں کو مغلوب کرنے میں حصہ لیا یا اس وقت لوٹے جب ہوازن کے قیدی مسلمانوں کی تلواروں کے نیچے تھے؟

تاریخ کی کسی کتاب سے ہمیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ سیدنا خالد بھی ان لوگوں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں موجود رہے۔ آپ کو بنوسلیم کے سواروں کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے بنوسلیم ہی نے منہ موڑا تھا اور انہی کے گھوڑے سرپٹ واپس بھاگے تھے۔ ایسے موقعوں پر پیچھے ہٹتے ہی بن پڑتی ہے۔ لیکن جواں مرد اور بہادر ، واقعی ہزیمت سے حوصلہ نہیں ہار دیتے بلکہ جونہی انہیں موقعہ ملتا ہے وہ دوبارہ آگے بڑھتے ہیں اور ہمت سے کام لے کر اپنی شکست کو فتح میں بدل لیتے ہیں۔ سیدنا خالد کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ بھی ان جلیل القدر صحابہ میں شامل تھے کہ جب انہوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور وہ باگیں نہ موڑ سکے تو تلواروں سے انہوں نے اونٹوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں اور لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے پیدل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ صرف جلد حاضر ہو گئے بلکہ بھاگنے کی تلافی بھی کی اور اس جواں مردی سے تلوار چلائی کی دشمنوں کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں ان کی تلوار سے عورتیں بھی نہ بچیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا تھا۔ یہ دیکھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہلا بھیجا کہ عورتوں اور بچوں کے قتل سے باز رہیں۔ اس جنگ میں انہیں کئی زخم بھی آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا خالد سے جو تعلق تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سیدنا خالد کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ کے ساتھیوں کو آپ کی تیمارداری کے لیے مختلف ہدایات دیں۔

غزوۂ طائف

ہوازن کی شکست خوردہ فوج طائف جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ سیدنا خالد زخمی

ہونے کے باوجود جنگ میں شامل تھے اور بدستور بنو سلیم کے انہی سو سواروں کے افسر تھے جو مکہ سے مقدمۃ الجیش کے طور پر لشکر کے ساتھ تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس نے طائف پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا، محاصرے کے دوران میں سیدنا خالد کفار کو بار بار "ھل من مبارز" کا نعرہ لگا کر مقابلے کا چیلنج دیتے تھے۔ لیکن کوئی شخص بھی جواب نہ دیتا تھا، بار بار کے چیلنج کے بعد قبیلہ ثقیف کے سردار عبد یالیل نے جواب دیا: "ہم میں سے کوئی شخص تمہارے مقابلے کے لیے نہیں اترے گا، ہم بدستور قلعے میں مقیم رہیں گے کیونکہ ہمارے پاس اتنا سامان خورد و نوش موجود ہے جو ہمیں دو سال تک کے لیے کافی ہے۔"

بعض لوگوں کے صلاح دینے پر کہ اب طائف والوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لیا اور جعرانہ تشریف لے آئے جہاں ہوازن کے قیدی اور ان کا مال غنیمت جمع تھا۔ غنیمت کی تقسیم کے دوران میں ایک منافق نے کہہ دیا "یہ تقسیم، خدائی تقسیم نہیں ہے۔" یہ فقرہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟" سیدنا خالد نے بھی آگے بڑھ کر عرض کیا کہ: اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں" اسے کچھ نہ کہو، شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔"

بظاہر ایک معمولی واقعہ پر اس منافق کی گردن مارنے کے لیے سیدنا خالد کے اجازت طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر محبت اور کس درجہ احترام تھا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دین کا کس قدر پاس تھا اور وہ کوئی ایسی بات برداشت نہ کر سکتے تھے جس میں دین سے ذرا بھی انحراف پایا جاتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا آپ کے عدل و انصاف میں شک کرنے والے کی سزا ان کے نزدیک کم سے کم یہ تھی کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

بنو مصطلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو ۹ ھ کے اوائل میں بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا جو دو سال قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب بنو مصطلق کو ولید کے

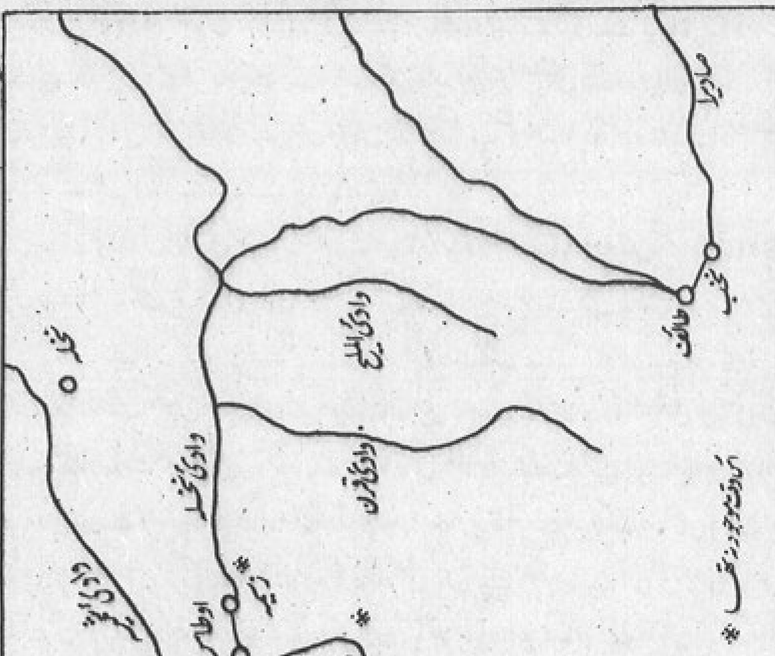

وادی حنین کے معرکے کا نقشہ کہ جس میں دشمن نے شام تک یہی تاثر دیے رکھا کہ اس کی فوج اوطاس کے مقام پر موجود ہے اور اسی مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوگا لیکن رات کو فوج کو منتقل کر کے وادی حنین کی گھاٹی میں چھپا کر متعین کر دیا۔ جب سیدنا خالد اوطاس میں جا کر ان سے لڑنے کے لیے آگے بڑھے تو حنین کی گھاٹی میں دشمن کے تیروں کا شکار ہو گئے۔ اس نقشہ سے وادی حنین کے معرکے کی جغرافیائی صورت حال کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

آنے کی خبر ملی تو وہ استقبال کے لیے بستی سے باہر نکلے، ولید نے غلطی سے یہ جانا کہ وہ لڑنے کے لیے نکلے ہیں، کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں ولید اور بنو مصطلق کے درمیان چشمک رہتی تھی۔ ولید، رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور لڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد کو روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ اچھی طرح معلوم کر لیں کہ آیا وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں تب ان سے تعرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر انہوں نے نماز چھوڑ دی ہو تب جو مناسب سمجھیں کریں۔ جب سیدنا خالد اپنی جمعیت کے ساتھ بنو مصطلق کی بستی کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ آپ نے ان کا حال معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس روانہ کیے۔ انہوں نے واپس آ کر خبر کر دی کہ تمام قبیلہ اسلام پر قائم ہے، یہ لوگ اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ صبح کے وقت سیدنا خالد بستی میں پہنچے، لوگوں نے ان کی بڑی خاطر و مدارت کی اور تمام واقعہ جو ولید کے ساتھ پیش آیا تھا بتایا۔ سیدنا خالد نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے اطلاع دی جس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝﴾ [سورة الحجرات: ٤٩/٦]

''اے لوگو! جو ایمان لے آئے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے خبری میں نقصان پہنچا دو اور بعد میں اپنے کیے پر نادم ہو۔''

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ چھان بین کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔

اس واقعہ سے متعلق بعض امور کی وضاحت کر دینی ضروری ہے:

1- مؤرخین اور مفسرین میں آیت: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ﴾ کے شان نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب ولید بن عقبہ رسول اللہ

ﷺ کے پاس واپس آیا اور اس نے بتایا کہ بنو مصطلق مرتد ہو چکے ہیں اور لڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں میں یہ بات پھیل گئی کہ عنقریب بنو مصطلق سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جائے گا۔ ابھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا کہ بنو مصطلق کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ وہ بستی سے باہر ولید کا استقبال کرنے کے لیے نکلے تھے، نہ کہ لڑنے کے ارادے سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر یقین کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے برعکس بعض مؤرخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کے واپس آنے کے بعد سیدنا خالد کو بنو مصطلق سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ہمارے نزدیک دوسرا واقعہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ:

الف: مذکورہ آیت کریمہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ دوسرے واقعہ پر ہی منطبق ہوتی ہے جس میں سیدنا خالد کو بھیجنے اور انہیں تحقیق و تفتیش سے کام لے کر پھر کوئی کاروائی کرنے کا ذکر ہے۔ پہلے واقعہ کے متعلق جس میں رسول اللہ ﷺ کا بنو مصطلق سے جنگ کرنے کا ارادہ کرنے اور مسلمانوں میں اس غزوے کا چرچا ہونے کا ذکر ہے اس آیت میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ یہ امر یقینی ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے ابن برہان الدین لکھتے ہیں:

"ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آیت کریمہ: ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ﴾ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے متعلق اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے اسے بنو مصطلق کے پاس زکوۃ لینے کے لیے بھیجا اور اس نے واپس آ کر یہ اطلاع دی کہ وہ تو لڑائی کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔"

ب: اکثر قابل اعتماد مؤرخین اور رواۃ ادب مثلاً مؤلف کتاب الاغانی نے پہلے والے واقعہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا بلکہ صرف دوسرے واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں سیدنا خالد کو روانہ کرنے اور انہیں اچھی طرح تحقیق کر لینے کی ہدایت کا بیان ہے۔

ج: سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے پاس بھیجنا اور انہیں صبر و احتیاط سے کام

لینے کی تلقین کرنا حکمت سے خالی نہیں تھا صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی بغاوت کا حال سنکر ان کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجنا چاہتے تھے جو عقل مند، وسیع النظر اور معاملہ فہم ہو، جو اس قوم کے حالات اچھی طرح معلوم کر سکے اور ان خصوصیات کے علاوہ ماہر سپہ سالار بھی ہو۔ تاکہ وقت پڑنے پر وہ جنگ بھی کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کو صبر و احتیاط سے کام لینے اور تحقیق و تفتیش کرنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ سیدنا خالد کہیں جوش شجاعت میں تحمل سے کام لینا نہ بھول جائیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر ہو کہ جس طرح خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لے کر انہیں قتل کرا دیا تھا کہیں بنو مصطلق کے ساتھ بھی ویسا نہ کریں۔

دومۃ الجندل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب ۹ ھ میں رومیوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ رومیوں کے علاقے میں پہنچ کر ابھی آپ تبوک کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ حاکم دومۃ الجندل، اکیدر بن عبدالملک کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ دومۃ الجندل دمشق اور مدینہ کے درمیان جبل طے کے قریب ایک قلعہ تھا اور دمشق سے سات منزلوں کے فاصلے پر تھا۔ اکیدر عیسائی تھا اور قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اکیدر تمہیں گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب سیدنا خالدؓ قلعے کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ وہ دکھائی دینے لگا تو یوں ہوا کہ اکیدر کے قلعے کے دروازے پر ایک جنگلی گائے نے آ کر ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ اکیدر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا: ''کیا تم نے کبھی ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ کسی جنگلی گائے نے ہمارے محل پر آ کر یوں ٹکریں ماری ہوں۔'' اکیدر نے کہا: ''نہیں۔ لیکن میں اسے چھوڑتا کب ہوں۔'' چاندنی رات تھی۔ اکیدر اپنے بھائی حسان اور چند دیگر لوگوں کے ہمراہ گائے کا شکار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ یہ لوگ شکار کے شوق میں بے دھڑک جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر نمودار ہوا۔ لڑائی ہوئی اور حسان مارا گیا۔

اکیدر قیدی بنا لیا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔سیدنا خالدؓ نے اکیدر کی اس وعدے پر جان بخشی کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اطاعت قبول کرے گا اور جزیہ کے طور پر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے گا۔ اکیدر نے یہ شرائط قبول کر لیں۔سیدنا خالد نے مال غنیمت کو تقسیم کیا۔اکیدر اور اس کے بھائی مصاد (جو قلعہ میں موجود تھا) اور مذکورہ بالا چیزوں کو لے کر تبوک روانہ ہوئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک قیام پذیر تھے۔تبوک پہنچ کر سیدنا خالدؓ نے اکیدر کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔اکیدر نے آپ کی اطاعت قبول کی اور ہدیہ پیش کیا۔رسول اللہؐ نے اکیدر سے جزیہ قبول کر کے اس سے صلح کر کے اس کی اور اس کے بھائی کی جان بخشی کر دی۔ ساتھ ہی آپ نے اسے ایک تحریر بھی اپنی مہر لگا کر دی جس میں اسے امان دی گئی تھی اور صلح کی شرائط لکھی گئی تھیں۔

نجران

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کو ربیع الاول اور بعض روایتوں کے مطابق جمادی الثانی ۱۰ھ میں چار سو مسلمانوں کے ساتھ بنو الحارث بن کعب کے پاس نجران بھیجا۔ انہیں حکم دیا کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے سے پہلے انہیں تین بار دعوت اسلام دینا۔اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان میں رہ کر انہیں کتاب اللہ سنت نبوی اور احکام اسلام کی تعلیم دینا، ورنہ ان سے جنگ کرنا۔چنانچہ سیدنا خالد وہاں گئے اور دعوت اسلام دینے کے لیے اپنے لوگوں کو تمام قبیلے میں پھیلا دیا۔وہ جا بجا کہتے پھرتے تھے: ''اے لوگو! اسلام لے آؤ۔تم محفوظ رہو گے۔'' چنانچہ تمام قبیلہ اسلام لے آیا۔سیدنا خالدؓ رسول اللہؐ کی ہدایت کے مطابق انہیں دین کی تعلیم دینے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط کے ذریعے قبیلے کے قبول اسلام کی اطلاع دے دی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ بنو الحارث کا ایک وفد اپنے ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔چنانچہ خالد بن ولید ایک وفد اپنے ہمراہ لے کر مدینہ پہنچ گئے۔رسول اللہ ﷺ نے وفد سے دریافت فرمایا: ''جاہلیت میں جو شخص تم

سے لڑتا تھا وہ کبھی بھی فتح یاب نہ ہوتا تھا۔ فتح یاب تم ہی ہوتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وفد نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم اکٹھے ہو کر لڑتے تھے۔ ہم میں کبھی تفرقہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ دوسری بات ہم میں یہ تھی کہ ہم کبھی ظلم کی ابتداء نہیں کرتے تھے۔''

طبری کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد؄ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے یمن بھیجا۔ وہ وہاں چھ ماہ تک رہے لیکن کسی شخص نے بھی ان کی بات پر کان نہ دھرا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا۔ ان کے پہنچنے کی دیر تھی کہ لوگوں نے جوق در جوق اسلام لانا شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں یمن کے اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس روایت کے متعلق چند امور قابل غور ہیں:

① طبری نے اس واقعہ کا ذکر ۱۰ھ کے واقعات میں کیا ہے اور ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کا اہل یمن میں کوئی اثر نہ ہوا تو چھ ماہ بعد رمضان ۱۰ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ اس طرح سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی یمن کو روانگی ربیع الاول یا ربیع الثانی میں ماننی پڑے گی۔ لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ انہی دنوں سیدنا خالد کو بنو حارث کے پاس نجران بھیجا گیا تھا اور ان کی اس مہم کا ذکر تمام مؤرخین متفقہ طور پر کرتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ طبری نے دراصل نجران کی مہم کا ذکر کیا ہے، تب بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر ہے کیونکہ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ اہل نجران سیدنا خالد کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور ان کا ایک وفد آپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ سیدنا خالد کو نجران کے علاوہ یمن بھی بھیجا گیا تھا تب بھی اس روایت کی کمزوری میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ عقل یہ بات قبول کرنے سے قطعاً قاصر ہے کہ ایک شخص کو ایک ہی وقت میں دو جگہ بھیجا جائے، ایک جگہ کے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیں اور ان کا ایک وفد اسی کے ساتھ مدینہ آئے اور اسی وقت میں وہ شخص دوسری جگہ بھی موجود ہو اور چھ ماہ تک کوئی شخص اس کی باتوں پر کان نہ دھرے۔

② تاریخ کی کسی کتاب میں ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی۔ جس سے اس روایت کا صحیح

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خالد بن ولید کفار و منافقین پر اللہ کی سونتی ہوئی (برہنہ) شمشیر ہے''

خالد بن ولیدؓ کے اسلام لانے کے بعد عہد نبوی میں عظیم کارنامے

نمبر شمار	کارنامے	ہجری مہینہ	ہجری سال	عیسوی سال	ملحوظات
۱	خالدؓ کا اسلام لانا	صفر	۸	۶۲۹	
۲	غزوۂ موتہ میں کردار	جمادي الأولى	۸	۶۲۹	
۳	فتح مکہ کے معرکے میں	رمضان	۸	۶۲۹	فتح مکہ کے
۴	عزیٰ بت کو توڑا	رمضان	۸	۶۲۹	پانچ دن بعد
۵	بنی جذیمہ میں	شوال	۸	۶۲۹	
۶	یوم حنین میں یلغاریں	شوال	۸	۶۲۹	
۷	غزوۃ الطائف میں شمولیت	شوال	۸	۶۲۹	
۸	بنی المصطلق کے ساتھ	رجب	۹	۶۳۰	
۹	تبوک میں	رجب	۹	۶۳۰	
۱۰	''ود'' بت کو روڑا	رجب	۹	۶۳۰	غزوۂ تبوک کے
۱۱	دومۃ الجندل میں	رجب	۹	۶۳۰	شروع سال میں
۱۲	نجران میں یلغار	ربيع الآخر	۱۰	۶۳۱	
۱۳	یمن میں یلغار	رمضان	۱۰	۶۳۱	

نوٹ: ہم نے اس جدول (انڈکس) کے تیار کرنے میں تاریخ طبری کو ماٴخذ بنایا ہے۔

جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سنی تو اس وقت کو اسلام سے چھٹکارا پانے اور ان تکالیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے جو انہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیش آ رہی تھیں انہوں نے اپنے لیے نہایت موزوں خیال کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور بعض نے سرے سے اسلام کو چھوڑ کر اس امید میں جھوٹی نبوت کے دعویداروں کی پیروی اختیار کر لی کہ اسطرح وہ بھی قریش کے مقابلے میں اپنے نبی کو پیش کر سکیں گے۔ وہ خلافت کو بغاوت کی کھلی کھلی دھمکیاں دینے لگے اور خلیفہ کے احکام کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس طرح جزیرہ عرب میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ نفاق کا ستارہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ یہود و نصاریٰ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات اور کثرت اعداء کے باعث مسلمانوں کی حالت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو بے حد و کنار صحراء میں سرما کی سردرات کو بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ اس وقت ارتداد و الحاد کی کثرت، دین اللہ اور صراط مستقیم سے کھلے بندوں انحراف اور شدید ہیجان و اضطراب کی وجہ سے جزیرۂ عرب ایک آتش فشاں پہاڑ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس فتنے سے سوائے مکہ و مدینہ اور طائف کے باشندوں اور چند بدوی قبائل کے عرب کا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا۔ سارے کے سارے قبائل اس طوفان میں بہہ گئے تھے۔

اس نازک صورت حال پر قابو پانے کے لیے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہو گئی تھی، ایک پرعزم، نڈر اور کامل ایمان والے شخص کی ضرورت تھی جسے اللہ رب العالمین کی ذات پر پورا پورا بھروسہ ہوتا اور جو اپنے بے نظیر عزم و تدبر اور لاثانی ہمت و فراست کی بدولت مرتدین کا قلع قمع کر سکتا۔ یہ سب صفات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب صحابہ مارے غم کے دیوانے ہو چکے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص تلوار کھینچے یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص یہ کہے گا رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ ہی کی شخصیت تھی کہ جس نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا اور جب سارا عرب ارتداد کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا آپ نے مرتدین کے مقابلے میں جو مدبرانہ کاروائی کا فیصلہ فرمایا اور جس بے نظیر لیاقت کے

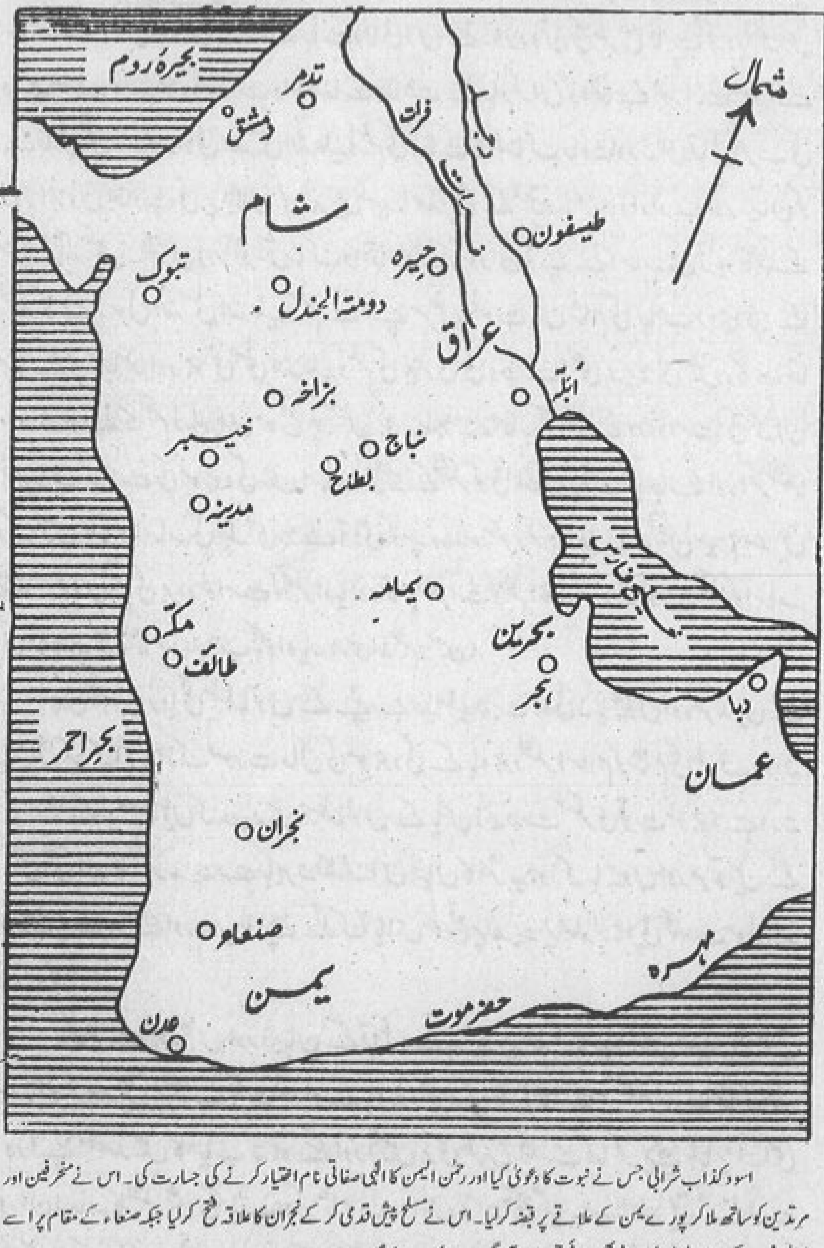

اسود کذاب شرابی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رحمٰن الیمن کا الٰہی صفاتی نام اختیار کرنے کی جسارت کی۔ اس نے منحرفین اور مرتدین کو ساتھ ملا کر پورے یمن کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس نے مسلح پیش قدمی کر کے نجران کا علاقہ فتح کرلیا جبکہ صنعاء کے مقام پر اسے مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی بھی ہوئی تو وہ اور آگے بڑھنے کا سوچنے لگا۔

⑦ سوید بن مقرن: انہیں یمن جا کر اہل تہامہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

⑧ علاء بن حضرمی: انہیں بحرین بھیجا گیا۔

⑨ طریفہ بن حاجز: انہیں بنو سلیم اور ان کے شریک حال ہوازن سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

⑩ عمرو بن العاص: انہیں قضاعہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔

⑪ خالدؓ بن سعید: انہیں ملک شام کی سرحد پر قبائل کو مطیع کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

سرداروں کی اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی کو بھی ایک سے زیادہ قبائل کی سرکوبی کا کام سپرد نہیں کیا۔ اس کے برعکس بعض قبائل کی طرف دو سردار بھیجے گئے۔ صرف سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں جنہیں دو قبائل کی سرکوبی کا حکم دیا گیا تھا۔ انہیں پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کا اور وہاں سے فراغت پانے کے بعد بطاح جا کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جب آپؓ دونوں قبائل کی مہم سے فارغ ہو چکے تو آپ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہما پر کتنا بھروسہ اور کتنا اعتماد تھا۔ مرتدین کے مقابلے میں خالدؓ نے جو کامیابیاں حاصل کیں، ان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آپ واقعی ''سیف اللہ'' کے خطاب کے مستحق تھے۔

ہم اس جگہ دوسرے سرداران عساکر کے کارنامے بیان نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمیں اس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے کارناموں سے متعلق کچھ کہنا ہے۔ سب سے پہلے ہم طلیحہ کے ساتھ جنگ کا حال بیان کرتے ہیں۔

طلیحہ الأسدی

اس کا نام طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ وہ بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا۔ حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی خبر سن کر اس نے آپ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ایسا کرنے سے اس کی غرض یہ تھی کہ اسے بھی وہ شان حاصل ہو سکے جو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی سرکوبی کے لیے بنو اسد کی جانب روانہ فرمایا۔ انہوں نے جا کر اس فتنے کا مقابلہ کیا اور اسے بہت حد تک دبا دیا۔ اسی دوران انہوں نے موقع پا کر طلیحہ پر تلوار کا وار کیا لیکن نشانے پر نہ لگا اور وہ بچ گیا۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ طلیحہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ اس خبر سے طلیحہ کا زور پھر بڑھنا شروع ہو گیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پہنچ گئی اور سیدنا ضرار مہم کو نا تمام چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔ ان کے واپس آنے کے بعد طلیحہ کا زور بہت بڑھ گیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور سجدہ نہ کریں۔ عربی عصبیت نے اس کے کاروبار کو زبردست ترقی دی اور اسد، غطفان، طئی، عبس، ذبیان کے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان قبائل میں سے بعض آپس میں حلیف تھے اور بعض کی ایک دوسرے سے رشتہ داریاں تھیں، اس لیے انہوں نے متفق ہو کر طلیحہ کی فرمانبرداری اختیار کر لی۔

سیدنا ابو بکر صدیق نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اکناف جا کر وہ قبیلہ بنو طئی کی سرکوبی کریں اسکے بعد بزاخہ جائیں اور وہاں سے بطاح۔ ایک جگہ سے فارغ ہو کر دوسری جگہ کا قصد کرنے سے پہلے انہیں تمام واقعات سے مطلع کر دیں۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی روانگی سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبیلہ طے کے ایک معزز شخص عدی بن حاتم کو جو بدستور اسلام پر قائم تھے، ان کے قبیلے میں بھیجا اور فرمایا کہ: ''اپنے قبیلے میں جا کر انہیں اسلام کی تلقین کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خالدؓ انہیں نیست و نابود کر دیں۔''

چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ تیزی سے قبیلہ طئی کی جانب روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے وہ اپنے خاندانِ غوث کے پاس پہنچے جو بنو طئی کی ایک شاخ تھا اور لوگوں کو پیش آمدہ خطرات سے خبردار کرنا شروع کیا۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انہوں نے عدی سے کہا کہ خالد کے یہاں پہنچنے پر تین دن کے لیے انہیں روک رکھیں، تاکہ ہم اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو بزاخہ میں طلیحہ کے لشکر میں شامل ہیں، اس کے لشکر سے علیحدہ کر لیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا اور ہم

کے لشکر میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے تو عیینہ، طلیحہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: ''آپ کے پاس جبریل کوئی وحی لائے؟'' طلیحہ نے کہا ''ابھی نہیں'' عیینہ یہ سن کر واپس چلا گیا اور لڑنا شروع کر دیا۔ جب لڑائی نے مزید شدت اختیار کی اور مسلمانوں کا دباؤ مرتدین پر برابر بڑھتا چلا گیا تو عیینہ بن حصن دوبارہ طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا ''اب بھی جبریل کوئی خبر لائے یا نہیں؟'' طلیحہ نے وہی جواب دیا۔ ''ابھی تک نہیں'' عیینہ پھر واپس جا کر لڑنے لگا۔ لیکن مسلمانوں کا زور اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مرتدین کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ عیینہ تیسری بار دوڑا دوڑا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا ''اب بھی کوئی وحی نازل ہوئی یا نہیں؟'' طلیحہ نے کہا ''ہاں، نازل ہوئی ہے'' عیینہ نے پوچھا: کیا؟'' طلیحہ نے جواب دیا: ''یہ وحی نازل ہوئی ہے'' ''ان لکَ رُحاً کرحاہ وحدیثاً لا نساہ'' ''تیرے پاس بھی ویسی ہی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا'' عیینہ کو یہ سن کر بڑا طیش آیا اور اس نے طلیحہ سے کہا: ''قد علم اللہ انہ سیکون حدیثا الاتنساہ '' بے شک اللہ کو معلوم تھا کہ عنقریب ایسے واقعات پیش آنے والے ہیں جنہیں تو کبھی فراموش نہیں کر سکے گا'' یہ کہہ کر وہ میدان جنگ میں آیا اور چلا کر کہا ''اے بنی فزارہ! اللہ ذوالجلال کی قسم! طلیحہ نبی نہیں بلکہ کذاب ہے۔ لڑائی بند کرو اور بھاگ چلو'' چنانچہ تمام بنو فرازہ یہ آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لشکر طلیحہ کے گرد جمع ہو گیا اور پوچھا ''اب ہم کیا کریں؟'' طلیحہ نے اپنے اور اپنی بیوی نوار کے لیے بھاگنے کا انتظام پہلے سے ہی کیا ہوا تھا۔ جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنی بیوی کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے یہ کہتا ہوا فرار ہو گیا کہ جو شخص میری طرح اہل وعیال کو لے کر فرار ہو سکے، وہ ہو جائے۔

طلیحہ وہاں سے بھاگ کر شام پہنچا اور وہاں جمعیت اکٹھی کرنے لگا۔ لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بالآخر وہ مسلمان ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران سے جنگوں کے دوران وہ بڑی بہادری سے لڑا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے لڑتا لڑتا مارا گیا۔ عیینہ کا تعاقب کیا گیا اور اسے اس کے تیس ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ بزاخہ میں سیدنا خالدؓ کو بنو اسد کا کوئی سراغ نہ مل سکا کیونکہ انہوں نے اپنے کنبوں اور خاندانوں کو پہلے ہی

سے محفوظ مقامات پر بھیج دیا تھا۔

بنو عامر بن صعصعہ بھی طلیحہ کے طرف داروں میں تھے اور بزاخہ سے کچھ ہی فاصلے پر آباد تھے۔ لیکن وہ طلیحہ کی طرف سے لڑنے کے لیے میدان جنگ میں نہ آئے بلکہ اپنی جگہ پر ہی اس انتظار میں رہے کہ کس فریق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے جب انہیں معلوم ہوا کہ طلیحہ کو شکست فاش ہوئی ہے تو انہوں نے باہم طے کیا کہ ابھی وقت ہے کہ ہم توبہ کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے:

''ہم یہ پختہ عہد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں گے، نماز برابر پڑھیں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے۔ انہی الفاظ کے ساتھ ہم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں۔''

بنو اسد، بنو غطفان اور ان کے حامی قبائل کی جان بخشی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر کی کہ وہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں جنہوں نے ارتداد کے دنوں میں ان مسلمانوں کو، جو ان کے چنگل میں پھنس گئے تھے، قتل کیا اور جلایا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے سامنے حاضر کیے گئے۔ آپ نے قرہ بن ھبیرہ کے سوا باقی تمام لوگوں کو، جن کے ہاتھوں سے یہ شدید مظالم وقوع پذیر ہوئے تھے قتل کر دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد عیینہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ کو بیڑیوں میں جکڑ کر خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

''بنی عامر ارتداد کے بعد اسلام لے آئے، لیکن میں نے ان کی جان بخشی اس وقت تک نہیں کی جب تک انہوں نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہیں کر دیا جنہوں نے غریب و بے کس مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے تھے۔ میں نے ایسے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس خط کے ہمراہ میں قرہ بن ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو روانہ کر رہا ہوں۔''

جب عیینہ بن حصن اور قرہ بن ہبیرہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ نے ان کی جان بخشی کر کے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے تمہیں بہرہ ور کرتا رہے، میری تمہیں یہ نصیحت ہے کہ تم اپنے معاملات میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ تقویٰ کی راہ پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور اس کے بندوں پر احسان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خوب بڑھ چڑھ کر کام کرتے رہو اور کبھی سستی نہ برتو۔ ہر اس شخص کو جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو۔ قابو پانے کے بعد قتل کر دو۔ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی اور سرکشی اختیار کر کے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی، اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان کا قتل کر دینا مناسب ہے تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے چشمہ بزاخہ پر ایک ماہ قیام فرمایا۔ یہ عرصہ آپ نے اس علاقے میں امن وامان قائم کرنے اور زکوٰۃ اکٹھی کرنے میں گزارا۔ اسی دوران آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ کے ہزیمت خوردہ لشکر کے کچھ لوگ قبیلہ بنوفزارہ میں جا کر ام زمل سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اور ام زمل اپنے گرد زبردست جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں کے مقابلے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ خبر سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بنوفزارہ کی جانب روانہ ہوئے۔ دونوں فوجیں میدان جنگ میں نکلیں اور مقابلہ شروع ہوا۔ ام زمل ایک اونٹ پر سوار تھی اور اپنے ساتھیوں کو لڑنے کے لیے جوش دلا رہی تھی۔ ام زمل نے اس بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا کہ اس کا نام ضرب المثل بن گیا۔ مسلمانوں نے سوچا کہ جب تک اس کے اونٹ کو نہ گرایا جائے گا جنگ کا زور کم نہ ہوگا۔ چنانچہ چند جانباز مسلمان ہمت کر کے اس اونٹ تک پہنچ گئے اور اس کی کونچیں کاٹ کر زمین پر گرا دیا۔ ام زمل کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے اردگرد کے سو دوسرے اونٹوں کو اسی طرح مار گرایا گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس کے اہم اسباب مندرجہ ذیل تھے:

① سیدنا خالدؓ اور ان کا لشکر ایک خاص عقیدے کی خاطر لڑتا تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید پر پورا بھروسہ تھا اور ان کی زبانیں ہر وقت اس آیت کی ورد کرتی رہتی تھیں:

﴿اِنْ تَنْصُرُ اللّٰهَ يَنْصُرُكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

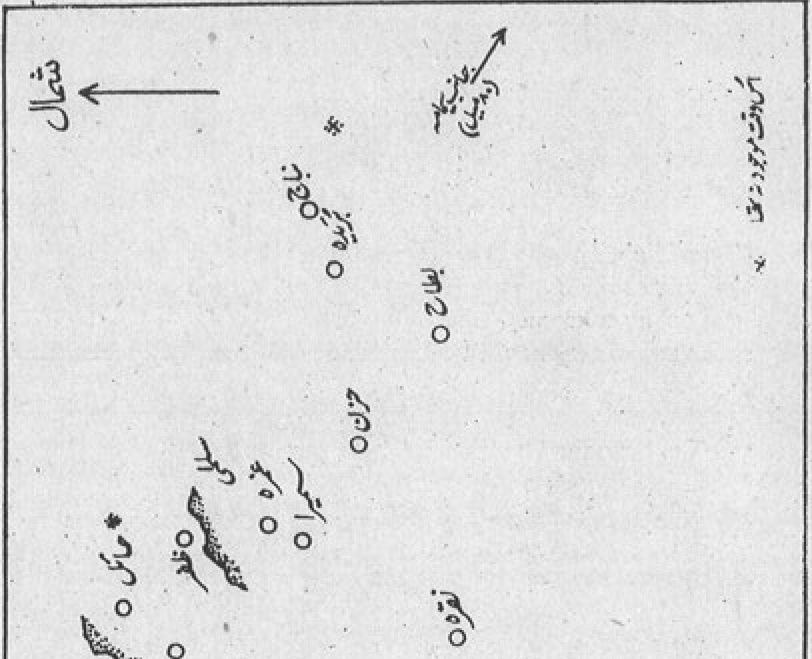

عرب میں ارتداد کی وبا اس قدر پھیلی کہ مکہ اور مدینے کے باشندوں اور طائف کے قبیلہ ثقیف کے سوا ہر قبیلہ عرب کو متاثر کیا۔ یہ تمام ماجرا دو جھوٹے نبیوں طلیحہ بن خویلد اور مسیلمہ بن حبیب اور ایک جھوٹی نبیہ سجاح بنت الحارث کی وجہ سے تھا۔ تمام مرتدین مدینے کے ... دو علاقوں میں جمع ہو گئے۔ ابرق جو مدینے کے شمال مشرق میں ۷۰ میل دور ہے اور ذوالقصہ جو مدینے سے مشرق میں ۲۴ میل دور ہے۔ ان مرتدین میں قبیلہ غطفان، ہوازن اور قبیلہ طی شامل تھے۔ ان کے مقابلے کے لئے سیدنا علی، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ نوساختہ افرادی قلیل فوج لے کر نکلے اور معرکہ آرا ہوئے۔

''اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔''

ان کو یہ کامل یقین تھا کہ جو شخص لڑائی میں مارا جائے گا اسے شہادت کا رتبہ ملے گا اور جو شخص دشمنوں سے محفوظ رہے گا اسے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔ انہیں موت کی کوئی پروا نہ تھی۔ اور وہ دل جمعی اور بے خوفی سے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ان کا دشمن محض قومی عصبیت کی خاطر لڑتا تھا۔ دشمن کے حلیف بھی اسے صرف عصبیت کی خاطر مدد دیتے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو موت کا خوف رہتا تھا اور اسی خوف کی وجہ سے وہ اطمینان سے جنگ نہ کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کامیابی اور کامرانی کے حق دار مسلمان ہی تھے، ان کے دشمن اور مخالف نہیں۔

② دوسرا سبب مسلمانوں کی کامیابی کا عکاشہ اور ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی جنہیں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت حالات کے لیے اپنے لشکر سے آگے آگے روانہ کیا تھا۔ جب مسلمانوں نے ان دونوں سرداروں کی لاشیں دیکھیں تو ان کے دلوں میں انتقام کے لیے زبردست جوش پیدا ہو گیا اور وہ بڑی بے جگری کے ساتھ دشمنوں سے لڑے۔

③ قبیلہ طے کے لوگوں کا سیدنا خالدؓ کے ساتھ مل جانا بھی مسلمانوں کے لیے بڑی تقویت کا باعث ہوا۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہوا بلکہ مرتدین کی جمعیت میں معتد بہ کمی ہو گئی کیونکہ ان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان سے کٹ کر مسلمانوں سے جا ملا تھا۔

④ عیینہ بن حصن کا عین اس وقت کہ جب لڑائی پورے زور شور سے جاری تھی، اپنے قبیلہ بنو فزارہ کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے بھاگ جانا بھی مسلمانوں کی فتح کا باعث بنا۔ اس کے بھاگ جانے سے باقی لشکر میں بھی بددلی پھیل گئی اور اسی بددلی کے باعث جلد ہی اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

⑤ خود طلیحہ اسدی، جو لشکر کا روح رواں تھا، اپنی فتح سے ناامید ہو گیا اور جس لشکر کا سردار ہی جنگ سے بھاگنے کی نیت رکھتا ہو اس کی شکست میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

مالک بن نویرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بنو تمیم کے ایک وفد نے آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ نبی ﷺ نے قبیلے کی مختلف شاخوں کے لیے مختلف عامل مقرر فرمائے۔ ان امراء میں زبرقان بن بدر، صفوان بن صفوان، قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ شامل تھے۔ جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنی تو ان میں بعض بدستور اسلام پر قائم رہے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوۃ بھیجتے رہے۔ بعض نے تردد کیا لیکن آخر کار دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے زکوۃ روک دی اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ مؤخر الذکر لوگوں میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔

جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ، طلیحہ کی سرکوبی سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے بطاح پہنچ کر مالک بن نویرہ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مالک بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ارادہ سے باخبر تھا۔ اسی لیے اس نے پہلے ہی سے اپنی قوم کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔

جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بطاح پہنچے تو قبیلے کا کوئی فرد وہاں موجود نہ تھا۔ آپ نے نواحی علاقوں میں فوجی دستے بھیجے، اور انہیں حکم دیا کہ وہ جس شخص سے بھی ملیں اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ دعوت قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیں۔ یہ حکم آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حکم تھا: ”جب تم کسی بستی کے قریب پہنچو تو اذان دو۔ اگر بستی والے بھی جواب میں اذان دینے لگیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو، اگر وہ اذان نہ دیں تو انہیں قتل کر دو اور ان کا مال و اسباب چھین لو۔ جو قبیلہ اسلام لے آئے اس سے زکوۃ طلب کرو۔ اگر دے دے تو ٹھیک ورنہ اسے بھی قتل کر ڈالو۔“

ان دستوں میں سے، جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے روانہ کیے تھے، ایک دستے کو مالک بن نویرہ اپنے چند ہم قبیلہ (بنو ثعلبہ بن یربوع) سمیت مل گیا۔ چنانچہ وہ اس کے ہمراہیوں سمیت اسے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے

والوں میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ گرفتاری سے قبل ان لوگوں نے اذانیں نہیں دی تھیں اور بعض لوگوں کا (جن میں پیش پیش رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی سیدنا ابوقتادہ تھے) یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے ان لوگوں کی بستی سے اذان کی آواز سنی ہے۔
جب دونوں گروہوں کے درمیان تصفیہ نہ ہوا تو سیدنا خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ رات بڑی سرد تھی۔ بعض روایات کے بموجب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ذریعے لشکر میں یہ منادی کرادی:
((دَافِئوا اسرَاکُمْ))''اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ۔'' کنانہ کی زبان میں ''مدافأة'' کا لفظ قتل کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے اس غلط فہمی میں اپنے قیدیوں کو، جن میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا، قتل کر دیا۔ جب سیدنا خالدؓ نے شوروغل سنا تو وہ اپنے خیمے سے باہر آئے، لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا:'' جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر ہی رہتا ہے''۔ جس شخص نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا وہ ضرار بن ازور تھے۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور وہ لشکر سے نکل کر سیدھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔ مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا سارا واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لشکر چھوڑ کر آنے کی وجہ سے ان پر بہت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ وہ فی الفور واپس جا کر اپنے مقرر کردہ امیر کے تحت کام کریں اور ان کے احکام کی پوری اطاعت کریں۔ چنانچہ ابوقتادہ واپس چلے گئے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ جب خالدؓ مدینہ تشریف لائے تو وہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

سیدنا عمر بن خطاب نے خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے بہت برا کام کیا ہے، آپ ان سے مالک کا قصاص لیجیے اور انہیں معزول کر دیجیے۔ پہلے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ چپ رہے لیکن جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اپنی بات پر اصرار شروع کیا تو آپ نے فرمایا:'' عمر! خالدؓ سے محض ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے اس لیے اب تم ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو۔'' اللہ کی تلوار کو جسے اس نے کافروں پر مسلط کیا

ہوا ہے، میں میان میں ڈالنے والا کون ہوتا ہوں؟'' آپؓ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کو بھی ایک خط لکھ کر مدینہ طلب فرمایا۔ چنانچہ سیدنا خالد تشریف لائے، جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو وہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں کافی سخت سست کہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس اندیشے کے تحت کچھ نہ بولے کہ شاید ابوبکر صدیقؓ کی رائے بھی ان کے متعلق وہی ہو جو سیدنا عمرؓ کی ہے۔ جب وہ سیدنا صدیقؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے تمام واقعہ عرض کیا اور مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے متعلق اپنا عذر پیش کیا، جسے خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ نے قبول فرمالیا اور بیت المال سے مالک کا خوں بہا ادا کر دیا۔ تاہم سیدنا صدیق اکبر نے سیدنا خالدؓ کی مالک کی بیوہ سے شادی کر لینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور انہیں اسے طلاق دے دینے کا حکم دیا۔

مالک بن نویرہ کے واقعہ قتل کے بیان کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا مالک سیدنا خالدؓ کی آمد کے وقت مسلمان ہو چکا تھا یا بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ اور اگر وہ اسلام قبول کر چکا تھا تو کیا سیدنا خالدؓ نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا یا اس کا قتل ان کی ایک اجتہادی غلطی تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ مالک کے قتل کے مقدمے کا صحیح فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں اس قدر التباسات، شبہات اور اختلافات آراء ہیں کہ صحیح فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ چنانچہ ابن اسلام بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے، مالک کے مسلمان ہونے کے معاملے میں بہت اشتباہ پایا جاتا ہے۔ بعض واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے اسلام سے سخت دشمنی تھی اور وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے تک ارتداد پر قائم تھا لیکن ان واقعات سے قطع نظر بعض دیگر واقعات پر غور کیا جائے تو انسان اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ شائد اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جہاں تک اسلام دشمنی والے واقعات کا تعلق ہے ان میں سے نہایت مشہور واقعہ یہ ہے کہ مالک نے رحرحان والے چشمے کے قریب زکوۃ کے اونٹوں پر اپنے چند ہمراہیوں کے

ساتھ حملہ کیا اور انہیں لوٹ لیا تھا۔ حملے کے وقت وہ پکار پکار کر اپنے ہمراہیوں سے کہہ رہا تھا کہ: ''یہ اونٹ تمہارا مال ہے، تم انہیں لوٹ لو، یہ پروا نہ کرو کہ کل کیا وقوع میں آئے گا۔'' (یعنی کل کیا ہوگا)

اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد دارمی نے مالک کو اس حرکت سے منع کیا اور کہا کہ تمہیں بالآخر اس لوٹ گھسوٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس لیے تم اس سے باز رہو۔ لیکن مالک نے اپنے قول کے مطابق مطلق پروانہ کی کہ کل کیا پیش آئے گا۔ اس موقع پر اس نے یہ اشعار کہے:

''اللہ نے مجھے رحمان کی زمین پر اپنی خاص نعمت سے نوازا۔ اس نعمت کو میں نے ننگی تلوار سے اکٹھا کیا اور ایسا کرنے میں نہ میرے ہاتھ کانپے اور نہ میرا دل دھڑکا۔ اے ابن عوذہ! تو بنو تمیم میں دیکھ لے، تمام قبیلے میں میرے اس کارنامے کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لیکن تو اور تیرا ساتھی، اقرع مجھے اس پر لعنت ملامت کرتے ہو۔''

ان واقعات کی روشنی میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک قطعاً اسلام نہیں لایا تھا۔ اس ضمن میں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اگر وہ اسلام لے آیا تھا تو جب اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر سنی تو آخر اس نے اپنی قوم کو منتشر ہونے کا حکم کیوں دیا اور کیوں سیدنا خالدؓ کے سامنے زکوٰۃ پیش نہ کی۔ حالانکہ بنو تمیم کے دوسرے سردار وکیع بن مالک وغیرہ ایسا کر چکے تھے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو قتل ہونے سے بچا لیتا۔

جس واقعے سے اس کے اسلام لانے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور چند اور مسلمانوں کی یہ شہادت ہے کہ انہوں نے گرفتاری سے قبل مالک بن نویرہ کے ساتھیوں کی جانب سے اذان کی آواز سنی تھی۔ سیدنا ابو قتادہ جیسے جلیل القدر صحابی کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ جب انہیں اپنی شہادت کے بجا ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ انہوں اس وجہ سے اپنے امیر کی مخالفت بھی گوارا کر لی اور عین دوران جہاد میں لشکر کو چھوڑ کر خلیفہ کے پاس شکایت کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہو گئے۔ پھر یہ امر بھی بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محض ایک ظنی

اور غیر یقینی امر کی تفتیش کے لیے سپہ سالار کو میدان جنگ سے طلب فرمایا۔ سیدنا عمر کا اصرار بھی تھا کہ خالدؓ سے قصاص لیا جائے اور انہیں سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا جائے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ انہیں مالک کے اسلام لانے کا یقین تھا۔ خلیفۃ الرسول کے بیت المال سے مالک کا خون بہا ادا کرنے اور قیدیوں کے چھوڑ دینے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک کو حالت اسلام میں قتل کیا گیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا اسے قتل کرنا اور اس کے دیگر ساتھیوں کو قید کر دینا جائز نہ تھا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیدنا صدیقؓ نے خالدؓ بن ولید کو اس خطرے کے پیش نظر طلب فرمایا ہو کہ کہیں فوج کے وہ لوگ جو سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہیں، خالدؓ کے خلاف ہو کر مرتدین سے لڑنا چھوڑ دیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب فوج میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی؛ سیدنا ابو قتادہ، خالد کی شکایت لے کر مدینہ گئے ہیں اور ان کی شکایت پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معزول کر دینے پر اصرار کیا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ خالد کو طلب فرما کر اس واقعے کی تحقیقات کی جائے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے خالدؓ کے عذرات سننے کے بعد ان سے باز پرس نہیں کی۔ اگر خالد غلطی پر ہوتے تو صدیق انہیں قرار واقعی سزا ضرور دیتے۔ خلیفۃ الرسول کی وفات کے بعد جب خلافت سیدنا عمرؓ کے ہاتھ آئی تو آپؓ نے بھی خالد کو مالک کے قصاص کے سلسلے میں کوئی سزا نہ دی، حالانکہ سیدنا عمر بن خطاب جیسے شخص کو، جسے حق کے معاملے میں کسی شخص کی بھی پروا نہ تھی، کوئی طاقت خالد کو سزا دینے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیدنا صدیق نے صرف مالک بن نویرہ کا خوں بہا ادا فرمایا تھا نہ کہ دیگر مقتولین کا، جو بلاشبہ سیدنا خالدؓ کے حکم پر قتل کیے گئے تھے۔ مالک کے ساتھ بنو بہان قبیلہ کے پینتالیس آدمی اور قتل کیے گئے تھے۔ اگر سیدنا صدیق اکبرؓ یہ سمجھتے کہ یہ لوگ حالت اسلام میں قتل کیے گئے ہیں تو خواہ آپ ان کے قاتلین سے قصاص نہ بھی لیتے کم از کم ان سب کا خوں بہا ضرور ادا فرماتے۔ اس واقعے سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا مالک کا خوں بہا ادا کرنا اور دیگر قیدیوں کو رہا کر دینا اس غرض سے تھا کہ مالک کے بھائی متمم بن نویرہ اور اس کی قوم کو ڈھارس دی جائے اور اپنے سردار کے

فرمایا ''میں تجھے قتل کر دوں گا'' مالک نے پھر کہا'' کیا تمہارے صاحب نے یہی حکم دیا ہے؟'' گفتگو کے اس انداز سے سیدنا خالدؓ نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ بدستور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکاری ہے۔ مستند کتب تاریخ میں مالک بن نویرہ کے قتل کی یہی آخری وجہ بیان ہوئی ہے۔ اور تمام مؤرخین اس گفتگو پر، جو اوپر ذکر ہوئی ہے، متفق ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ وجوہات شک وشبہ سے خالی نہیں اور شبے کی بنا پر شریعت اسلامی نے کسی شخص کا قتل روا نہیں رکھا۔ یہ وجوہات اگرچہ شک وشبہ سے خالی تو نہیں لیکن یہ شبہات معمولی نہیں، بلکہ اتنے قوی ہیں کہ سیدنا خالدؓ کے لیے مالک کے قتل کا پورا جواز پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک ضروری بات یہ تھی جو یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر ان وجوہات کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی ایک وجہ قتل کا جواز نہیں ٹھہرتی۔ لیکن جب ان تمام کو بیک وقت ملحوظ خاطر رکھا جائے تو سیدنا خالد کا فعل بالکل حق بجانب ٹھہرتا ہے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق نے خالد رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو فیصلہ دیا وہ بالکل درست تھا۔ جب سیدنا عمر نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہما سے باز پرس کرنے پر اصرار کیا تو سیدنا صدیق نے فرمایا ''عمر! خالدؓ سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ہے اس لیے تم ان کے متعلق کچھ نہ کہو'' خلیفۃ الرسول سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ آپ کسی کی رعایت کرتے ہوئے غلط فیصلہ صادر فرما دیتے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سیدنا صدیق، خالدؓ سے نہ صرف خوش رہے بلکہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی اہم مہم بھی انہی کے سپرد کر دی تو ہمارے لیے یہ باور کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ خالدؓ کے عذرات کو بارگاہ خلافت میں شرف قبولیت حاصل ہو گیا تھا۔ اور یہ کہ انہوں نے مالک کو صرف اس لیے قتل کیا کہ ان کے خیال میں وہ بدستور ارتداد پر قائم تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا خیال درحقیقت صحیح تھا یا غلط۔ اگر سیدنا صدیق کے نزدیک خالد کا عذر قابل قبول نہ ہوتا تو آپ خواہ ان سے قصاص نہ بھی لیتے کم از کم انہیں امارت سے ضرور معزول کر دیتے۔

ابھی ایک اور مسئلہ باقی رہتا ہے جس کا تعلق بھی مالک کے قتل سے ہے۔ اور وہ ہے

مالک کے قتل کے بعد سیدنا خالد کا اس کی بیوی سے شادی کر لینے کا واقعہ۔ سیدنا خالدؓ کے خلاف شور وشغب کی ایک بڑی وجہ یہ شادی بھی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اس واقعے کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ فعل سیدنا خالدؓ جیسے جلیل القدر انسان سے سرزد ہوا۔ اگر یہی فعل کسی چھوٹے اور غیر معروف انسان سے سرزد ہوتا تو اس کی پروا بھی نہ کی جاتی اور کسی کو اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوتا، لیکن چونکہ اس کا ارتکاب ایک بڑے انسان سے ہوا، اس لیے اسے اس طرح ظاہر کیا گیا گویا اُجلے اور سفید کپڑے پر ایک بدنما سیاہ داغ پڑ گیا ہو۔

یہ واقعہ شکوک وشبہات اور التباس سے خالی نہیں۔ تاریخ کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں خالدؓ نے مالک کی بیوی کو خریدا اور فوراً ہی اس سے شادی کر لی۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ شادی عدت کی میعاد گزرنے کے بعد ہوئی۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ مالک حالت کفر میں قتل کیا گیا اور اس کے قتل کے بعد خالدؓ نے اس کی بیوی کو، جسے لونڈی بنالیا گیا تھا۔ خرید کر اس سے شادی کر لی۔ تو اس سے بظاہر کوئی قابل اعتراض بات معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مالک حالت اسلام میں قتل کیا گیا تھا۔ تب بلاشبہ خالد کا یہ فعل قابل اعتراض ہے۔ تاہم لڑائی کے زمانے میں خالد کا اس سے شادی کرنا بہر حال نامناسب تھا، کیونکہ عرب اس چیز کو برا سمجھتے تھے۔ اس لیے سیدنا صدیق نے بھی خالد کو اس معاملے میں سرزنش کی اور انہیں اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔ ہمیں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے طلاق کب دی۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ آپ نے اسے طلاق جنگ یمامہ کے بعد دی کیونکہ اس جنگ میں مسیلمہ کے لشکر کے بعض لوگ خالدؓ کے خیمے میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اس وقت آپ کے خیمے میں ام تمیم (مالک کی بیوی) موجود تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس جنگ کے بعد طلاق دی گئی۔

بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک کی بیوی ہی مالک کے قتل کا سبب بنی کیوں کہ وہ بے حد خوبصورت تھی اور اس کی خوبصورتی نے خالدؓ کے دل کو موہ لیا تھا۔ یہ مؤرخین اپنے دعوے کا ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ قتل کے وقت مالک نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "مجھے اور کسی نے نہیں بلکہ تو نے قتل کیا ہے۔'' کوئی مسلمان بھی، جس کے دل میں اپنے اسلاف کی کچھ

بھی قدر و منزلت ہو، خالدؓ جیسے جلیل القدر صحابی یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ باور نہیں کر سکتا کہ انہوں نے شہوات نفسانیہ کی خاطر کسی شخص کو قتل کیا ہو۔ سیدنا خالدؓ نے بھی جب مالک کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا ''تجھے تیری بیوی نے نہیں بلکہ تیرے ارتداد کے سبب اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔''

شاید سیدنا خالد کا مالک کی بیوی سے شادی کرنے کا سبب یہ ہو کہ خالدؓ اس مصیبت اور تکلیف کا مداوا کرنا چاہتے ہوں جو مالک کی بیوی کو اپنے خاوند کے قتل سے پہنچی تھی اور اس کی ترکیب آپ کی سمجھ میں یہی آئی کہ آپ خود اس سے شادی کریں تاکہ اس کی خاطر خواہ دلدہی ہو سکے اور اسے بہادر اور شاعر مزاج خاوند کے بدلے ایک ایسا شوہر مل سکے جو بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال آپ ہو اور قیادت میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

مسیلمہ کذاب

دیگر قبائل کی طرح بنو حنیفہ کا بھی ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ مدینہ پہنچ کر باقی لوگ تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں چلے گئے لیکن مسیلمہ ان کے سامان کی رکھوالی کے لیے ڈیرے پر ہی ٹھہرا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وفد نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے انہیں کچھ مال مرحمت فرمایا۔ انہوں نے مسیلمہ کا بھی ذکر کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حصہ بھی اس کے ساتھیوں کو دیا اور فرمایا ''وہ ایسا شخص نہیں ہے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی کرنے کے لیے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔'' جب بنو حنیفہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور وفد سے کہا ''کیا تم لوگوں سے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہا تھا کہ وہ ایسا شخص نہیں ہے جو ساتھیوں کے سامان کی رکھوالی کرنے کے لیے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ وہ میرا مرتبہ پہچانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ میں ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔'' اس نے بعض مسجع مقفع عبارتیں بنا کر اپنے قبیلے کے سامنے بطور وحی پیش کیں اور شراب اور زنا وغیرہ مفاسد کو ان کے لیے حلال قرار دیا۔ بنو حنیفہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اسے ہر قسم کی

مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

((مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّي قَدْ أُشْرِكْتُ فِي الْاَمْرِ مَعَكَ وَاِنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ))

''یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے نبوت میں آپ کا شریک کیا گیا ہے۔ نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کی۔ لیکن قریش بہت زیادتی کرنے والی قوم ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

((مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ انجام انہی کا بہتر ہوگا جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کا فتنہ اور بھی زور پکڑ گیا۔ اس فتنے کو بھڑکانے میں زیادہ حصہ رحال بن عنفوہ کا تھا۔ یہ شخص ہجرت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر قرآن کریم اور دین کا علم حاصل کیا۔ جب اہل یمامہ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبیلہ مذکور کی تعلیم و تربیت اور دین سکھانے کے لیے ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر بجائے اس کے کہ وہ

اپنا مفوضہ کام سرانجام دیتا، اس نے مسیلمہ کی مدد کرنا شروع کر دی اور قبیلے کے سامنے اس بات کی گواہی دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ''مسیلمہ کو آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔'' اہل یمامہ کے لیے مسیلمہ کے حق میں اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ جوق در جوق مسیلمہ کی اطاعت قبول کرنے لگے اور اس طرح ایک زبردست فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف امراء کو مرتدین سے لڑنے کے لیے جھنڈے مرحمت فرمائے تو عکرمہ بن ابوجہل کو مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ عکرمہ کی مدد کے لیے آپ نے شرحبیل بن حسنہ کو کچھ فوج دے کر ان کے پیچھے پیچھے روانہ فرمایا۔ عکرمہ نے اس خیال سے کہ مسیلمہ کی سرکوبی کا فخر تنہا انہی کے حصہ میں آئے۔ شرحبیل کی آمد کا انتظار نہ کیا اور بنوحنیفہ پر دھاوا بول دیا۔ بنوحنیفہ بھی کچھ کم تیار نہ تھے۔ انہوں نے زبردست حملہ کر کے عکرمہ کی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عکرمہ کی ہزیمت کی خبر پہنچی تو آپ نے شرحبیل بن حسنہ کو لکھا کہ وہ اپنی پیش قدمی کو موقوف کر کے اس کمک کا انتظار کریں جو خالد کی سرکردگی میں بھیجی جا رہی ہے۔ شرحبیل کو چاہئے تھا کہ وہ عکرمہ کی شکست سے نصیحت حاصل کرتے۔ لیکن ان سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی جو عکرمہ سے ہوئی تھی، انہوں نے بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ کی فتح یاب فوج کے مقابلے میں شرحبیل کی فوج بھی نہ ٹھہر سکی اور اسے بھی شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔

خالد کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے مالک بن نویرہ کے قتل کی جواب دہی کے لیے مدینہ طلب فرمایا تھا۔ سیدنا خالد کے عذرات کو قبول کرنے کے بعد آپ نے انہیں مسیلمہ سے لڑنے کے لیے یمامہ جانے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت آپ کے ساتھ روانہ کر دی۔ انصار پر ثابت بن قیس بن شماس امیر تھے اور مہاجرین پر ابو حذیفہ اور زید بن خطاب۔ مہاجرین اور انصار کے علاوہ جو دوسرے قبائل اس گروہ میں شامل تھے ان میں سے ہر ایک پر ایک امیر مقرر تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مدینہ سے کوچ کر کے بطاح پہنچے اور وہاں لشکر کی تنظیم نو کی۔ اس کے بعد آگے بڑھے اور مسیلمہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ابوبکر صدیق نے خالد کے

روانہ ہونے کے بعد سلیط کو مسلمانوں کی ایک جمیعت کے ساتھ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ عقب میں رہ کر اس کی حفاظت کریں تاکہ دشمن مسلمانوں کی فوج پر بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

جب خالدؓ، شرحبیل کے پاس پہنچے اور انہیں ان کی شکست کا حال معلوم ہوا تو وہ شرحبیل پر بہت ناراض ہوئے کہ انہوں نے خلیفہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسیلمہ کی فوج پر تنہا حملہ کیوں کر دیا اور ان کے آنے کا انتظار کیوں نہیں کیا۔؟

جب مسیلمہ کو سیدنا خالد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ چالیس ہزار کی ایک عظیم جمیعت لے کر نکلا اور ''عقرباء'' میں پڑاؤ ڈال دیا۔ عقرباء یمامہ کی ایک بستی ہے جو نباج کے راستے میں پڑتی ہے۔ ''العرض'' کے ضلع میں ''قرقری'' کے قریب واقع ہے۔ یہ جگہ یمامہ کی سرحد پر ہے اور یمامہ کا زرخیز علاقہ اس کے ورے ہے۔ مسیلمہ نے یہاں اس لیے پڑاؤ ڈالا تھا کہ مسلمان یمامہ کی سرزمین کو روند نہ سکیں اور وہ تاخت و تاراج ہونے سے بچ سکے۔ سیدنا خالدؓ بھی اپنی فوج کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے۔ دونوں فوجیں میدان میں نکلیں۔ سیدنا خالدؓ نے میمنہ اور میسرہ پر زید بن خطاب اور ابو حذیفہ کو مقرر کیا۔ خود مقدمہ پر تھے۔ شرحبیل بھی مقدمہ میں تھے۔ ادھر مسیلمہ کے میمنہ اور میسرہ پر محکم الیمامہ اور رحال بن عنفوہ مقرر تھے۔ رحال بن عنفوہ ہی سب سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا۔ اسے عبدالرحمٰن بن ابو بکر نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

جنگ شروع ہوئی، رفتہ رفتہ لڑائی میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی فریق بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا۔ دونوں طرف سے سر دھڑ کی بازی لگی ہوئی تھی۔

سیدنا خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) تمام صورت حال پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اگر لڑائی اسی شدت سے جاری رہی اور بنو حنیفہ اسی طرح بے جگری سے مقابلہ کرتے رہے تو مہاجرین اور انصار کو چھوڑ کر دیگر قبائل عرب جو فوج میں شامل ہیں ہمت ہار بیٹھیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مہاجرین اور انصار کی طاقت کو بھی کم کر دیں گے۔

اس طرح لشکر کے نظم وضبط میں سخت خلل واقع ہو جائے گا اور شکست یقینی ہو جائے گی۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی جنگی تدابیر سے کام لیا۔ لشکر کو یہ حکم دیا کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو جائے اور علیحدہ علیحدہ ہو کر ہی دشمن کا مقابلہ کرے تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ اس نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس نے اس موقع پر بزدلی دکھائی اور فرار اختیار کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی عزت جاتی رہے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے دگنی بہادری سے لڑنا شروع کر دیا۔

مسلمان بڑی بہادری سے جنگ کر رہے تھے مگر بنو حنیفہ کی جانب سے پیچھے ہٹنے کے آثار مطلق دکھائی نہ دیتے تھے اور بدستور میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے مسلمانوں پر زوردار حملے کر رہے تھے۔ سیدنا خالدؓ نے سوچا کہ جب تک مسیلمہ قتل نہ ہوگا بنو حنیفہ کا زور کم نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اسے دعوت مبارزت دی جو اس نے قبول کر لی۔ آپ آگے بڑھے اور اس کے سامنے بعض ایسی شرائط صلح پیش کرنی شروع کیں جو سراسر اس کے حق میں جاتی تھیں۔ ہر شرط پر مسیلمہ اپنا منہ اس طرح پھیر لیتا تھا گویا وہ اللہ سے مشورہ کر رہا ہے۔ ایک دفعہ جیسے ہی مسیلمہ نے منہ موڑا سیدنا خالدؓ اس پر جھپٹ پڑے مسیلمہ کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر بھاگا اور قریب ہی ایک باغ میں گھس گیا۔ اپنے سردار کو بھاگتے دیکھ کر بنو حنیفہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھ کر محکم الیمامہ نے پکارنا شروع کیا: ''اے لوگو: باغ میں داخل ہو جاؤ۔ اے لوگو: باغ میں داخل ہو جاؤ۔'' چنانچہ بنو حنیفہ اسی باغ میں داخل ہونے لگے۔ اور جب داخل ہو گئے تو اندر سے دروازہ بند کر لیا گیا۔

لڑائی کا یہ انجام مسلمانوں کو پسند نہیں تھا۔ ابھی بنو حنیفہ میں لڑنے کی طاقت باقی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ فتنے کا بانی مبانی، مسیلمہ ابھی زندہ موجود تھا۔ سیدنا براء بن مالک نے مسلمانوں سے کہا کہ تم مجھے اٹھا کر باغ کی دیوار کے اندر پھینک دو، میں جا کر دروازہ کھول دوں گا۔ مسلمان یہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے ایک بزرگ صحابی کو خود اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈال دیں۔ سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھے نہیں پھینکتے تو میں خود جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک جست لگائی اور دیوار پر پہنچ گئے۔ وہاں سے باغ کے اندر کودے اور لڑتے

بھڑ تے دروازے تک پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ مسلمانوں کی فوج تو منتظر کھڑی تھی ،فوراً باغ میں داخل ہوگئی۔ باغ کے اندر شدید جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ مارا گیا۔ مسیلمہ کو وحشی (جبیر بن مطعم کا غلام اور سیدنا حمزہ کا قاتل)اور ایک انصاری نے مل کر قتل کر دیا۔ اس کے مارے جانے سے بنوحنیفہ کی ہمت پست ہوگئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر گھیر کر قتل کرنا شروع کیا۔ ان کی لاشوں سے سارا باغ پٹ گیا۔ اس دن لڑائی میں بنوحنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ سات ہزار عقرباء کے میدان جنگ میں قتل ہوئے ،سات ہزار باغ میں مارے گئے اور سات ہزار بھاگنے کی کوشش میں کھیت رہے۔ مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کلام اللہ کے حافظ کثرت سے تھے۔ شہداء میں تین سو ساٹھ مہاجرین اور انصار بھی تھے۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ نے قبیلے کے ایک سردار مجاعہ بن مرارہ کو ساٹھ آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنو عامر پر شبخون مارنے کے لیے بھیجا تھا۔ مجاعہ کا مقابلہ اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش سے ہوگیا جس میں اس کے تمام ساتھی قتل ہو گئے۔ مجاعہ گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے خیال سے اسے امان دے دی گئی تھی کہ ممکن ہے آگے چل کر اس کے ذریعے کوئی کام نکل سکے۔ اسے لشکر کے ساتھ بطور یرغمال رکھا گیا تھا۔ جب بنوحنیفہ کا استیصال ہوگیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو مجاعہ نے موقع پا کر سیدنا خالدؓ سے کہا: ’’آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے بنوحنیفہ پر فتح حاصل کر لی ہے۔ یمامہ کے شہر میں ہمارے جنگجوؤں کی ایک بھاری تعداد اسلحہ سے لیس ابھی تک موجود ہے۔ وہ لوگ ہر قیمت پر آپ کا مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو مجھے کچھ دیر کے لیے شہر میں جانے کی اجازت دے دیجیے تاکہ میں انہیں صلح کے لیے ہموار کر سکوں۔ سیدنا خالدؓ نے اسے جانے کی اجازت تو مرحمت فرما دی لیکن یہ کہہ دیا کہ صلح میں تمہارے آدمیوں کی جان بخشی کی شرط شامل نہیں ہوگی۔ ان کے متعلق جو فیصلہ ہم مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ جب مجاعہ شہر میں گیا تو اس نے وہاں سوائے عورتوں ،بچوں اور بوڑھوں کے کسی کو نہ پایا۔ اس نے انہیں زرہ بکتر پہنائے اور سکھا دیا کہ وہ قلعے کی فصیل پر جمع ہو جائیں تاکہ مسلمان انہیں دیکھ کر دھوکا کھا جائیں اور ہماری طرف سے پیش کردہ شرائط پر صلح کر لیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا۔ ہتھیار لے کر زرہ بکتر پہن کر فصیل پر پہنچ گئے۔ ادھر مجاعہ سیدنا خالد کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ’’میری قوم آپ کی شرائط پر صلح کرنا نہیں

چاہتی، میں نے آپ سے جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا وہ اسے قبول کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔" سیدنا خالدؓ نے جب فصیل کی طرف نظر دوڑائی تو انہوں نے دیکھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فصیل پر سپاہی ہی سپاہی نظر آتے ہیں جو سرتاپا لوہے میں غرق ہیں اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے چمک رہے ہیں۔ مسلمان جنگ سے اکتا چکے تھے اور ان کی عین خواہش تھی کہ جو فتح انہوں نے بنو حنیفہ پر حاصل کی تھی اسی پر اکتفا کریں اور مزید جنگ و جدل سے پرہیز کریں۔ سیدنا خالدؓ نے سوچا کہ اگر دوبارہ جنگ چھڑ گئی تو نہ معلوم کیا انجام ہو اس لیے آپ نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ نصف مال و اسباب، نصف مزروعہ باغات اور نصف قیدیوں کو بنو حنیفہ کے لیے چھوڑ دیں گے۔ مجاعہ پھر شہر میں گیا اور واپس آ کر سیدنا خالدؓ سے کہا کہ وہ لوگ ان شرائط پر بھی صلح کرنے کو رضامند نہیں ہیں، آپ چوتھائی مال و اسباب لینے پر راضی ہو جائیں۔ سیدنا خالدؓ نے یہی منظور کر لیا اور صلح نامہ لکھا گیا۔ صلح کے بعد جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں عورتیں، بچے اور بوڑھے تو ہیں لیکن کسی جوان مرد کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ آپ نے مجاعہ سے اس فریب دہی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "میری قوم تباہ ہو جاتی، میرا فرض تھا کہ ان کی جان بچاؤں۔" سیدنا خالدؓ نے یہ عذر قبول کر لیا اور صلح نامے کو برقرار رکھا۔

کچھ عرصے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط خالدؓ کے پاس پہنچا جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اس قبیلے کے ہر بالغ شخص کو قتل کر دیں لیکن خالد صلح کر چکے تھے اور صلح نامے پر ان کے دستخط ثبت ہو چکے تھے۔ اب آپ اسے کس طرح توڑ سکتے تھے؟ چنانچہ آپ نے خلیفۃ الرسول کو اپنی معذوری سے مطلع کر دیا جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

صلح کے بعد بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔ خالدؓ نے ان کا ایک وفد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ان لوگوں سے پوچھا: "آخر کس بات پر تم مسیلمہ کذاب کے فریب میں آ گئے۔" انہوں نے عرض کیا: "اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کو ہمارا سب حال معلوم ہے۔ مسیلمہ نے جو پاکھنڈ پھیلایا تھا اس سے نہ ہی اسے کوئی فائدہ پہنچا اور نہ اس کے خاندان اور قبیلے کو۔" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض آیات جو مسیلمہ کے بیان کے مطابق اس پر نازل ہوئی تھیں، سننے کی خواہش کی۔ چنانچہ وفد نے چند

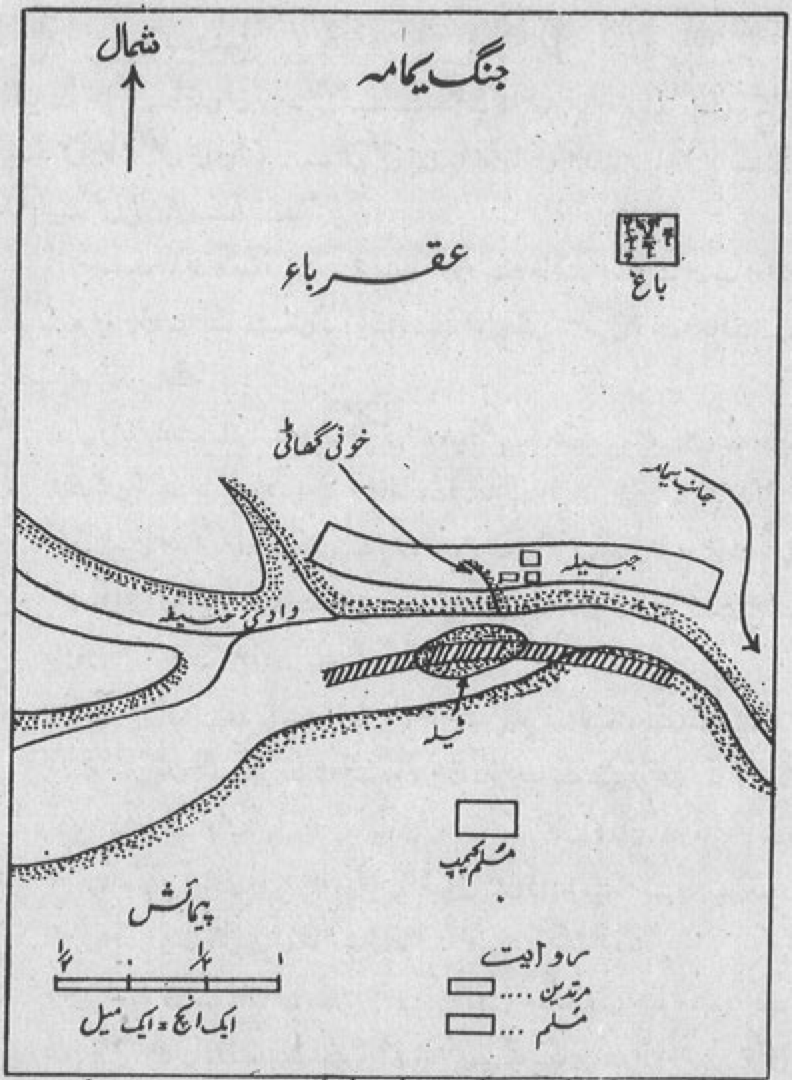

اس نقشہ میں جنگ یمامہ میں مسلمانوں اور مرتدوں کی پوزیشنیں واضح کی گئی ہیں۔ سیدنا خالد ابھی مقام یمامہ سے کچھ دور ہی تھے کہ جب سیدنا خالدؓ کو ان کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مسیلمہ عقربا کے میدان میں وادی حنیفہ کے اس پار شمالی کنارے پر خیمہ زن ہے۔ جہاں سے یمامہ جانے والی سڑک گزرتی تھی۔ خالد اپنے دشمن کی طرف اس وادی میں سے گزر کر نہیں آنا چاہتے تھے چنانچہ وہ سڑک کو عقربا سے مغرب میں چند میل دور چھوڑ کر جنوب سے ایسے بڑھے کہ وہ اس اونچی زمین پر آگئے جو قصبہ جبیلہ کے بالمقابل وادی حنیفہ سے جنوب میں ایک میل دور واقع تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے بنو حنیفہ کے مرتدین کا پڑاؤ پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا مقابلہ کے لئے انہوں نے اونچی زمین پر اپنا پڑاؤ جمالیا۔

اس جنگ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے جب مسیلمہ کذاب کو دعوت مبارزت دی تو وہ ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا نقشہ میں واقع باغ میں داخل ہو گیا۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے پیروکار بھی سرپٹ دوڑے اور باغ میں داخل ہو کر اندر سے اس کا دروازہ بند کر لیا۔ سیدنا براء بن مالک نے فدائی کاروائی کرتے ہوئے جست لگائی اور باغ میں داخل ہو کر ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے باغ کا دروازہ کھول دیا سیدنا خالد اور آپ کے لشکروں نے نبوت کے دعوے دار اور اس کے ماننے والوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

''آیات'' سنائیں۔انہیں سن کر صدیق ؓ نے بے حد تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا: ''ایسی باتیں تو ایک فاسق و فاجر شخص ہی کی زبان سے نکل سکتی ہیں۔آخر تمہاری عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ تم ایسے شخص پر ایمان لے آئے۔''

بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ و پیکار کے بیان کو وہ قوت و طاقت اور ثبات نصیب ہوا جو دوسرے مدعیان نبوت کے حصے میں نہ آیا۔ہمارے خیال میں مسیلمہ کی قوت و طاقت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:

① رحال کی یہ شہادت کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسیلمہ کو ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔جب بنو یمامہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا معلم بھی مسیلمہ کی تصدیق کر رہا ہے تو ان کے پاس شک کرنے کی گنجائش نہ رہی اور وہ کثرت سے مسیلمہ کی پیروی اختیار کرنے لگے۔بنو حنیفہ کے کئی لوگوں نے صدق دل سے مسیلمہ کی نبوت پر ایمان لاتے ہوئے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔

② بنو حنیفہ اپنے شہروں اور عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر جنگ کرتے تھے۔چنانچہ جب فریقین میں جنگ چھڑنے کا وقت آیا تو مسیلمہ کذاب کے بیٹے شرحبیل نے بنو حنیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''آج تمہاری غیرت کے امتحان کا دن ہے۔اگر تم نے شکست کھائی تو تمہاری بیویاں اور بیٹیاں لونڈیاں بنیں گی۔اپنے حسب و نسب ننگ و ناموس اور بیویوں، بیٹیوں کی حفاظت کی خاطر دشمنوں سے جنگ کرو۔''

③ بنو حنیفہ اپنے علاقے اور اس کے راستوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں سے خوب واقف تھے۔لیکن مسلمان اس علاقے سے بالکل ناواقف تھے۔ظاہر ہے کہ وہ فریق جو کسی علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو، ناواقف فریق کے مقابلے میں دل جمعی کے ساتھ لڑ سکے گا۔

④ عکرمہ کو شکست دینے کے بعد بنو حنیفہ کی ہمتیں بڑھ گئیں تھیں۔اس کے بعد جب انہوں نے شرحبیل کے لشکر کو بھی شکست دے دی تو ان کی قوت، جرأت اور ہمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور ان میں وہ روح سرایت کر گئی جس کا دوسرے مدعیان نبوت کے پیرو

کاروں میں نام ونشان تک نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا خالدؓ نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ان کا اس دلیری اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمانوں کی شکست میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی۔

ان امور کی موجودگی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیلمہ کی فتح اور کامرانی کے اس قدر اسباب مجتمع ہو گئے تھے، مزید برآں اس کا لشکر بھی مسلمانوں سے کئی گنا بڑا تھا تو اس کی شکست کی وجوہات کیا تھیں اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو کامیاب و کامران ہونے میں مدد دی؟ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے وہ عوامل مندرجہ ذیل تھے:۔

① سیدنا خالد کا یہ حکم کہ ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ہو کر جنگ کرے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کس قبیلے نے زیادہ جواں مردی اور شجاعت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور کس نے بزدلی دکھائی۔ اس کاروائی کا فوج کے دل پر بڑا اچھا اثر ہوا اور اہل عرب جنہیں اپنی بزرگی اور شرافت، بہادری اور شجاعت پر ناز تھا میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ کر سکے۔

② لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر سیدنا خالد کا دعوت مبارزت دینا، آپ ایک شیر کی مانند میدان جنگ میں کھڑے تھے جو شخص بھی آپ کے سامنے مقابلے کے لیے نکلتا تھا زندہ واپس نہ جا سکتا تھا۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا تو ان کی ہمتیں بلند ہو گئیں اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا۔

③ جب مسیلمہ کذاب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور آپؓ نے بعض شرائط اس کے سامنے رکھیں تو اس نے اس طرح منہ پھیرا جیسے وہ اللہ سے مشورہ کر رہا ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا، آپ کو پتہ تھا کہ مسیلمہ ہی لشکر کی جان ہے اگر یہ مارا گیا تو لشکر کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اس لیے آپ نے فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر اس کے سپاہیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگنے لگے۔

مسیلمہ پر بے خبری میں حملہ کرنے سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان دونوں میں اس وقت تک ایک بھی شرط طے نہیں ہوئی تھی اور کسی نے بھی دوسرے کو امان اور جان بخشی کا یقین نہیں دلایا تھا۔

④ سیدنا خالدؓ کے ساتھ مخلصین کی ایک بھاری تعداد تھی جنھوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کی اطاعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی نظروں میں موت ایک نہایت حقیر شے تھے۔ وہ نہ صرف خود اللہ کی راہ میں جانیں دینے کے لیے بے تاب تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس چیز کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ حذیفہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

((يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِالْفِعَالِ))

”اے قرآن والو! قرآن کو اپنے کارناموں کے ذریعے زینت دو۔“

زید بن خطاب کہہ رہے تھے:

((غُضُّوا أَبْصَارَكُمْ، عَضُّوا عَلَى أَضْرَاسِكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ! وَاضْرِبُوا عَدُوَّكُمْ وَامْضُوا قُدُمًا))

”اے لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو اور پیش قدمی کرتے ہوئے دشمنوں کا کام تمام کر دو۔“

ان لوگوں کی بدولت ہی جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

⑤ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلیط کو کچھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے عقب کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ مسیلمہ کے لشکر سے جنگ کرنے کے دوران میں مسلمانوں کو یہ اطمینان تھا کہ ان کی پشت بالکل محفوظ ہے اور پیچھے سے دشمن ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح ان کی تمام تر توجہ سامنے کی طرف مبذول رہی۔

⑥ بعض لوگوں نے مسیلمہ کی مدد صرف قومی عصبیت کی وجہ سے کی تھی۔ حالانکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ مسیلمہ اپنے دعوئ نبوت میں سراسر جھوٹا ہے۔ کم از کم انھیں اس بارے میں شک ضرور تھا۔ ان کو متزلزل کرنے، ان کے دلوں میں ہیجان برپا کرنے اور ان کے عزائم میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے یہ شک کافی تھا۔

ان اسباب کے باعث سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے کامیابی اور کامرانی کی راہ صاف ہو گئی اور مسلمانوں کے قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود مسیلمہ کے عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل کر لی اور مسیلمہ کے فتنے کو نابود کر دیا۔

بنو حنیفہ سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا خالدؓ بن ولید، یمامہ کی ایک وادی میں، جسے الوبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مقیم ہو گئے۔ یہیں پر آپ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراق جانے اور فارس کو فتح کرنے کا حکم ملا۔

عراق میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات

جنگ أبلہ

۱۱ھ میں جزیرہ عرب میں حالات سکون پر آگئے اور مرتدین کا فتنہ فرو ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنی توجہ عراق کی جانب مبذول کی۔ رومی اور ایرانی سلطنتیں رسول اللہ ﷺ کے وقت سے ہی اسلامی حکومت کو مٹا دینے کی فکر میں تھیں۔ کیونکہ دنیا میں پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب میں ایک طاقت ور اور متحدہ طاقت نشو نما پا رہی تھی اور یہ امران دونوں ہمسایہ سلطنتوں کے لیے سخت تشویش کا باعث تھا۔ اب تک ایرانی اور رومی سلطنتوں کا عرب پر بے حد اثر اور نفوذ تھا اور عرب کی سرحدوں پر بھی جو ایران اور روم سے ملتی تھیں۔ ان سلطنتوں کی باجگوار اور مطیع کچھ ریاستیں قائم تھیں۔ عربوں میں اسلام کے ظہور کے بعد جو تبدیلی رونما ہو چکی تھی اور جس جوش، ولولے سے وہ نئے عزائم لے کر اٹھے تھے، یہ دونوں سلطنتیں اسے اپنے لیے موت کے پیغام سے کم نہ سمجھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب ملک عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو ان سلطنتوں نے اس موقع کو اپنے لیے بے حد غنیمت جانا۔ چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ایرانیوں اور رومیوں کے عزائم سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے ان گیارہ لشکروں کی روانگی سے پہلے، جن کا ذکر ابتداء میں آچکا ہے، ایک بہادر، تجربہ کار اور ماہر شخص مثنیٰ بن حارثہ کو عراق کی جانب روانہ فرمایا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ عراق پہنچ جائیں لیکن شامی فوجوں سے لڑائی مول نہ لیں۔ بلکہ چھاپے مار کر عراقی رئیسوں کو ڈراتے رہیں تاکہ انکی فوجوں کو عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

جب ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا تو سیدنا مثنیٰ بن حارثہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کی مدد کے لیے کچھ فوج روانہ کی جائے۔ سواد عراق کو فتح کرنے اور شاہان کسریٰ کی سلطنت کو ختم کرنے والے عظیم کام کے لیے ابو بکر صدیق کی نظر انتخاب سیدنا خالدؓ بن ولید پر پڑی۔ اس

زمانے میں سیدنا خالدؓ بنو حنیفہ سے فارغ ہو کر وادی الوبر میں مقیم تھے اور دربار خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے۔ ۲۵ محرم ۱۱ھ کو دربار خلافت سے انہیں حکم پہنچا کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر زیریں عراق پہنچیں اور ابلہ کی سرحد سے یلغار شروع کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم نجد اور یمامہ کی شورشیں فرو کرنے کے بعد نجد میں ہی مقیم تھے۔ حکم ملا کہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ شمالی جانب سے بالائی عراق پر حملہ آور ہوں اور اپنی کاروائی مصیخ سے شروع کریں۔ سیدنا خالدؓ بن ولید اور عیاض بن غنم دونوں کو یہ حکم بھی تھا کہ وہ صرف ان مسلمانوں کو ساتھ لیں جنہوں نے ارتداد میں حصہ نہیں لیا۔ کسی مرتد کو فوج میں شامل نہ کیا جائے۔ نیز کسی شخص پر جہاد کے سلسلے میں جبر نہ کیا جائے جو لوگ خوشی سے ان کے ہمراہ عراق جانے پر آمادہ ہوں صرف انہی کو فوج میں شامل کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سارے لوگوں نے جو سیدنا خالدؓ اور عیاض بن غنم کی فوجوں میں شامل تھے پیچھے رہنے کو ترجیح دی۔ مجبوراً ان دونوں کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ چنانچہ آپ نے عبد غوث حمیری کو عیاض بن غنم کی امداد کے لیے اور قعقاع بن عمرو کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق سے عرض کیا: آپ ایسے سرداروں کی امداد کے لیے جن کے لشکروں کا ساتھ دینا اکثر آدمیوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، محض ایک ایک آدمی روانہ کر رہے ہیں؟ سیدنا ابوبکر صدیق نے فرمایا: ''جس لشکر میں ان جیسے اشخاص شامل ہوں وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عراق روانہ ہونے سے پہلے اتمام حجت کے لیے ابلہ کی سرحد کے حاکم ہرمز کو ایک تہدیدی خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا:

((أَمَّا بَعْدُ :فَاسْلِمْ تَسْلَمَ أَوْ اعْتَقِدْ لِنَفْسِكَ وَقَوْمِكَ الذِّمَّةَ وَأَقِرَّ بِالْجِزْيَةِ وَإِلَّا تَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَكَ فَقَدْ جِئْتُكَ بِقَوْمٍ يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ الْحَيَاةَ))

''ہرمز کو واضح ہو کہ اگر آپ لوگ سلامتی چاہتے ہیں تو اسلام لے آئیں۔ اگر اسلام نہیں لا سکتے تو اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر رہنے اور جزیہ دینے کا اقرار کریں، اگر ایسا نہ کریں گے تو اس

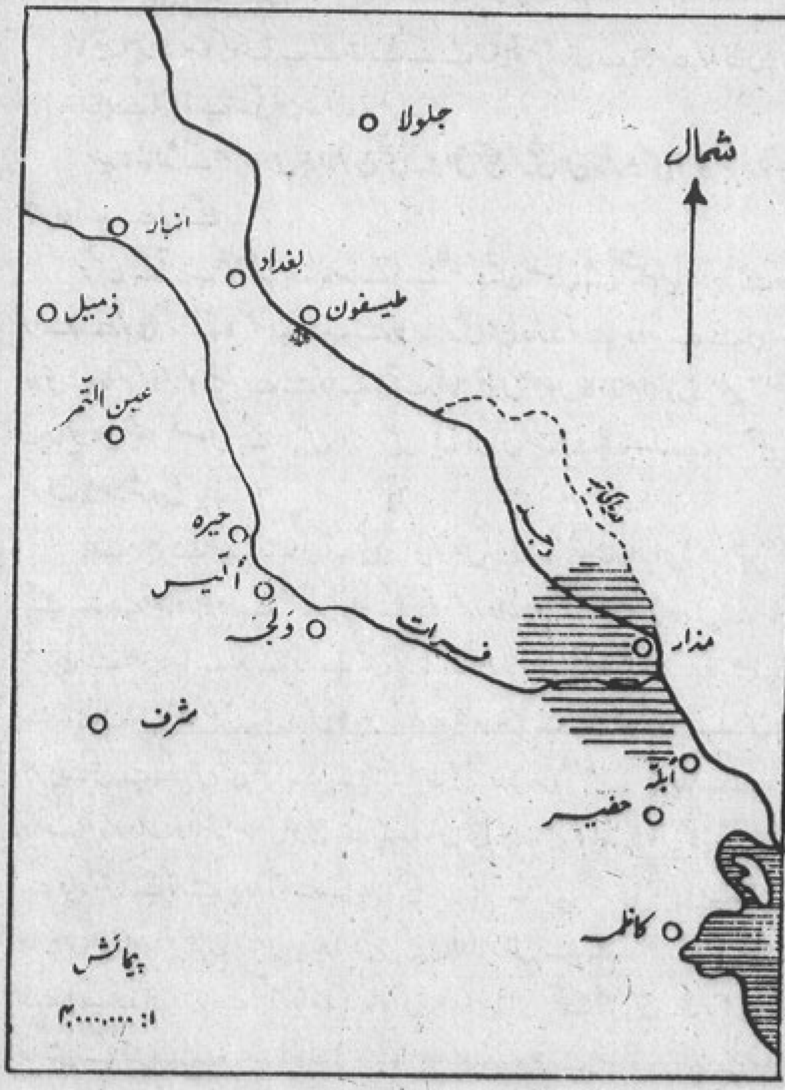

سیدنا خالد بن ولید نے جب عراق پر حملہ کر دیا تو جب یہ خبر ہرمز کو پہنچی تو اس نے فوراً شہنشاہ ایران اردشیر کو مدد روانہ کرنے کے لئے لکھا اور خود مقابلہ کے لئے کاظمہ کے علاقہ میں پہنچ گیا اور سیدنا خالد کو دعوت مبارزت دینے لگا۔ سیدنا خالد مقابلہ کے لئے نکلے اور ایک ہی وار کر کے اس کا کام تمام کرنے کے بعد فوراً لشکر میں واپس آ گئے۔ یوں دشمن حیرت اور خوف کے جذبات میں ڈوب کر شکست کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد یہاں خوب میدان قتال جما اور رات سے قبل ہی کفار کے سروں کی فصل کٹ چکی تھی۔ اس نقشہ میں بھی اس جنگ کی عکاسی کی گئی ہے۔

کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا کیونکہ آپ کے مقابلے کے لیے ایسی قوم آ رہی ہے جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔''

سیدنا خالدؓ کے ہمراہ دس ہزار فوج تھی۔ عراق پہنچ کر مثنیٰ بن حارثہ بھی آٹھ ہزار فوج کے ہمراہ آپ سے مل گیے۔

دشمن کے قریب پہنچ کر سیدنا خالدؓ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے کو علیحدہ راستے سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ایک حصے کا سالار مثنیٰ بن حارثہ کو بنایا، دوسرے حصے کی سرداری عدی بن حاتم کو دی اور تیسرے حصے کو اپنے ماتحت رکھا۔ تینوں حصوں کا مقام اجتماع ''حفیر'' مقرر ہوا۔ چنانچہ ان تینوں حصوں نے دائیں اور بائیں ایک دن کی مسافت کا فاصلہ دے کر ''حفیر'' کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

جب ہرمز نے سیدنا خالد کی آمد کی خبر سنی تو اس نے فوراً شہنشاہ ایران ''اردشیر'' کو مدد بھیجنے کے لیے لکھا اور خود اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر کواظم روانہ ہوا۔ یہ مقام خلیج فارس کے کنارے بحرین سے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے اور بصرہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں بے شمار کنوئیں ہیں جن کا پانی بے حد میٹھا ہوتا ہے۔ کئی شاعروں نے اس جگہ کی تعریف کی ہے۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ اسلامی لشکر کا رخ ''حفیر'' کی جانب ہے۔ وہ بلا توقف حفیر روانہ ہوا اور اسلامی فوج سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ حفیر، باہلہ گاؤں کا چشمہ اور بصرہ سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر ہرمز نے اپنے لشکر کی تنظیم کی۔ مقدمہ پر دو بھائیوں قباذ اور انوشجان کو مقرر کیا جو اردشیر اکبر کی اولاد میں سے تھے۔ لشکر کے ایک حصے نے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا، تاکہ کچھ بھی ہو وہ میدان جنگ میں ہی جمے رہیں گے اور بھاگیں گے نہیں۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ہرمز نے حفیر کا رخ کیا ہے تو انہوں نے فوج کو کاظمہ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ لیکن ہرمز وہاں بھی ان سے پہلے پہنچ گیا اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر کے نرم زمین پر ڈیرے ڈال دیئے۔ جب سیدنا خالدؓ وہاں پہنچے تو انہیں ایسی زمین پر ڈیرے ڈالنے پڑے جہاں پانی نہ تھا۔ جب لوگوں نے اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا: ''گھبراؤ مت، فریقین میں سے جو بہادر ہوں گے وہی پانی پر قبضہ کریں گے۔''

جب سیدنا خالد بن ولیدؓ نے عراق پر حملہ کیا تو ردعمل میں ایرانی آپ کے مقابلہ میں نکلے۔ ایرانیوں کی بہت بڑی منظم اور جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج ہر طرح کے حالات سے نبٹنے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد سیدنا خالد کو ایرانی فوج کی یہ کمزوری معلوم ہوئی کہ وہ نقل و حرکت سے بہت جلد تھک اور بوجھل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''ابلہ'' پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانیوں کے خوب چکر لگوائے۔ کبھی حفیر چلے جاتے جب ایرانی وہاں پہنچتے تو وہ پھر کاظمہ آ جاتے، جب یوں ایرانی سپاہ تھک کر چور چور ہو گئی اور انہوں نے سیدنا خالدؓ سے مقابلہ کرنے کے لیے باہم اکٹھے جینے مرنے کے عہد و پیمان کیے اور پانچ پانچ سات سات اور نو، نو افراد نے ایک دوسرے کو زنجیروں میں باندھ لیا۔ تاکہ دشمن کے مقابلہ میں چٹان بن کر کھڑے رہیں اور راہ فرار اختیار نہ کر سکیں بلکہ بہادری سے جم کر لڑ سکیں۔ لیکن ان کی بدقسمتی یوں شروع ہوئی کہ یہی زنجیریں ان کے لئے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں بن گئیں۔ شکست کی صورت میں ان کی بازگشت اور نقل و حرکت محال ہو گئی۔ زخمی یا قتل ہو کر گر جانے والے ساتھیوں کے ساتھ زنجیروں سے منسلک فوج اپنی جگہ سے ہل نہ سکی اور سیدنا خالدؓ کے جانبازوں نے ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ان کا صفایا کر دیا۔ اس جنگ میں زنجیروں کے استعمال نے ہی اس کو ''جنگ سلاسل'' ''زنجیروں والی جنگ'' کے نام سے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر دیا۔

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی کہ ہرمز نے اپنے لشکر سے باہر نکل کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا خالدؓ نے یہ دعوت قبول کر لی اور ہرمز کی طرف بڑھے۔ دونوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔

ہرمز کا مقصد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دینے سے یہ تھا کہ آپ کو نرغے میں لے کر شہید کر دیا جائے۔ اس نے اپنی فوج کے چیدہ چیدہ بہادروں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب خالدؓ اس کے مقابلے پر نکل آئیں تو وہ آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیں۔ چنانچہ جب سیدنا خالدؓ اس کے مقابلے کے لیے نکلے تو یہ ایرانی بہادر بھی آپ پر حملہ کرنے کیلیے آگے بڑھے لیکن اسی اثناء میں آپ نے اپنی تلوار سے ہرمز کا کام تمام کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو اس بات کا موقع دیئے بغیر کہ وہ آپ پر حملہ کر سکیں، اپنے لشکر میں پلٹ آئے۔

قعقاع بن عمرو تمیمی نے جب ایرانی سواروں کو اپنے سپہ سالار کی طرف بڑھتے دیکھا تو انہوں نے پہلے تو ایک دستہ فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد وہ پورے زور و شور سے ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر مقابلے کے بعد انہیں شکست فاش دے دی۔ چنانچہ رات تک تمام میدان صاف ہو گیا۔

لڑائی کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا۔ چلتے ہوئے تمام فوج اور اسباب کے ساتھ اس جگہ پر آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں آپ نے قیام کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ کو مفرور ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور معقل بن مقرن المزنی کو ابلہ بھیجا۔ جہاں انہوں نے مال غنیمت اور قیدی اکٹھے کیے۔ آپ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مژدۂ فتح کے ساتھ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق کی خدمت میں روانہ کیا اور باقی حصہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ صدیق اکبر نے ہرمز کی ٹوپی سیدنا خالد کو مرحمت فرمائی۔ یہ ٹوپی جواہرات سے مزین تھی اور اس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا خالدؓ نے سب سے پہلے بانقیا، باروسما اور الیس کا قصد کیا تھا لیکن بعض کا خیال ہے کہ سب سے پہلے آپ ابلہ تشریف لے گئے تھے۔ ہم نے

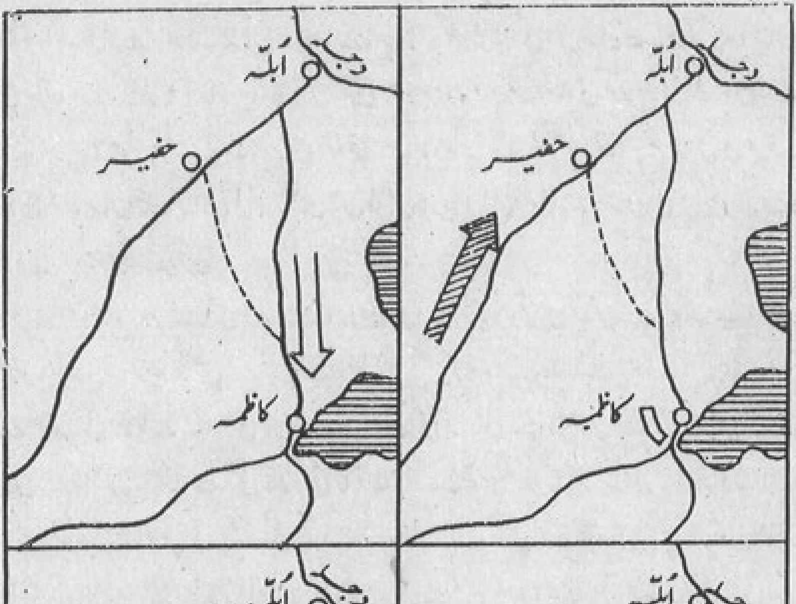
اُبلّہ
حفیر
کاظمہ
ایرانی ...
مسلمان ...
پیمائش
۱ : ۲،۰۰۰،۰۰۰

بوجودہ مؤخرالذکر روایت کو ترجیح دی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اکثر مؤرخین آپ کی فوج کشی کی ابتداء ابلہ ہی سے قرار دیتے ہیں۔ دوسرے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس ہدایت سے کہ ہندوستان کی سرحد سے حملے کا آغاز کیا جائے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اور ایرانی فوجوں کے درمیان پہلا معرکہ ابلہ کے مقام پر ہی ہوا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم یہ تھا: ''تم عراق کی طرف کوچ کرو یہاں تک کہ اس کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ۔ اپنا حملہ ہندوستان کی اس سرحد سے شروع کرو جو ابلہ کے قریب ہے۔''[1]

جنگی نقطۂ نظر سے بھی ابلہ سے کاروائی کا آغاز زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ سیدنا خالد جیسے ماہر اور جہاندیدہ شخص سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ وہ ایسے مقامات پر حملہ کریں جہاں ان کے عقب کی حفاظت نہ ہو سکتی ہو اور جہاں وہ بڑی آسانی سے دشمنوں کے نرغے میں آ سکتے ہوں۔ اگر آپ بانقیا سے جنگی کاروائی کا آغاز کرتے تو ہرمز جیسا پھرتیلا اور چست و چالاک شخص ضرور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر کے انہیں سخت نقصان پہنچاتا۔ اول الذکر مؤرخین کو اس روایت سے دھوکا لگا ہے جس میں مذکور ہے کہ ابلہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں عتبہ بن غزوان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تب بھی ہمارے مؤقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ ابلہ پورے طور پر اسلامی فوجوں کے قبضے میں سیدنا عمر کے عہد میں ہی آیا ہو۔ ہماری رائے کی تائید بلاذری سے بھی ہوتی ہے۔

جنگ مذار (الثنی)

جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی یلغار کے متعلق ہرمز کا خط دربار ایران میں شہنشاہ اردشیر کے پاس پہنچا تو اس نے قارن بن قریانس کو ایک زبردست لشکر دے کر ہرمز کی امداد کے لیے بھیجا۔ قارن مدائن سے چل کر جب مذار پہنچا تو وہاں اسے ہرمز کا ہزیمت خوردہ لشکر ملا۔ باہم مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ اگر اس وقت ایرانی جمعیت منتشر ہو گئی تو آئندہ کبھی اکٹھی نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے یہاں مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ لشکر نے مذار کے قریب

---

[1] الطبری: جلد نمبر ٤ ص ٢، ص ٧۔

نہر ثنی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا اور قارن نے اسے منظم کرنا شروع کیا۔ اردشیر کے بیٹے قباذ اور انوشجان جو جنگ ابلہ میں شریک تھے اور بچ کر نکل آئے تھے۔ قارن نے انہیں میسرہ اور میمنہ کی کمان سونپ دی۔

جب سیدنا خالد کو قارن کے آنے اور مذار میں جنگی تیاریاں کرنے کی خبر ملی تو آپ بھی فوج کو لے کر مذار روانہ ہوئے اور نہر کے دوسرے کنارے پر رک کر اپنی فوج کی تنظیم و ترتیب اور صف بندی میں مشغول ہو گئے۔

جب ہر طرح تیاری مکمل ہو چکی تو جنگ شروع ہوئی۔ ایرانی فوج کا سردار قارن میدان میں نکلا اور دعوت مبارزت دی۔ ادھر سے سیدنا خالدؓ اور معقل بن اعشی اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ معقل بن اعشی اس کے پاس سیدنا خالدؓ سے پہلے پہنچ گئے اور تلوار کے ایک دو واروں ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کا یہ انجام دیکھ کر قباذ اور انوشجان میدان میں نکلے لیکن ان دونوں کا بھی وہی انجام ہوا جو ان کے سردار قارن کا ہوا تھا۔ قباذ کو عدی بن حاتم نے اور انوشجان کو عاصم بن عمرو نے جہنم واصل کیا۔

اپنے بڑے بڑے بہادروں اور سالاران فوج کو بری طرح قتل ہوتے دیکھ کر ایرانی فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور اس میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایرانی فوج کو گھیر کر قتل کرنا شروع کیا۔ تیس ہزار ایرانی اس دن میدان جنگ میں مارے گئے۔ اگر ایرانی فوج کا بیشتر حصہ کشتیوں میں سوار ہو کر نہر کے پار نہ اتر جاتا یا بیچ میں نہر حائل نہ ہوتی تو اس دن ایک ایرانی کا بھی مسلمانوں کے ہاتھوں بچنا محال تھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک ایک سوار کے حصے میں تیس تیس ہزار درہم آئے۔ فتح کے بعد سیدنا خالدؓ نے مذار ہی میں قیام کیا اور مال غنیمت تقسیم کیا۔ غنیمت کا پانچواں حصہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ سعید بن نعمان کے ہاتھ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان ابتدائی امور سے فراغت حاصل کر کے آپ نے مفتوحہ علاقے کے بندوبست کی طرف توجہ فرمائی۔ علاقے کے تمام لوگ

ذمی قرار پائے اور ان پر جزیہ لگایا گیا۔

جنگ ولجہ

جب اردشیر کو مذار میں ایرانی فوج کی حسرتناک شکست کی خبر موصول ہوئی تو اس کی بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے دربار ایران کے ایک اور بڑے سردار اندرزغر کو ایک بھاری لشکر دے کر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اندرزغر کے روانہ ہونے کے بعد بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں ایک اور لشکر بھیجا۔ اندرزغر مدائن سے چل کر کسکر پہنچا اور وہاں سے ولجہ روانہ ہو گیا۔ مدائن، شاہان کسریٰ کا صدر مقام تھا۔

کسکر ایک وسیع علاقے کا نام ہے جس کا صدر مقام واسط ہے۔ واسط کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ اور بصرہ سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً پچاس فرسخ) پر واقع ہے۔ ولجہ کا شہر کسکر کے اس علاقے میں واقع ہے جو صحراء سے ملحق ہے۔ بہمن جاذویہ اپنی فوج کو لے کر وسط سواد سے گزرا اور حیرہ و کسکر کے درمیان جتنے عربی النسل عیسائی باشندے اور کاشت کار (دھاقین) ملے سب کو اپنے ساتھ لے کر ولجہ پہنچ گیا۔ اس طرح اندرزغر کے پاس ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔ وہ اپنے لشکر کی کثرت پر پھولا نہ سماتا تھا۔

جب سیدنا خالد کو جو ابھی تک مذار ہی میں قیام پذیر تھے، اندرزغر کے ایرانی لشکر کی آمد اور ولجہ میں اسکے پڑاؤ کی خبر ملی تو انہوں نے سوید بن مقرن کو لشکر کے عقب کی حفاظت اور مفتوحہ علاقے کی نگرانی کے لیے مذار میں چھوڑا اور خود اپنے لشکر کو لے کر ولجہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو انہوں نے دشمن کے مقابلے کے لیے رکھا اور دو حصوں کو قریب کی نشیبی زمین میں چھپا دیا تاکہ بوقت ضرورت ان سے کام لیا جا سکے۔ ان دو حصوں کی کمان آپ نے بسر بن رہم اور سعید بن مرہ کے سپرد کی۔

صف بندی کے بعد دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ جب سیدنا خالدؓ نے دیکھا کہ ایرانی فوج میں تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو آپ نے اپنی اس فوج کو جو کمین گاہوں میں چھپی ہوئی تھی میدان جنگ میں پہنچ جانے کا حکم دیا۔ حکم

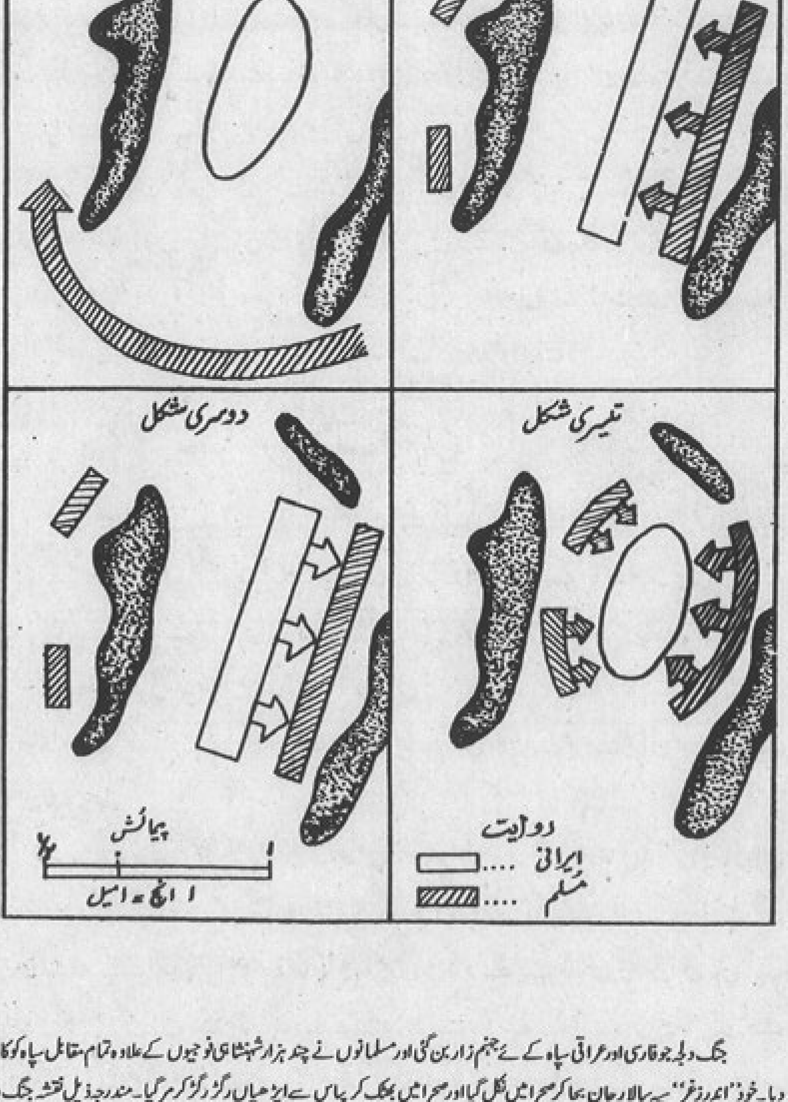

جنگ دجلہ جو فارسی اور عراقی سپاہ کے لئے جہنم زار بن گئی اور مسلمانوں نے چند ہزار شہنشاہی فوجیوں کے علاوہ تمام مقابل سپاہ کو کاٹ دیا۔ خود "اندرزغر" سپہ سالار جان بچا کر صحرا میں نکل گیا اور صحرا میں بھٹک کر پیاس سے ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ مندرجہ ذیل نقشہ جنگ دجلہ میں مسلمانوں اور فارسی و عراقی سپاہ کی پوزیشنوں کو واضح کر رہا ہے۔

کی دیر تھی کہ فوج میدان جنگ میں پہنچ گئی اور ایرانیوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ ایرانی اس نئی مصیبت کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے اور حوصلہ ہار بیٹھے۔ سیدنا خالدؓ کے دستے نے سامنے سے اور کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دستوں نے پیچھے سے ایرانیوں کو گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ اندرزغر شکست کھا کر بری طرح بھاگا اور پیاس کے مارے صحراء میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ فتح کے بعد سیدنا خالدؓ نے علاقے کے کاشتکاروں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ان سے صرف جزیے کا مطالبہ کیا جسے انہوں نے قبول کر لیا اور واپس اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔

اس جنگ میں قبیلہ بکر بن وائل کے کئی عربی النسل عیسائی بھی مارے گئے تھے جن میں ان کے دو نامور سرداروں، جابر بن بجیرہ اور عبدالاسود عجلی کے بیٹے بھی تھے۔ اس واقعے نے ان عربی النسل عیسائیوں کو آتش زیر پا کر دیا۔ طیش میں آ کر انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور دوبارہ ایران سے مدد کے لیے درخواست کی۔

جنگ اُلیّس

عرب عیسائیوں نے اپنا سردار بنوعجلان کے ایک شخص عبدالاسود عجلی کو بنایا تھا۔ دربار ایران سے بہمن جاذویہ کو حکم ملا کہ وہ ایرانیوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ عیسائیوں کی مدد کو پہنچے۔ چنانچہ وہ فوج لے کر الیس کی جانب بڑھا اور اپنی فوج وہاں کے حاکم جابان کے سپرد کر کے اسے یہ ہدایت کی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی واپسی تک جنگ کا آغاز نہ کیا جائے اور خود شہنشاہ سے مشورے کے لیے مدائن روانہ ہو گیا۔ الیس، کوفہ کے قریب عراقی سرحد پر ایک گاؤں کا نام تھا۔

جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ بنوعجل، بنوتیم، بنوضبیعہ اور دیگر عربی النسل عیسائی ان کے مقابلے کے لیے الیس میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ بھی اپنی فوج کو لے کر ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ عیسائیوں کی مدد کے لیے جابان کی سرکردگی میں ایک ایرانیوں کا لشکر بھی ان کے مقابلے کے لیے موجود ہے۔ آپ نے آتے ہی عیسائیوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ چونکہ عیسائیوں کو یہ یقین تھا کہ جابان کی فوج ان کی مدد کے لیے تیار ہے اور

بہمن جاذویہ بھی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچنے والا ہے۔اس لیے وہ نہایت دلجمعی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ کچھ دیر تو وہ نہایت پامردی سے مقابلے میں جمع رہے لیکن جب مسلمانوں کا دباؤ بے حد بڑھ گیا تو انہوں نے اپنی مدد کے لیے جابان کی فوج کی طرف نظر کی لیکن جابان کی فوج اپنے سردار کی اس ہدایت کے بموجب کہ جب تک بہمن واپس نہ پہنچ جائے وہ لڑائی میں شرکت نہ کریں، نہایت اطمینان سے دستر خوان کھولے، کھانا کھانے میں مشغول رہی اور لڑائی کی طرف اس کی توجہ مطلق نہ ہوئی۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی فوج گھبرا گئی۔ سیدنا خالد کی دوربین نگاہ نے صورت حال کا جائزہ لے لیا اور موقع غنیمت جان کا نہایت جوش وخروش سے بھر پور حملہ کر دیا۔عیسائی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بری طرح پسپا ہونے لگے۔ سیدنا خالدؓ نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ دشمنوں کو زندہ گرفتار کیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور گرفتار شدگان کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے قتل کر دیا گیا۔اس معرکے میں ستر ہزار عیسائی اور ایرانی قتل ہوئے اور تمام نہر خون سے بھر گئی۔لڑائی کے بعد سیدنا خالدؓ نے مژدۂ فتح کے ساتھ مال غنیمت کا پانچواں حصہ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ساتھ ہی بنو عجلان کے ایک شخص ''جندل'' کو بھی روانہ فرمایا تاکہ اس شخص کی زبانی سیدنا ابوبکر صدیق کو ان تمام کارناموں کی مصدقہ اطلاع مل سکے جو آپ نے میدان جنگ میں انجام دیئے تھے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مندرجہ بالا تمام لڑائیاں صفر ۱۲ھ میں ہوئیں، سوائے جنگ ابلہ کے جو محرم ۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

فتح أمغيشيا

اُلیس کے معرکے سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا خالدؓ امغیشیا کی جانب بڑھے۔ وہاں کے باشندے خالدؓ بن ولید کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گئے۔اور جدھر جس کے سینگ سمائے چل دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے امغیشیا پہنچ کر اسے اور ان تمام بستیوں کو جو اس کے اردگرد تھیں، مسمار کرنے کا حکم دیا۔ امغیشیا کا شہر حیرہ کے ہم پلہ اور الیس کے قریب واقع تھا۔ شہر سے

مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت حاصل ہوا کہ جنگ ذات السلاسل (ابلہ) کے بعد حاصل نہیں ہوا تھا۔ مال غنیمت میں ہر سوار کو پندرہ سو درہم ملے۔ دیگر فوجیوں کو جو حصے ملے وہ اس کے علاوہ تھے۔ جب مال غنیمت کا پانچواں حصہ، فتح کی خوشخبری اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان کارناموں کی خبر خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ فرمایا: ”اے معشر قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اسکے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر لیا ہے۔ عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔“

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے اس قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے دل میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی تھی۔ اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا خالد کو اپنے فن میں یگانہ روزگار سمجھتے تھے۔ امغیشیا کی فتح کو دراصل حیرہ کی تسخیر کی ابتداء سمجھنا چاہیے۔

حیرہ کا معرکہ

امغیشیا کے بالکل قریب حیرہ کا شہر جو کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں کے حاکم (مرزبان) ازاذبہ کو جب سیدنا خالد کی عظیم الشان فتوحات کا حال معلوم ہوا جو انہیں الیس اور امغیشیا میں حاصل ہوئی تھیں، تو اس نے سوچا کہ اب اس کی باری ہے۔ خالدؓ اسے کسی طرح نہیں چھوڑیں گے۔ اس متوقع خطرے کے پیش نظر اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لڑکے کو اسلامی فوج کا راستہ روکنے کے لیے روانہ کیا اور خود بھی شہر سے نکل کر باہر ڈیرے لگا دیئے۔ بیٹے نے باپ کے حکم پر دریائے فرات میں بند باندھ کر اس کا پانی روک لیا اور سارا پانی دریا سے نکلنے والی نہروں میں چھوڑ دیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ازاذبہ کی فوج کشی کا حال سن کر امغیشیا سے چلے۔ دریائے فرات پر پہنچ کر تمام اسلامی فوج کشتیوں میں سوار ہوئی۔ تمام سامان حرب اور غنیمتیں جو انہیں پچھلی جنگوں میں حاصل ہوئی تھیں، کشتیوں میں بھر لیں۔ اسی اثناء میں ایرانیوں نے دریائے فرات کا رخ تبدیل کر دیا اور مسلمانوں کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس کر رہ گئیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کشتیوں کو ساز و سامان سمیت وہیں چھوڑا اور خود فوج کو لے کر نہایت پھرتی سے ازاذبہ کے بیٹے کی طرف

بڑھے جو دریائے فرات کے دہانے پر کھڑا پانی کا رخ تبدیل کرنے کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے پہنچتے ہی اس پر اور اس کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابن اراذبہ اس ناگہانی حملے کے لیے قطعاً تیار نہ تھا۔ اسے وہم بھی نہ تھا کہ مسلمان یوں یکایک اس تک پہنچ جائیں گے۔ حملہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ ابن اراذبہ اور اس کی فوج کا کوئی شخص زندہ بچ کر نہ جا سکا۔ سب وہیں ڈھیر کر دیئے گئے اور مسلمانوں نے دریائے فرات کا بند توڑ کر پانی کو دوبارہ جاری کر دیا۔

اسی دوران میں شہنشاہ ایران اردشیر کا انتقال ہو گیا۔ اراذبہ حاکم حیرہ کو اپنے بیٹے کے قتل اور اردشیر کی وفات کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں جانی کہ وہ سیدنا خالد کے آنے سے پیشتر ہی بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج لے کر حیرہ کی طرف بڑھے اور خورونق سے آگے گزر کر عزبین اور قصر ابیض (وہ جگہ جہاں اراذبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا) کے درمیان ڈیرے ڈال دیئے۔ اہالیان حیرہ اپنے قلعوں اور محلات میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سیدنا خالد نے ان قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ جب یہ لوگ کسی طرح صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر ایک دن کے اندر اندر انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے نہ کیا تو ان کے خلاف شدید کاروائی کی جائے گی۔ لیکن ان لوگوں نے بجائے صلح کی بات چیت کرنے کے اسلامی فوجوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جواب میں ایرانیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرنی شروع کی۔ سب سے پہلے ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع کی۔ ان کے بعد باقی سرداروں نے بھی ان کی پیروی اختیار کی۔ تیروں کی بوچھاڑ سے ایرانیوں کے بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اہل حیرہ بہت گھبرائے۔ شہر کے پادریوں اور راہبوں نے ایرانیوں کے سرداروں سے فریاد کی کہ اس خون ریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے۔ اللہ کے لیے سنگ باری بند کر دو اور لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ ناچار قلعوں اور محلات کے سرداروں نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے اسلامی فوج کے سرداروں کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی پیش کردہ تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے براہ کرم لڑائی بند کر دیں اور اپنے سپہ سالار کو اس کی اطلاع دے دیں۔ چنانچہ لڑائی بند کر

دی گئی۔

اپنے وعدے کے مطابق سرداران حیرہ، ایاس بن قبیصہ طائی، عدی بن عدی، ابن اکال اور عمرو بن عبدالمسیح اپنے اپنے قلعوں سے نکل کر معززین شہر کے ہمراہ اسلامی فوج کے سرداروں کے پاس پہنچے جنہوں نے انہیں سیدنا خالدؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ باری باری ہر قلعے کے لوگوں سے ملے اور انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا: ''تم پر افسوس! تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھ کر ہم سے مقابلہ کیا؟ اگر تم عرب ہو تو کس چیز نے تمہیں اپنے ہی ہم قوم لوگوں کا مقابلہ کرنے پر ابھارا؟ اور اگر عجمی ہو تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے مقابلے میں جیت جاؤ گے جو عدل و انصاف کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی؟'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ان کی بے نظیر سیاست پر دلالت کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد بن ولید بے مثل سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر سیاست دان بھی تھے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں فرمایا: ہم تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے تمہیں ایک نہ ایک بات قبول کرنی ہوگی۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر یہ بات قبول نہیں تو جزیہ ادا کرنے کا اقرار کرو۔ اگر یہ دونوں باتیں نا قابل قبول ہیں تو پھر دوبدو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم تمہارے مقابلے کے لیے ایک ایسی فوج کو اپنے ہمراہ لائے ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے۔ مذکورہ سرداروں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر اہل حیرہ سے صلح ہو گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا صلح نامہ کی عبارت مندرجہ ذیل تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یہ وہ عہد نامہ جو خالدؓ بن ولید نے سرداران حیرہ، عدی بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ اہل حیرہ نے اس عہد نامے کو قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے۔ عہد نامے کے مطابق اہل حیرہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ کہ جوان کے قسیسین (پادریوں) اور راہبوں سے بھی لیا جائے گا۔ البتہ محتاجوں، اپاہجوں اور تارک الدنیا راہبوں کو معاف ہوگا۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ

ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی۔ اگر وہ حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اگر قول یا فعل کے ذریعے بدعہدی کی گئی تو یہ ذمہ داری ختم سمجھی جائے گی۔ یہ معاہدہ ماہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا۔''

اہل حیرہ نے جزیے کے علاوہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو کچھ تحفے بھی دیئے جو آپ نے مال غنیمت کے ہمراہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ آپ نے سیدنا خالد کو کہلا بھیجا کہ اگر یہ تحفے جزیے میں شامل ہیں تو خیر، ورنہ انہیں جزیے کی رقم میں شامل کر کے باقی رقم اہل حیرہ کو واپس کردو۔

ان واقعات کے ضمن میں ایک پرلطف واقعے کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شویل نامی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مسلمانوں کو حیرہ کی فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے سن رکھا تھا اور اس نے آپؐ سے درخواست کی تھی کہ حیرہ فتح ہونے پر مجھے کرامہ بنت عبدالسیح عطاء کردی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حیرہ لڑائی کے بعد فتح ہو گیا تو تمہاری یہ خواہش پوری کردی جائے گی۔ جب سیدنا خالدؓ نے حیرہ فتح کرلیا اور اس کے سرداروں کو صلح نامے کی تکمیل کے لیے اپنے پاس بلایا تو شویلؓ نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ یاد دلایا۔ کچھ لوگوں نے گواہی بھی دی کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ فرمایا تھا کہ کرامہ، شویلؓ کے حوالے کردی جائے۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ نے صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی پیش کی کہ کرامہ، شویلؓ کے حوالے کردی جائے۔ کرامہ کے خاندان اور باقی قوم کو یہ شرط بڑی گراں گزری۔ لیکن کرامہ نے ان سے کہا کہ تم فکر نہ کرو اور صبر سے کام لو جس عورت کی عمر اسی سال کی ہوچکی ہے اس کے متعلق تمہیں کیا خوف ہے۔ اس نادان نے مجھے میری جوانی میں دیکھا تھا اور اس کا خیال ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ چنانچہ کرامہ کے کہنے پر اس کے رشتہ داروں نے اسے سیدنا خالدؓ کے پاس پہنچا دیا۔ سیدنا خالدؓ نے اسے شویلؓ کے حوالے کردیا۔ کرامہ نے شویلؓ سے کہا کہ: ''ایک بڑھیا تمہارے کس کام آ سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے رہا کردو۔'' شویل نے کہا: ''اچھی بات ہے لیکن رقم معین کرنے کا اختیار مجھے ہوگا۔ جتنی رقم میں چاہوں گا معین کروں گا۔'' کرامہ نے یہ بات منظور کر

لی۔شویلؓ نے کہا میں اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوں اگر تم سے ایک ہزار درہم سے کم وصول کروں۔ کرامہ نے شویل رضی اللہ عنہ کو دھوکا دینے کے لیے کہا کہ یہ رقم تو بہت زیادہ ہے تاہم میں اپنے رشتہ داروں کو کہلواتی ہوں شاید وہ اس رقم کا انتظام کرسکیں۔چنانچہ اس نے اپنے رشتہ داروں کے پاس پیغام بھیجا کہ شویلؓ ایک ہزار درہم لے کر مجھے رہا کرنے کو تیار ہے۔یہ رقم بھیج کر مجھے رہا کرالو۔انہوں نے فوراً ایک ہزار درہم بھیج دیئے اور کرامہ کو رہا کرالیا۔جب لوگوں کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے شویل رضی اللہ عنہ کو بہت برا بھلا کہا۔وہ کہنے لگا مجھے کیا پتہ میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار سے اوپر کوئی عدد ہوتا ہی نہیں۔وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا آپ سے عرض کیا، کہ کس طرح لاعلمی میں اس نے ایک ہزار درہم کے بدلے کرامہ کو رہا کردیا اور اب اسے معلوم ہوا ہے کہ عدد ایک ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے۔سیدنا خالدؓ نے فرمایا: ''تم کچھ چاہتے تھے لیکن اللہ نے کچھ اور چاہا، ہم تو ظاہر پر عمل کریں گے۔تم جانو تمہاری نیت جانے۔خواہ تم نے لاعلمی میں یہ بات کہی یا جان بوجھ کر اب ہم اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتے۔''

اہل حیرہ سے صلح ہو جانے کے بعد دیر ناطف کے پادری کا نمائندہ صلوبا بن نسطونا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بانقیا اور باروسما کے قصبات کے متعلق مصالحت کی۔اس نے ان دونوں قصبوں اور ان کی اس ساری اراضی کے لگان کی ذمے داری قبول کرلی، جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھی۔کسریٰ کے موتیوں کے علاوہ اس نے اپنی ذات، خاندان اور قوم کی طرف سے دس ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا۔چنانچہ باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا جو حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ معاہدہ خالدؓ بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق تم سے دس ہزار درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا۔کسریٰ کے موتی اس کے علاوہ ہوں گے۔یہ رقم مستطیع اور کمانے والے افراد سے ان کی آمدنی اور حیثیت کے موافق سالانہ وصول کی جائے گی۔اس جزیے کے بدلے مسلمانوں کی طرف

سے بانقیا اور باروسما کی بستیوں کی حفاظت کی جائے گی۔ تمہیں اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے جسے تمہاری قوم قبول کرتی ہے۔ اس معاہدے پر میں اور میرے ساتھ سب مسلمان رضا مند ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح تمہاری قوم بھی اس پر رضا مند ہے اور اسے قبول کرتی ہے۔ آج سے تم ہماری حفاظت میں داخل ہو ہم پر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ ہم اسی صورت میں جزیہ لینے کے حق دار ہوں گے کہ تمہاری حفاظت سے عہدہ برا ہوں۔ اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکے تو جزیے کے حق دار نہ ہوں گے۔ اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ الحمیری اور حنظلہ بن ربیع ہیں اور یہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا۔''

عراق کے زمین دار اس انتظار میں تھے کہ اہل حیرہ کے ساتھ کیا وقوع میں آتا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اہل حیرہ نے سیدنا خالد کی اطاعت قبول کر لی اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا ہے تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصالحت کی درخواست کی۔

فلالیج سے ہرمزجرد تک کے علاقے کے لیے بیس لاکھ درہم پر مصالحت ہوئی۔ یہ وہ علاقہ تھا جو زیریں فرات کی دو شاخوں کے درمیان واقع تھا اور جس کے مشرق میں نہر سور اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا۔ مصالحت میں یہ بھی طے پایا کہ آل کسریٰ کی تمام املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی جو لوگ وطن چھوڑ کر ان کے ساتھ چلے گئے وہ اس مصالحت سے خارج ہوں گے اور ان کی املاک بھی مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ ان لوگوں کے لیے جو صلح نامہ لکھا گیا، وہ ذیل میں درج ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالدؓ بن ولید کی طرف سے زاد بن بہیش اور صلوبا بن نسطونا سے کیا گیا۔ اس عہد نامے کی رو سے تم پر جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔ اس کے بدلے ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ تمہیں بھقباذ زیریں اور بھقباذ اوسط اور بھقاذ وسط کے باشندوں کا نقیب بنایا جاتا ہے۔ ان لوگوں سے بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ وصول کیا جائے گا جس کی وصولی کے ذمہ دار تم ہوگے۔ یہ جزیہ مستطیع اور صاحب مقدرت لوگوں سے

لیا جائے گا۔ بانقیا اور باروسما کے محاصل کی رقم اس جزیے کے علاوہ ہوگی۔ آل کسریٰ اور جو لوگ ان کے ساتھ چلے گئے ہیں ان کی املاک کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی املاک مسلمانوں کی ملک ہوں گی۔ میں نے اور مسلمانوں نے نیز بھقباذ زیریں اور بھقباذ اوسط کے باشندوں نے یہ شرائط تسلیم کر لی ہیں۔ اس معاہدے کے گواہ اور دستخط کرنے والے ہشام بن ولید، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ الحمیری، بشیر بن عبیدہ اللہ بن خصاصیہ اور حنظلہ بن ربیع ہیں اور یہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا۔''

اس معاہدے اور اس سے پچھلے معاہدے کی تاریخیں ماہ صفر غلط لکھی گئی ہیں کیونکہ یہ دونوں معاہدے فتح حیرہ کے بعد ہوئے اور فتح حیرہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ تاریخوں کی تحریر صلح کرنے والوں کی طرف سے نہیں، بلکہ بعد میں آنے والے راویوں کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اس زمانے میں معاہدوں کے ساتھ تاریخیں لکھنے کا دستور نہ تھا۔

سیدنا خالدؓ نے عراق کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا تھا۔ آپ نے حیرہ کو مسلمانوں کا فوجی مستقر اور مفتوحہ علاقے کا دارالحکومت بنایا۔ اب یہ بھی ضروری ہو چکا تھا کہ مفتوحہ علاقے کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی جائے اور وہ شہری نظام جو جنگی کارروائیوں کی وجہ سے درہم برہم ہو چکا تھا دوبارہ قائم کیا جائے۔ اس غرض سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں میں امراء مقرر کر کے بھیجے۔ جن کے سپرد امن وامان اور شہری نظام قائم کرنے کے علاوہ خراج کی وصولی اور سرحدوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کام بھی تھا۔

سیدنا خالدؓ کے عمال اور امراء

خراج کے وصول کے لیے آپ نے مندرجہ ذیل عمال مقرر کیے:

فلالیج کے بالائی علاقے پر عبداللہ بن وثیمۃ النصری کو مقرر کیا۔ بانقیا اور بسما پر جریر بن عبداللہ کا تقرر کیا۔ نہرین پر بشیر بن خصاصیہ کو، تستر پر سوید بن مقرن المزنی کو، اور روذمستان پر اط بن ابی اط کو مقرر کیا گیا۔ اس انتظام کے باعث تمام علاقوں کا خراج پچاس دن کے اندر اندر سیدنا خالدؓ کے پاس پہنچ گیا۔

سرحدوں کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل امراء کا تقرر کیا گیا۔ضرار بن الازور، (سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی) ضرار بن خطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مقرن، قعقاع بن عمرو ،بسر بن ابی رہم اور عتیبہ بن نہاس۔ یہ لوگ سیپ کی سرحدی چھاؤنی پر پہنچ کر مملکت کی سرحد کے ساتھ ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ سیدنا خالدؓ نے انہیں حکم دیا تھا کہ دشمن پر یورش کرتے رہو اور اسے چین نہ لینے دو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا تھا۔

امراء اور عمال کے تقرر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مزید خون ریزی روکنے اور اہل فارس پر اتمام حجت کے خیال سے انہیں آخری تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے دو آدمی بلائے۔ ایک کا نام مرہ تھا اور دوسرے کا ہزقیل۔ انہیں آپ نے دو خط دیئے ایک خط خواص کے نام تھا اور دوسرا عوام کے نام۔ مرہ حیری کو آپ نے ملوک فارس کی طرف بھیجا اور فرمایا: یہ خط لو اور اسے ملوک فارس کے پاس پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یا تو وہ ان کے عیش و آرام کو تلخ کر دے گا یا وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے یا ہم سے مصالحت کر لیں گے۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط خالدؓ بن ولید کی جانب سے ملوک فارس کے نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا انتظام درہم برہم کر دیا۔ تمہارے مکر و فریب کو ناکام کر دیا اور تم میں اختلاف پیدا کر دیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس میں تمہارا ہی نقصان تھا۔ اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہماری اطاعت قبول کر لو، اگر ایسا کرو گے تو ہم تمہیں اور تمہارا علاقہ چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں گے، ورنہ تمہیں ایک ایسی قوم کے سامنے مغلوب ہونا پڑے گا جو موت کو اس سے زیادہ پسند کرتی ہے جتنا کہ تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔''

ہزقیل کو جو خط آپ نے دیا وہ سرداران فارس کے نام تھا۔ اس خط میں آپ نے لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط خالدؓ بن ولید کی طرف سے سرداران فارس کے نام ہے۔ تم لوگ اسلام قبول کر لو

،سلامت رہو گے یا جزیہ ادا کرو، ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ ورنہ یاد رکھو کہ میں نے ایسی قوم کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے جو موت کی اتنی ہی فریفتہ ہے جتنے تم شراب نوشی کے۔''

اس زمانے میں جب مسلمان دجلہ کے اس طرف فتح پر فتح حاصل کرنے میں مصروف تھے، اہل فارس اردشیر کی وفات کے باعث اندرونی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے۔تخت ایران پر قبضہ کرنے کی خاطر جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔اگرچہ سیدنا خالدؓ سے جنگ کرنے کے متعلق سب متفق ومتحد تھے، مگر لڑائی کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے۔ایک سال تک ان کی یہی کیفیت رہی اور مسلمان دجلہ تک سواد عراق پر قبضہ کرتے چلے گئے اور حیرہ سے دجلہ تک اہل فارس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔نہ اس علاقے کے لوگ ذمی ہی بنے سوا ان لوگوں کے جنہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ معاہدے کر لیے تھے، باقی اہل سواد یا تو جلاوطن تھے یا کہیں کہیں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے حرب و پیکار میں مصروف تھے۔اس عرصے میں اہل فارس نے سواد بغداد میں مدائن کے قریب بہر سیر پر تو مدافعت کی لیکن باقی عرصہ بادشاہ بنانے اور معزول کرنے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔جب سیدنا خالد کا خط ان کے پاس پہنچا تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنے اختلافات اور تنازعات ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔اس فیصلے کے مطابق انہوں نے بالاتفاق فرخ زاد بن بندوان کو (جو شاہی خاندان سے نہ تھا) عارضی طور پر اس وقت تک سلطنت کا نگران مقرر کر دیا جب تک آل کسریٰ میں سے کسی شاہزادے کی بادشاہی پر سب متفق نہ ہو جائیں۔

ادھر جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ علاقوں اور سرداروں کی حفاظت کے انتظامات سے متعلق پورا اطمینان ہو گیا تو وہ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حیرہ میں اپنا نائب مقرر کر کے خود عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ ہوئے۔جنہیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالائی عراق فتح کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔مقدمۃ الجیش پر الاقرع بن حابس متعین تھے۔حیرہ سے چل کر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سب سے پہلے فل وجہ پہنچے۔وہاں سے کربلا گئے۔کربلا کی فوجی چوکی پر عاصم بن عمرو متعین تھے۔یہاں آپ نے کچھ روز قیام فرمایا۔اس

کے بعد کوچ کا حکم دیا اور انبار پہنچے۔ انبار بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔

جنگِ انبار

جب اہل انبار کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے شہر کے ارد گرد خندق کھود کر قلعے کے دروازے بند کر لیے اور اس طرح اپنے آپ کو نہایت محفوظ سمجھتے ہوئے بند ہو کر بیٹھ رہے۔ سیدنا خالدؓ مقدمۃ الجیش کے ساتھ وہاں پہنچے۔ خندق کے کنارے کنارے آپ نے قلعے کا ایک چکر لگایا اور جنگ شروع کر دی۔ آپ کی عادت تھی کہ جہاں کہیں جنگ کا موقع نظر آتا، آپ سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے اپنے تیر اندازوں سے کہا: ''جو لوگ ہمارے مقابلے پر متعین ہیں وہ میرے خیال میں اصول جنگ سے واقف نہیں، اس لیے تم تاک تاک کر ان کی آنکھوں کا نشانہ بناؤ۔'' چنانچہ تیر اندازوں نے ایسا ہی کیا اور ایک دن میں دشمنوں کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بے کار کر کے رکھ دیں، ایک شور مچ گیا کہ اہل انبار کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اہل انبار کا سپہ سالار ساباط کا رئیس شیر زاد تھا۔ جو بڑا عقل مند اور عرب وعجم میں ہر دل عزیز تھا۔ اس نے سیدنا خالدؓ سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن شرائط ایسی پیش کیں کی جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو منظور نہ تھیں، چنانچہ صلح کی بات چیت ناکام ہو گئی۔

اس کے بعد سیدنا خالدؓ فوج لے کر ایسے مقام پر آئے جہاں خندق بہت تنگ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے مریض اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیئے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اونٹ ذبح کر کے خندق میں پھینک دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی لاشوں سے خندق کا ایک حصہ پٹ گیا اور ایک پل سا بن گیا۔ سیدنا خالدؓ فوج کے ہمراہ خندق کے پار ہو گئے اور دشمنوں کو قلعے کے اندر پسپا ہونا پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر شیر زاد نے دوبارہ صلح کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کیا اور یہ پیش کش کی کہ اگر اس کی جان بخشی کر دی جائے تو وہ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ جن کے پاس سامان وغیرہ کچھ نہ ہوگا خالی ہاتھ شہر سے باہر نکل جائے

گا۔سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کش منظور کر لی اور شیر زاد شہر سے نکل گیا۔شہر پر مسلمان قابض ہو گئے اور انبار کے نواحی علاقے کے لوگوں نے سیدنا خالدؓ سے مصالحت کر لی۔

اسلامی سپاہ کے سپہ سالار کا مقدمۃ الجیش کی خود قیادت کرنا، کمزور مقامات کی چھان بین کرنے کے لیے خندق کے گرد چکر لگانا، چکر لگانے کے فوراً بعد لڑائی شروع کر دینا، لڑائی شروع ہونے کے معاً بعد یہ معلوم کر لینا کہ دشمن فنون حرب سے قطعاً ناواقف ہے۔پھر ان تمام باتوں کے باوجود لڑائی میں کوئی ناجائز حربہ یا حیلہ استعمال نہ کرنا، یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو کس درجہ جنگی مہارت حاصل تھی۔

جب خالدؓ بن ولید انبار سے فراغت حاصل کر چکے تو آپ نے شہر انبار میں زبرقان بن بدر کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود عین التمر کا رخ کیا۔عین التمر کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب صحراء کی جانب ایک قصبہ ہے۔

جنگ عین التمر

عین التمر میں اس وقت مہران بن بہرام چوبین، عجمیوں کی ایک عظیم جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔عقہ بن ابی عقہ بھی وہیں مقیم تھا اور اس کے ساتھ نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ عربی النسل قبائل کی ایک بڑی بھاری جماعت تھی۔ جب ان لوگوں کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ملی تو عقہ نے مہران سے کہا: ’’عرب عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں اس لیے تم ہمیں مسلمانوں سے نپٹ لینے دو۔‘‘ مہران نے جواب دیا: ’’تم ٹھیک کہتے ہو، عربوں کے ساتھ لڑنے میں تم ایسے ہی ماہر ہو جتنے ہم عجمیوں سے لڑنے میں ماہر ہیں۔‘‘ اس طرح مہران نے عقہ کو خود فریبی میں مبتلا کر کے اپنے آپ کو جنگ کی مصیبت سے بچا لیا۔اور اس سے کہا: ’’تم مسلمانوں سے لڑو، اگر ہماری ضرورت ہوگی تو ہم بھی میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔‘‘

عجمی، عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے، مہران کی یہ باتیں سن کر ایرانیوں نے اس سے پوچھا: ’’تم نے اس کتے (عقہ) سے مدد کا وعدہ کیوں کیا؟‘‘ مہران نے کہا: ’’تم میری بات میں دخل نہ دو۔میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری بہتری کے لیے کیا ہے۔اس وقت تمہارے

مقابلے کے لیے ایک ایسا شخص آرہا ہے جس نے تمہارے بادشاہوں کو قتل اور تمہاری سلطنت کو پاس پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نے ان عربوں کے ذریعے تمہارا بچاؤ کیا ہے۔ اگر یہ لوگ خالدؓ کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہوگا اور فتح تمہاری ہی گردانی جائے گی۔ لیکن اگر یہ لوگ شکست کھا گئے تو ہماری تازہ دم فوج تھکے ماندے مسلمانوں کو آسانی سے شکست دے سکے گی۔ مہران کی یہ دلیل سن کر عجمی فوج مطمئن ہو کر قلعے میں چلی گئی۔ عقہ آگے بڑھ کر سیدنا خالدؓ کے راستے میں حائل ہو گیا۔ اس کے اور مہران کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو عقہ اپنی فوجوں کی صف آرائی کر رہا تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آتے ہی عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور نہایت پھرتی سے کمند ڈال کر عقہ کو اپنے لشکر میں گھسیٹ لائے۔ اپنے سردار کا یہ حال دیکھ کر دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور اسے بھاگتے ہی بن پڑی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا۔

جب مہران کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کو لے کر قلعے سے بھاگ گیا۔ عقہ کا شکست خوردہ لشکر بھاگتا ہوا قلعہ میں پہنچا اور اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا۔ سیدنا خالدؓ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ عقہ بھی بحالت اسیری آپ کے ساتھ تھا۔ دشمن یہ سمجھتا تھا کہ خالد لٹیروں کی طرح ہوں گے اور اگر انہیں کچھ مال و دولت کا لالچ دیا جائے تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تو انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اب سیدنا خالدؓ نے عقہ کے قتل کا حکم صادر کیا تاکہ تمام قیدی زندگی سے مایوس ہو جائیں۔ چنانچہ عقہ کو قتل کر کے اس کی لاش پل پر پھینک دی گئی۔ اس کے بعد سیدنا خالدؓ نے تمام قیدیوں کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا گیا اور قلعے کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس قلعے میں ایک گرجا تھا جس میں چالیس لڑکے انجیل کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ سیدنا خالدؓ نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم اس کلیسا کے لیے وقف ہیں۔'' آپ نے ان لڑکوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ ان لڑکوں میں سے بعض مثلاً سیرین ابو محمد بن سیرین سیدنا عثمان کے غلام حمران اور نصیر ابو موسیٰ بن نصیر،

عظیم شہرت کے مالک ہوئے اور انہوں نے اسلامی سلطنت کے استحکام کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

سیدنا خالدؓ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو خمس (غنیمت کا پانچواں حصہ) دے کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ ابوبکر صدیق نے ولید کو عیاض بن غنم کی مدد کے لیے روانہ کر دیا اس وقت عیاض بن غنم نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جواباً اہالیان دومۃ الجندل نے عیاض بن غنم کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور عیاض کا راستہ مسدود کر رکھا تھا۔ ولید نے عیاض سے کہا: ''بعض حالات میں عقل کی ایک بات ایک زبردست لشکر سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر تم میری مانو تو خالدؓ کے پاس آدمی بھیج کر ان سے استعانت چاہو۔ عیاض نے ولید کی بات مان لی اور سیدنا خالدؓ سے امداد طلب کی۔ عیاض کا قاصد سیدنا خالدؓ کے پاس اسوقت پہنچا جب آپ عین التمر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے جواب لکھا:

''خالدؓ بن ولید کی جانب سے عیاض کے نام: میں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں، تمہارے پاس اونٹنیاں آنے والی ہیں جن پر کالے، زہریلے ناگ سوار ہیں۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے اور دستے ہیں۔''

سیدنا خالدؓ نے عویم بن کاہل اسلمی کو عین التمر کا نائب مقرر کیا اور اپنی فوج لے کر دومۃ الجندل روانہ ہو گئے۔ دومۃ الجندل کا قصبہ دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستے سے سات منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔

جنگ دومۃ الجندل

جب اہل دومۃ الجندل کو سیدنا خالدؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے بہراء، کلب، غسان، تنوخ اور ضجاعم کے قبیلوں سے کمک طلب کی۔ سب سے پہلے ودیعہ، کلب اور بہراء کی ایک جمعیت لے کر آیا۔ اس کا معاون ابن وبرہ بن رومانس تھا۔ ودیعہ کے علاوہ ابن الحدرجان، ضجاعم کو لے کر اور ابن الایہم غسان اور تنوخ کی جماعتوں کو لے کر پہنچے۔ یہ سب مل کر

عیاض بن غنم پر اور عیاض بن غنم ان پر حملے کرتے رہے۔ ان لوگوں کی فوج کے دو سردار تھے۔ اکیدر بن عبدالملک ور جودی بن ربیعہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو ان لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا۔ اکیدر کہنے لگا: ''میں تمہاری نسبت خالدؓ سے زیادہ واقف ہوں۔ آج دنیا میں خالدؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اقبال مند اور فنون جنگ کا ماہر نہیں ہے جو قوم خالدؓ سے مقابلہ کرتی ہے خواہ وہ تعداد میں زیادہ ہو یا کم، بہر حال شکست کھا جاتی ہے۔ اس لیے تم میری بات مانو اور مسلمانوں سے صلح کر لو۔ اکیدر کی یہ رائے بالکل صائب اور سابقہ تجربے پر مبنی تھی۔ اس سے پہلے اکیدر کو سیدنا خالدؓ سے اس وقت سابقہ پڑ چکا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے سیدنا خالدؓ کو اس کی طرف بھیجا تھا اور آپ اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اپنے شہر واپس چلا آیا تھا۔ لوگوں نے اکیدر کی یہ رائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اکیدر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا: ''تم جانو، تمہارا کام جانے میں تو تمہارے ساتھ مل کر خالدؓ سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

جب سیدنا خالد کو اکیدر کے جانے کی خبر ہوئی تو آپ نے عاصم بن عمرو کو اسے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ عاصم نے اسے راستے میں ہی جا لیا اور اسے گرفتار کر کے سیدنا خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا خالدؓ نے اس کی بدعہدی اور بغاوت کی پاداش میں اس کی گردن اڑا دی۔

سیدنا خالدؓ آگے بڑھ کر دومۃ الجندل پہنچے۔ اہالیان دومۃ الجندل کے سردار یہ لوگ تھے؛ جودی بن ربیعہ، ودیعہ کلبی، ابن رومانس کلبی، ابن الایہم اور ابن الحدرجان۔ سیدنا خالدؓ نے دومۃ الجندل کو اپنی اور عیاض بن غنم کی فوج کے ساتھ گھیرے میں لے لیا۔ جو عربی النسل عیسائی دومۃ الجندل والوں کی امداد کے لیے پہنچے ہوئے تھے وہ قلعے کے چاروں طرف جمع تھے کیونکہ قلعے میں ان کے لیے گنجائش نہیں تھی۔

دومۃ الجندل والوں نے سیدنا خالد کی آمد پر کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ بڑے

اطمینان سے صف بندی کی۔ جودی بن ربیعہ اور ودیعہ، سیدنا خالد کے بالمقابل اور ابن حدر جان اور ابن الایہم، عیاض بن غنم کے بالمقابل صف آراء ہوئے۔ سیدنا خالدؓ نے جودی کو اور اقرع بن حابس نے ودیعہ کو گرفتار کرلیا۔ باقی لوگ قلعے کی طرف بھاگے لیکن وہاں کافی گنجائش نہیں تھی۔ قلعہ بھر جانے پر اندر والوں نے دروازہ بند کرلیا اور اپنے ان ساتھیوں کو جو باہر رہ گئے تھے مسلمانوں کی تلواروں کے حوالے کردیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا خالد کی فوج کے ایک سردار عاصم بن عمرو نے اپنے قبیلہ بنوتمیم سے اپنے حلیف بنوکلب کی امداد کی اپیل کی۔ بنو تمیم فوراً ان کی حفاظت کے لیے پہنچ گئے اور اس طرح بنوکلب کی جانیں بچ گئیں۔

جو لوگ قلعے کی طرف بھاگے تھے، سیدنا خالدؓ نے ان کا پیچھا کیا اور اتنے آدمی قتل کیے کہ ان کی لاشوں سے دروازہ پٹ گیا اور اندر جانے کا راستہ نہ رہا۔ آپ نے جودی بن ربیعہ اور دیگر قیدیوں کی گردنیں بھی اڑادیں۔ سوائے بنوکلب کے قیدیوں کے جنہیں عاصم بن عمرو نے پناہ دے دی تھی۔ اس کے بعد سیدنا خالدؓ نے قلعے کا دروازہ اکھڑوا ڈالا اور جتنے لوگ بھی قلعے میں محصور تھے انہیں قتل کردیا۔

دومۃ الجندل کی فتح کے بعد سیدنا خالدؓ نے اقرع بن حابس کو انبار واپس جانے کا حکم دیا اور خود دومۃ الجندل ہی میں قیام کیا۔ جن دنوں سیدنا خالدؓ دومۃ الجندل میں مقیم تھے اس زمانے میں عجمی آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ عقہ کے انتقام کے جوش میں جزیرہ کے عربوں نے بھی ان عجمیوں سے سازباز کرلی تھی اور انہیں لکھا تھا کہ وہ عقہ کا انتقام لینے کے لیے ان کا ساتھ دیں۔ چنانچہ زرمہر، انبار روانہ ہوا۔ روزبہ نے بھی انبار کا رخ کیا۔ دنوں میں یہ طے پایا کہ حصید اور خنافس پر دونوں کی فوجیں مل جائیں۔ جب زبرقان بن بدر کو جو انبار میں موجود تھے یہ اطلاع ملی تو انہوں نے قعقاع بن عمرو سے (جو حیرہ میں سیدنا خالدؓ کے نائب کے طور پر کام کررہے تھے) امداد کی درخواست کی۔ انہوں نے اعبد بن فدکی ،السعدی کو حصید اور عروہ بن جعد البارقی کو خنافس پہنچنے کا حکم دیا۔ دونوں کو ہدایت کی کہ اگر انہیں آگے بڑھنے کا موقع ملے تو آگے بڑھ جائیں، یہ دونوں سردار ایسے مقام پر ٹھہرے کہ حصید اور خنافس کا، ریف سے تعلق منقطع ہوگیا اور دشمن کے راستے مسدود ہوگئے۔ زرمہر اور

روزبہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے بنو ربیعہ کا (جس سے ان کے عہد و پیمان ہو چکے تھے) انتظار کر رہے تھے۔ ادھر جب سیدنا خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آئے اور انہیں ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً قعقاع بن عمرو اور ابو لیلیٰ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہ دونوں سیدنا خالدؓ سے پہلے عین التمر پہنچ گئے۔

اسی اثناء میں سیدنا خالدؓ کے پاس امرو القیس کلبی کا خط پہنچا۔ انہیں جس میں لکھا تھا کہ عقہ کے انتقام کے جوش میں ہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بشر نے ثنی اور بشر میں فوجیں جمع کی ہیں اور یہ دونوں زرمہر اور روزبہ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ یہ خط پڑھ کر سیدنا خالدؓ نے عیاض بن غنم کو حیرہ میں چھوڑا اور خود وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ نے مقدمۃ الجیش پر اقرع بن حابس کو مقرر کیا۔ خنافس جانے کے لیے آپ نے وہی راستہ اختیار کیا جو قعقاع اور ابو لیلیٰ نے اختیار کیا تھا۔ آپ ان دونوں سے عین التمر کے مقام پر آن ملے۔ یہاں سے آپ نے قعقاع کو امیر بنا کر حصید کی جانب اور ابو لیلیٰ کو خنافس کی جانب روانہ فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ دشمنوں اور ان کے بھڑکانے والوں کو گھیر کر ایک جگہ جمع کر دیں تاکہ مسلمان یک دم ان پر حملہ کر کے ایک ہی ہلے میں ان کا صفایا کر سکیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا اس لیے وہ اکٹھے نہ ہوئے۔

جنگِ حصید

قعقاع بن عمرو نے جب دیکھا کہ زرمہر اور روزبہ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے تو وہ حصید کی طرف بڑھے۔ حصید، عراق کی حدود پر جزیرہ کی جانب ایک قصبہ ہے۔ اس جگہ عربی اور عجمی فوجوں کا سردار روزبہ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ قعقاع اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اس نے زرمہر سے امداد طلب کی۔ زرمہر نے مہبوذان کو اپنی فوج کا نائب مقرر کیا اور خود روزبہ کی امداد کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں زبردست مقابلہ ہوا جس میں دشمنوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی ایک بھاری تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ مقتولین میں زرمہر اور روزبہ بھی شامل تھے۔ بقیۃ السیف

شکست خوردہ لشکر خنافس بھاگ گیا۔

فتح خنافس

خنافس میں جو لشکر جمع تھا، ابولیلیٰ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مہبوذان کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنے تمام لشکر سمیت مصیخ بھاگ گیا۔ جہاں کا حاکم ہذیل بن عمران تھا۔ اس طرح مسلمان بغیر لڑے بھڑے خنافس پر قابض ہو گئے۔

جنگِ مصیخ

جب سیدنا خالد کو حصید اور خنافس کی فتوحات اور مہبوذان کے لشکر کے مصیخ کی جانب بھاگ جانے کے بارے میں اطلاعات ملیں تو آپ نے اپنے سرداران فوج، قعقاع بن عمرو، ابولیلیٰ، اعبد اور عروہ کو مصیخ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی ادھر کا رخ کیا۔ مصیخ کو مصیخ بن البرشاء بھی کہتے ہیں یہ قصبہ حوران اور قلت کے درمیان واقع ہے۔

یہ پہلے ہی سے طے کر لیا گیا تھا کہ تمام قائدین کو کس رات اور کس وقت پہنچنا ہے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر تمام قائدین منزل مقصود پر پہنچ گئے اور آتے ہی تین اطراف سے ہذیل اور اس کی فوج پر جو بے خبر پڑی سو رہی تھی، بھرپور حملہ کر دیا۔ ہذیل اپنے چند ساتھوں سمیت بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا باقی تمام فوج قتل ہو گئی۔ لاشوں سے میدان اس طرح پٹ گیا گویا بکریاں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔

معرکۂ مصیخ کے دوران جریر بن عبداللہ کے ہاتھوں دو مسلمان عبدالعزیٰ بن ابی رہم اور لبید بن جریر بھی مارے گئے۔ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے پاس سیدنا ابوبکر صدیق کا عطاء کیا ہوا ایک صداقت نامہ بھی موجود تھا۔ جب بعد میں خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق کو معلوم ہوا کہ عبدالعزیٰ حملے کی رات کو ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جن میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ذکر تھا تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کر دیا۔

سیدنا عمر، مالک بن نویرہ اور ان اشخاص کے قتل کی وجہ سے خالدؓ بن ولید کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا: ''جو مسلمان دشمن کی سرزمین میں دشمن کے ساتھ قیام پذیر ہوں گے ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا ممکن ہے۔''

واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات چاہتے تو دشمن سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ رہ سکتے تھے۔ انہیں خواہ مخواہ ایسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی جس کے متعلق انہیں اچھی طرح پتہ تھا کہ یہ دشمنان اسلام کی جائے سکونت ہے اور عنقریب یہاں میدان کارزار گرم ہونے والا ہے۔

جنگ ثنی اور جنگ زمیل

جنگ مصیخ سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا خالدؓ نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو الثنی اور البشر روانہ فرمایا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ الثنی، مشرقی رصافہ کے قریب جزیرہ کی سرحد پر ایک قصبہ ہے۔ الزمیل کا نام البشر بھی ہے اور الثنی اسی سے ملحق ہے یہ دونوں مقامات آج کل رصافہ کا مشرقی حصہ ہیں۔ قعقاع اور ابولیلیٰ کے پیچھے سیدنا خالد بھی روانہ ہو گئے۔ اس حملے کا پروگرام بھی ویسا ہی بنایا گیا جیسا جنگ مصیخ کے موقع پر بنایا گیا تھا۔ سیدنا خالدؓ نے الثنی سے اپنی مہم کا آغاز کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رات کے وقت تین اطراف سے دشمنوں پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ اس حملے میں دشمنوں کا کوئی مرد بھی بچ کر نہ نکل سکا، عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ فتح کے بعد سیدنا خالدؓ نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ خلفیۃ الرسول کی خدمت میں خمس روانہ کیا۔

الثنی سے سیدنا خالدؓ، الزمیل روانہ ہوئے جہاں عتاب بن فلان ایک بھاری لشکر لیے ہوئے موجود تھا۔ ربیعہ اور اس کی تمام فوج کے قتل کی خبر اسے مل چکی تھی۔ ہذیل نے بھی مصیخ سے بھاگ کر اس کے پاس پناہ لی تھی۔ سیدنا خالدؓ نے یہاں بھی رات کو تین جانب سے حملہ کیا۔ اس معرکے میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد قتل ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ سیدنا خالد نے مال غنیمت تقسیم کیا اور صباح بن فلان المزنی کے ہاتھ خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر کی خدمت میں خمس روانہ کیا۔

الرمیل سے سیدنا خالدؓ، الرضاب کی طرف مڑے۔ رصافہ سے پہلے اس جگہ جو بستی تھی اسے الرضاب کہتے تھے۔ وہاں کا حاکم ہلال بن عقہ تھا۔ جب اس کی فوج نے سیدنا خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو مارے خوف کے اس نے لڑنے سے انکار کر دیا جس پر ہلال کو مجبوراً وہاں سے بھاگنا پڑا اور مسلمانوں کو الرضاب فتح کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

جنگ فراض

اب سیدنا خالد کا تسلط تمام سواد عراق پر ہو چکا تھا۔ الجزیرہ کے عربوں پر بھی آپ فتح پا چکے تھے۔ ان لڑائیوں کے بعد آپ الفراض کی جانب روانہ ہوئے جہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ الفراض کو فتح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ سرزمین ایران کو فتح کرنے کے لیے آگے بڑھیں تو آپ کی پشت بالکل محفوظ رہے۔ اور آپ اطمینان سے فتوحات میں مصروف رہیں۔ سیدنا خالد کا یہ عمل بھی آپ کی دوررس نگاہ اور بے نظیر جنگی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی مدینہ سے روانگی کے وقت خالدؓ اور عیاض کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔

اسلامی فوجیں الفراض میں اکٹھی ہوئیں تو انہیں دیکھ کر رومیوں کو بے حد جوش آیا اور انہوں نے اپنے قریب کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی۔ ایرانیوں نے بڑی خوشی سے رومیوں کی مدد کی کیونکہ مسلمانوں نے انہیں ذلیل ورسوا کر دیا تھا اور ان کی شان وشوکت کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ایرانیوں کے علاوہ، تغلب، ایاد اور نمر کے عربی النسل قبائل نے بھی رومیوں کی پوری پوری مدد کی، کیونکہ وہ اپنے رؤسا اور سربرآوردہ اشخاص کے قتل کو نہ بھول سکے تھے۔ چنانچہ رومیوں، ایرانیوں اور عربی النسل قبائل کا ایک لشکر جرار مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا۔ دریائے فرات پر پہنچ کر انہوں نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا، تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم اسے عبور کر کے تمہاری طرف آئیں؟ سیدنا خالدؓ نے مسلمانوں کو خطرے میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ آپ نے کہلا بھیجا کہ تم ہی ہماری طرف آجاؤ۔ دشمنوں نے کہا: ''اچھا تم سامنے سے ہٹ جاؤ تا کہ ہم دریا پار کر لیں۔'' سیدنا خالدؓ نے کہا: ''یہ بات غلط ہے

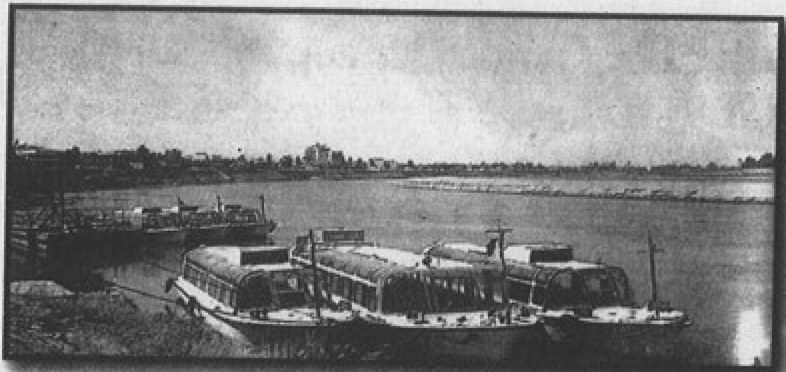

عراق پر سیدنا خالد کی برق رفتار فتوحات کا چشم دید گواہ دریائے دجلہ، جو اپنے سینے میں بہادروں، دلاوروں، شجاعتوں، طنطنوں، ہمہموں، دبدبوں، سطوتوں اور جرأتوں کی کتنی ہی داستانیں چھپائے ہوئے ان کا امین ہے۔ اس نے کتنے ہی ایسے مناظر دیکھے کہ جب مسلمانوں نے جہاد سے دامن چھڑا لیا تو ان کا خون دشمنوں نے دریائے دجلہ میں ملا دیا اور جب مسلمانوں نے جہاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تو پھر یہی دریا اللہ کے دشمنوں کے خون سے سرخ ہو کر عبرت کا نمونہ بن گیا۔ آج پھر یہ دیکھ رہا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم کی دوبارہ وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔

تم نچلی جانب سے دریا پار کرلو۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس دوران میں تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔''جب رومیوں کا تمام لشکر دریا کے پار ہوگیا تو اسلامی سپاہ کے سپہ سالار سیدنا خالدؓ بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کو حکم دیا کہ تمام قبائل علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تاکہ معلوم ہو سکے؛ کس گروہ نے کتنا شاندار کام سرانجام دیا ہے۔چنانچہ تمام فوج علیحدہ علیحدہ ہوگئی،اور لڑائی شروع ہوئی۔ جب دشمن کو شکست ہونے لگی تو سیدنا خالدؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ان کا پیچھا کرو اور ان کو دم نہ لینے دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فراض کی جنگ میں عین میدان جنگ اور بعدازاں تعاقب میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی کام آئے۔عراق میں سیدنا خالد کی یہ آخری جنگ تھی۔

فتح کے بعد سیدنا خالدؓ نے فراض میں دس روز قیام فرمایا۔دس روز بعد ۲۵ ذی القعدہ ۱۲ھ کو اپنی فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔آپ نے عاصم بن عمرو سے کہا کہ وہ لشکر کے ساتھ جائیں اور شجر بن الاغر کو ساقہ کا کمانڈر مقرر کیا۔اپنے متعلق آپ نے یہ ظاہر کیا جیسے ساقہ کے ساتھ آرہے ہیں لیکن اصل میں آپ لشکر کو چھوڑ کر خفیہ طور پر حج کرنے روانہ ہو گئے تھے۔

سیدنا خالد کا خفیہ حج

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے۔آپ شہروں اور بستیوں سے دور دور، سیدھے مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔کوئی رہبر ساتھ نہ تھا اور یہ راستہ نہایت عجیب اور دشوار گذار تھا۔آپ فوج سے بہت تھوڑے عرصہ کے لیے غیر حاضر رہے۔ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ نہ پہنچا تھا کہ آپ حج سے فارغ ہو کر ساقہ سے آملے اور اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے۔ان چند لوگوں کے سوا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے لشکر کے اور کسی شخص کو آپ کے حج کی خبر نہ تھی۔جب انہوں نے آپ کی واپسی پر آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انہیں معلوم ہوا کہ آپ حج کو تشریف لے گئے تھے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کے حج کرنے اور لشکر چھوڑنے کی اطلاع مل گئی تھی۔آپ کو خوب اچھی طرح پتہ تھا کہ اس خبر کا اثر آپ کے لشکر پر کیا ہو سکتا ہے۔آپ

جانتے تھے کہ خالدؓ سے یہ فعل اس لیے سرزد ہوا ہے کہ انہیں ہر مرحلے پر اپنی فتح اور دشمن کی شکست کا یقین ہوتا ہے اور وہ دشمن کی حیثیت بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ سیدنا خالدؓ کے اس فعل کو سیدنا ابو بکرؓ صدیق مناسب نہ سمجھتے تھے۔ عین میدان جنگ میں، ہزاروں لاکھوں دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے لشکر کو چھوڑ کر سپہ سالار کا اکیلے حج کے لیے چلا آنا مصلحت اور دور اندیشی کے بالکل خلاف تھا۔ اسی زمانے میں ان امراء نے جنہیں سیدنا صدیق اکبرؓ نے شام کی جانب بھیجا تھا اپنے لیے مدد کی درخواست کی۔ سیدنا صدیق نے رومیوں کی طرف بھی اسی خدائی تلوار کو بھیجنا پسند فرمایا جس نے شاہان کسریٰ کے تخت کو ہلا ڈالا تھا۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن جمیل الجھمی کے ہاتھ سیدنا خالد کو ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون حسب ذیل ہے:

”آپ یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں کی جماعت سے مل جائیں کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں آ گئے ہیں۔ یہ حرکت (خفیہ حج) جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو۔ اے ابو سلیمان! میں تمہیں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔ تمہارے دل میں غرور پیدا نہ ہونا چاہئے کیونکہ غرور کا انجام نقصان اور رسوائی ہے۔ اپنے کسی فعل پر نازاں بھی نہ ہونا۔ فضل و کرم کرنے والا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے۔“

عراق میں سیدنا خالدؓ کی فتوحات کا اثر

اہل عرب بالعموم ایرانیوں کو نہایت تعظیم و تکریم اور احترام و توقیر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اگر کسی عرب کو کسریٰ کے محل کے دروازے پر کھڑے ہونے یا شہنشاہ کو سجدہ کرنے کے لیے اس کے دربار میں باریابی کی اجازت مل جاتی تھی تو وہ سمجھتا تھا کہ اسے ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایرانی، عربوں کو اس درجہ حقیر سمجھتے تھے کہ کئی جنگوں میں سیدنا خالد کی فتوحات کے باوجود انہوں نے ابتداء میں عربوں کے حملوں اور پیش قدمی کو

سنجیدگی کی نظر سے دیکھا تک نہ تھا۔ اس کی واضح مثال ہمیں جنگ الیس کے موقع پر نظر آتی ہے جب وہ میدان جنگ میں نہایت بے فکری سے کھانے پینے میں مشغول تھے اور انہیں اس امر کی مطلق پروانہ تھی کہ عربوں کا لشکر ان سے جنگ کرنے کے لیے ان کے سامنے کھڑا ہے۔

سیدنا خالدؓ نے ایرانیوں کو دکھا دیا کہ عرب قوم پستی اور ذلت سے اٹھ کر انتہائی بلند مقام پر پہنچ چکی ہے اور اب ایرانیوں کو طوعاً یا کرھاً ان کی اطاعت قبول کرنی ہی ہوگی۔ آپ نے ایران کے مفلس و قلاش کاشتکاروں اور غریب رعایا کو بھی مژدہ سنا دیا کہ ان کی ذلت و پستی کا زمانہ ختم ہو گیا اور اب وقت آ چکا ہے کہ انہیں اپنی قدر و قیمت کا احساس ہو، انہیں معلوم ہو کہ وہ بھی انسان ہیں۔ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں اور وہ صاحب اقتدار ایرانی جو آج تک اپنے آپ کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے کسی طرح بھی ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔

ایرانیوں نے شروع میں یہ سمجھا کہ عربوں کی یہ پیش قدمی معاشی بدحالی کی وجہ سے ہے۔ جونہی کچھ مال غنیمت ان کے ہاتھ آئے گا وہ اپنے علاقے میں واپس چلے جائیں گے اور اسے اطمینان و فراغت کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے لیکن عربوں کی پے در پے چڑھائیوں اور فتوحات نے بالآخر ان پر واضح کر دیا کہ وہ صریح غلطی پر تھے۔ اس وقت انہوں نے آنکھیں کھولیں اور سنجیدگی سے عربوں کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے جب ان کی سلطنت کے آخری دن آ چکے تھے، اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا وہ سلطنت کی باگ ڈور خاموشی سے عربوں کے حوالے کر دیں یا ان کے آگے اپنے آپ کو تباہی کے لیے پیش کر دیں۔

سیدنا خالدؓ نے اپنی پیش قدمی کے دوران نہایت دور اندیشی اور حکمت عملی سے کام لیا۔ آپ جب کسی شہر کو فتح کرتے تو دوسرے شہر کا رخ کرنے سے پہلے اس شہر کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ متعین کر دیتے تھے وہاں کا نظم و نسق چلانے اور خراج وصول کرنے کے لیے اپنے عاملوں کو مقرر کر دیتے تھے۔ اس طرح فوج کی پشت کی حفاظت کا بھی انتظام پورا ہو جاتا تھا اور مفتوحہ علاقے کی طرف سے بھی پورا اطمینان ہو جاتا۔ فتح کے بعد وہ کاشتکاروں کو امان دے دیتے اور گوناگوں مہربانیوں اور رعایتوں سے انہیں متمتع کر کے ان کے حاکموں کے ظلم و ستم سے انہیں نجات دلا کر ان کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ کہ عام طور پر لوگ اسلامی

فوج کا خیر مقدم کرتے اور جب تک انہیں حکومت کی طرف سے مجبور نہ کر دیا جاتا وہ مسلمانوں کے خلاف لڑتے نہ تھے۔ ایرانی حاکموں نے اپنی رعایا کو اپنا غلام سمجھ رکھا تھا اور ہر قسم کا ظلم و ستم ان پر روا رکھتے تھے۔ ایرانی رعایا کے لوگ جب یہ دیکھتے کہ مسلمانوں نے انہیں مساوی حقوق دیئے ہیں اور ان پر ظلم و ستم کے لامتناہی سلسلے کو روک دیا ہے تو قدرتی طور پر ان کے دل مسلمانوں کے ساتھ ہو جاتے اور وہ حتی المقدور مسلمانوں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔

مسلمان ایران کے مفلس کاشتکاروں اور غریب رعایا پر جس قدر مہربان تھے سرداران سلطنت اور فوجوں کے سرداران کے معاملے میں اتنے ہی سخت گیر تھے۔ میدان جنگ میں ان سے مطلق صبر نہ ہو سکتا تھا۔ لڑائی میں ان کی نظریں زیادہ تر سپہ سالاروں اور سرداروں پر ہوتی تھیں۔ وہ تاک تاک کر ان پر حملے کرتے اور انہیں قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ اس طرح ان کی فوج پر مسلمانوں کا زبردست رعب بیٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے سپہ سالار اور سرداروں کے مرنے سے دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتی تھی اور بہت جلد شکست کھا جاتی تھی۔ مسلمان فتح یاب ہو جانے پر بہت کم حالتوں میں فوج کی جان بخشی کرتے تھے بلکہ اسے گھیرے میں لے کر بری طرح قتل کر ڈالتے تھے۔ اس وقت ان کے دلوں سے رحم کوسوں دور ہوتا تھا۔

ایرانی حاکموں اور سرداروں کو چاہئے تھا کہ دو تین بار مسلمانوں کی تلواروں کی دھار کا مزہ چکھ لینے کے بعد عبرت پکڑتے اور سیدنا خالدؓ کے سامنے سر اطاعت خم کر کے اپنے آپ کو تباہی اور بربادی سے بچا لیتے۔ لیکن جب قضا آ جاتی ہے تو عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو تین کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ جب ہماری فوجیں ان کے مقابلے کے لیے میدان جنگ میں نکلیں گی تو مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور آئندہ انہیں کبھی ہمارے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہو گی۔ ان کی زبردست فوجیں بار ہا ہر قسم کے ساز و سامان کے ساتھ، بہترین جرنیلوں کی سرکردگی میں میدان جنگ میں آئیں لیکن انہوں نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پایا۔ الٰہی منشاء پوری ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں پر شکوہ ایرانی شہنشاہیت کی صف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لپیٹ دی گئی۔

پیچھے ہٹنا پڑا۔ سیدنا خالدؓ نے اتنی تھوڑی مدت میں بہت ہی قلیل فوج کے ساتھ جو کام کر دکھایا وہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا جرنیل، بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ بھی نہ کر سکا۔ جس فوج میں سیدنا خالدؓ موجود ہوتے تھے وہ سمجھتی تھی کہ اکیلے خالدؓ ہی دشمن کی پوری فوج پر بھاری ہیں۔ ادھر دشمن کی صفوں میں گھبراہٹ، بے چینی اور خوف کا تسلط ہو جاتا تھا اور وہ کبھی اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ آپ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

ان فتوحات کا اسلامی فوجوں پر جو اثر تھا اور وہ انہیں جس نظر سے دیکھتی تھیں اس کی ایک جھلک ابن الہیثم بکائی کے مندرجہ ذیل بیان میں نظر آتی ہے:

> ''میرے والد بیان کرتے تھے کہ کوفہ کے وہ لوگ جو عراق کی جنگوں میں نبرد آزمارہ چکے تھے جب حضرت کے عمال کو اپنے ساتھ کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ آخر معاویہ کیا چاہتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم جنگ ذات السلاسل کے شہسوار ہیں جو عراق میں سیدنا خالد کی پہلی جنگ تھی۔ وہ لوگ ذات السلاسل سے لے کر فراض تک کی جنگوں کو اس فخر و شان سے بیان کرتے تھے گویا ان سے قبل اور بعد کی لڑائیاں بالکل ہیچ تھیں۔''

شام میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات

شام کی فتوحات عراق کی فتوحات کے بعد شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے ۱۳ھ کے آغاز میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب فوجیں روانہ کیں۔ ابتداء میں ان فوجوں کا سپہ سالار آپ نے خالدؓ بن سعید کو مقرر کیا تھا۔ لیکن ان کی روانگی سے پہلے ہی سیدنا عمر کے اصرار پر انہیں اس مہم کی بجائے تیماء میں امدادی دستے پر متعین کر دیا اور ان کی جگہ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کے سات ہزار فوج کے ساتھ شام بھیج دیا۔ تیماء کی بستی، شام کی سرحد پر شام اور وادیٔ قریٰ کے درمیان اس راستے پر واقع ہے جس سے اہل شام اور اہل دمشق حج کے لیے آتے ہیں۔ اسی جگہ سموال بن عادیا یہودی کا مشہور قلعہ بنا ہوا تھا۔ اس لیے اس کو ''تیماء الیہودی'' بھی کہتے تھے۔ شام کو روانہ ہونے والے امراء میں یزید سب سے پہلے امیر ہیں۔

یزید کی روانگی کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ نے شام کی جانب یہ تین سپہ سالار روانہ فرمائے۔ شرحبیل بن حسنہؓ، ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاصؓ۔ آپ نے نہ صرف ہر ایک سپہ سالار کی منزل مقصود متعین کر دی بلکہ وہ علاقہ بھی مقرر فرمادیا، فتح کے بعد جہاں کا انہیں والی بننا تھا۔ چنانچہ یزید بن ابوسفیان کو دمشق، شرحبیل بن حسنہ کو اردن، ابوعبیدۃ الجراح رضی اللہ عنہ کو حمص اور عمرو بن العاصؓ کو فلسطین کے لیے امیر بنایا گیا۔ یہ سپہ سالار اسی ترتیب سے مدینہ سے شام روانہ ہوئے۔ ان میں سوائے شرحبیل کے باقی تمام سپہ سالار قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ شرحبیل قبیلہ کندہ اور بعض روایات کے مطابق قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔

یہ تمام امراء مدینہ سے چل کر شام پہنچے۔ یزید بن ابوسفیان بلقاء پہنچ گئے۔ شرحبیل کی منزل اردن تھی۔ ابوعبیدۃ کی جابیہ اور عمرو بن العاص کی عربہ۔ جب رومیوں کو ان امراء کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ہرقل کو جو اس وقت بیت المقدس میں تھا، تمام حالات سے مطلع کیا۔ چنانچہ ہرقل وہاں سے حمص پہنچا اور ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کیا۔ ہرقل کے پاس فوجوں کی کمی نہیں تھی۔ اس نے ہر اسلامی سپہ سالار کے مقابلے میں اس کی فوج سے کئی گنا زیادہ فوج تیار کی اور اسے ہر قسم کے سامان حرب اور اسلحہ سے لیس کیا۔ رومیوں کی اس عظیم الشان تیاری کو دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا خوف محسوس ہوا اور انہوں نے عمرو بن العاص اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس قاصد بھیجے کہ اب کیا کیا جائے۔ عمرو بن العاص نے تمام سپہ سالاروں کو کہلا بھیجا کہ میری رائے میں بہترین صورت یہ ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں کیونکہ اگر ہم سب مل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے تو ہماری قلت تعداد کے باوجود دشمن ہم پر غلبہ نہیں پا سکے گا۔ لیکن اگر ہم الگ الگ رہے تو ہم میں سے ایک متنفس بھی باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے مقابلے پر بڑی بڑی فوجیں تیار کی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ یرموک کے مقام پر تمام اسلامی فوجیں جمع ہو جائیں اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کو وہی مشورہ دیا جو عمرو بن العاص دے چکے تھے۔ آپ نے انہیں لکھا:

''تم سب جمع ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مشرکین کی فوجوں سے لڑو۔ تمہارا شمار دین اللہ کے مددگاروں میں ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ تم جیسے لوگ قلت تعداد کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے، دس ہزار بلکہ اس سے کہیں زیادہ بھی اگر گناہوں کے طرف دار بن کر اٹھیں گے تو وہ دس ہزار سے ضرور مغلوب ہو جائیں گے۔ تم گناہوں سے بچو اور یرموک میں مل کر کام کرنے کے لیے جمع ہو جاؤ۔ تم میں سے ہر امیر اپنی فوج کے ساتھ نماز ادا کرے۔''

جب ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمان یرموک میں جمع ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے سپہ سالاروں کو لکھا کہ تم مسلمانوں کے مقابلے کے لیے رومی فوجوں کو ایسے مقام پر ٹھہراؤ جس میں کافی گنجائش اور وسعت ہو اور بھاگنے والوں کے لیے راستہ تنگ ہو جائے۔ ہرقل سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ مسلمان اس معرکے میں سردھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ وہ اس ارادہ سے آئے ہیں کہ یا وہ رومی لشکر کو فنا کر دیں گے یا خود فنا ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ معرکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ثابت ہوگا۔ اگر اس میں مسلمان کامیاب نہ ہو سکے تو آئندہ وہ شام کے دوسرے شہروں پر چڑھائی کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکیں گے اور اگر رومی کامیاب نہ ہو سکے تو انہیں ہمیشہ کے لیے شام سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ چنانچہ ہرقل نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نہایت عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ سالاران لشکر کے تعین کے علاوہ اس نے کئی پادری اور راہب بھی اس کام کے لیے مقرر کر دیے کہ وہ لشکر میں پھر کر انجیل کی آیات پڑھتے رہیں اور رومیوں کو جنگ کے لیے جوش دلاتے رہیں۔

رومی سالاروں نے ہرقل کے احکام کے مطابق واقوصہ میں اپنی فوجوں کو ٹھہرایا۔ واقوصہ کی وادی، دریائے یرموک کے کنارے واقع ہے۔ اس وادی نے انکے لیے خندق کا کام دیا۔

رومی سرداروں کی یہ زبردست کوشس تھی کہ ان کے لشکر سے مسلمانوں کا خوف اور دہشت نکل جائے تا کہ وہ اطمینان سے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان

تھوڑی تعداد میں ہیں اور رومیوں کا لشکر ان سے کئی گنا ہے تو انہوں نے اپنی فوج کو حوصلہ اور فتح کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ ادھر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ رومی لشکر واقوصہ پہنچ گیا ہے تو انہوں نے اپنے معسکر سے اٹھ کر رومیوں کے بالکل سامنے ان کے راستے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جس سے رومیوں کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن العاص پکار اٹھے: ''لوگو! تمہیں مبارک ہو، رومی بالکل محصور ہو گئے ہیں اب وہ تمہارے گھیرے سے نکل نہیں سکتے۔''

مسلمان صفر سے لے کر ربیع الثانی ۱۳ھ تک رومیوں کے سامنے ان کا راستہ روکے پڑے رہے، نہ وہ رومیوں کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ ان تک پہنچ ہی سکے۔ واقوصہ کی گھاٹی رومیوں کے پیچھے تھی اور خندق ان کے آگے۔ جب کبھی وہ باہر نکلنے کا ارادہ کرتے، مسلمان انہیں پیچھے ہٹا دیتے۔

مسلمانوں نے ابتداء ہی میں (یعنی ماہ صفر میں) رومیوں کے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدد بھیجنے کے لیے درخواست روانہ کر دی تھی۔ جب قاصد یہ درخواست لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی مدد کے لیے خالد جائیں گے۔ اللہ کی قسم! خالدؓ بن ولید رومیوں کے دماغوں سے شیطانی وسوسے نکال دے گا۔''
چنانچہ آپ نے سیدنا خالد کو وہ خط لکھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے اور جو سیدنا خالدؓ کے حج کرنے اور حیرہ پہنچنے کے بعد انہیں ملا۔ صدیق اکبر کا حکم یہ تھا کہ خالدؓ بن ولید، مثنیٰ بن حارثہ کو نصف لشکر کے ساتھ عراق میں چھوڑ دیں اور باقی نصف لشکر کے ہمراہ خود شام روانہ ہو جائیں اور جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں فتح سے ہم کنار کر دے تو وہ اپنے مفوضہ کام کی بجا آوری کے لیے واپس عراق آ جائیں۔ جب سیدنا خالد کو یہ حکم ملا تو آپ نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ان لوگوں کو چنا جنہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔ مثنیٰ نے کہا کہ تقسیم اس طرح ہونی چاہیے جس طرح سیدنا صدیقؓ نے حکم دیا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے صحبت یافتہ افراد کی نصف تعداد میرے حصے میں بھی آ سکے، آخر سیدنا خالد کو مثنیٰ کی بات ماننا پڑی۔

سیدنا خالد حیرہ سے چل کر قراقر پہنچے۔ قراقر عراق کی سرحد کے قریب سماوہ کے علاقے میں بنو کلب کا چشمہ تھا۔ وہاں سے آپ نے سویٰ پہنچنا چاہا۔ سویٰ قبیلہ بہراء کا چشمہ تھا۔ اس کی دوسری

طرف کا علاقہ شام سے متصل تھا۔آپ کا خیال تھا کہ اگر آپ معروف راستے سے گئے تو رومی آپ کو راستے میں روک لیں گے اور مسلمانوں کی امداد کے لیے نہ پہنچنے دیں گے۔اس لیے ایسے راستے سے جانا چاہئے جس سے آپ رومیوں کے عقب پر پہنچ جائیں۔اس راستے سے جانے کے لیے آپ نے رہبر طلب فرمایا۔لوگوں نے رافع بن عمیرۃ الطائی کا نام بتایا۔جب آپ نے اس سے راستہ بتانے کو کہا تو وہ کہنے لگا: آپ گھوڑوں اور اتنے ساز و سامان کے ساتھ اس راستے سے نہیں گزر سکتے۔راستہ ایسا ہے کہ اس پر سے صرف ایک سوار گزر سکتا ہے اور وہ بھی بے خوف و خطر نہیں۔پوری پانچ راتوں کا سفر ہے۔راستے سے بھٹکنے کے خوف کے علاوہ پانی کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ہے۔'' سیدنا خالدؓ نے فرمایا: '' خواہ کچھ ہو جائے مجھے تو اسی راستے سے جانا ہے کیونکہ مجھے امیر المؤمنین نے بے حد ضروری حکم دیا ہے تم بتاؤ اس راستے سے چلنے کے لیے کیا کیا انتظامات کیے جائیں۔'' رافع نے کہا: '' اگر آپ ضرور اسی راستے سے جانا چاہتے ہیں تو پھر لوگوں کو حکم دیجئے کہ وہ بہت سا پانی ساتھ لے لیں اور جس جس سے ہو سکے وہ اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر اس کا کان باندھ دے۔کیونکہ یہ سفر بے انتہا خطرات کا حامل ہے۔اس کے علاوہ بیس اونٹنیاں بڑی موٹی تازی اور عمر رسیدہ مہیا کی جائیں۔'' سیدنا خالدؓ نے رافع کو اس کی خواہش کے مطابق اونٹنیاں مہیا کر دیں۔رافع نے پہلے انہیں خوب پیاسا رکھا۔جب وہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو گئیں تو انہیں خوب پانی پلایا۔جب وہ سیر ہو گئیں تو ان کے ہونٹ چھید کر باندھ دیئے تا کہ جگالی وغیرہ نہ کر سکیں اس کے بعد سیدنا خالدؓ سے کہا کہ اب فوج کو کوچ کا حکم دیجئے۔سیدنا خالد اپنے لشکر اور ساز و سامان کو لے کر اس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔جہاں کہیں پڑاؤ کرتے، ان میں سے چار اونٹنیوں کے پیٹ چاک کرتے جو کچھ ان کے معدے سے نکلتا وہ گھوڑوں کو پلا دیتے اور جو پانی ساتھ تھا وہ خود پیتے۔

جب صحراء میں سفر کا آخری دن آیا تو سیدنا خالدؓ نے رافع سے جنہیں آشوب چشم کی شکایت تھی کہا کہ پانی ختم ہو چکا ہے اب کیا کرنا ہے؟'' رافع نے جواب دیا: '' گھبرایئے نہیں۔ہم ان شاء اللہ جلدی پانی تک پہنچ جائیں گے۔'' تھوڑی دور آگے چل کر جب فوج دو ٹیلوں کے درمیان پہنچی تو رافع نے لوگوں سے کہا: '' دیکھو یہاں عوسج کی کوئی جھاڑی آدمی کے سر کی مانند نظر آتی ہے۔؟'' انہوں نے کہا: '' ہمیں تو ایسی کوئی جھاڑی نظر نہیں آتی۔'' اس پر رافع نے گھبرا کر کہا: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا

اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ افسوس اب تم بھی ہلاک ہوئے اور میں بھی۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو جس طرح ہو سکے اُسے ڈھونڈ نکالو۔" آخر بڑی تلاش سے وہ جھڑی ملی مگر کسی نے اسے کاٹ دیا تھا اور صرف اس کا تنا باقی رہ گیا تھا۔ جھاڑی ملنے پر مسلمانوں نے بڑے زور سے تکبیر کہی۔ رافع نے کہا: "اب اس جھاڑی کی جڑ کے قریب مٹی کھودو۔" مٹی کھودنے سے وہاں ایک چشمہ نکل آیا جس سے سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد راستے میں سیدنا خالد کو کوئی دقت اور پریشانی لاحق نہیں ہوئی اور وہ جلد از جلد سفر طے کرتے ہوئے سوئی پہنچ گئے۔ اس واقعہ کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے:

"اللہ تعالیٰ رافع کو جزائے خیر دے، اس نے قراقر سے لے کر سوئی تک کے راستے تک مسلمانوں کی رہنمائی کی۔ جب لشکر اس راستہ پر سے گزرا تو اسے پانچ روز تک سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، یہ راستہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار تھا اور اس سے قبل کسی انسان کا اس پر سے شاید ہی گزر رہا ہو۔"

جب سیدنا خالدؓ صبح سے ذرا پہلے سوئی پہنچے تو پہنچتے ہی آپ نے بستی پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ایک جماعت شراب نوشی میں مشغول تھی۔ درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا اور مغنی جس کا نام حرقوص تھا یہ اشعار گا رہا تھا:

"اے دوستو! مجھے ابو بکر کے لشکر کے پہنچنے سے قبل شراب پلا دو۔ شاید ہماری موت کا وقت قریب ہو اور ہم اس سے بے خبر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ صبح سے قبل مسلمانوں کا لشکر خالد کی سرکردگی میں بشر کی طرف سے تم پر حملہ کر دے گا۔"

کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ "ابو بکر کا لشکر" اس ہیبت ناک اور پر خوف جنگل میں سے گزر کر عین اسی وقت ان کے سروں پر پہنچ سکتا ہے۔ سیدنا خالدؓ نے پہنچتے ہی مغنی پر حملہ کر کے اس کی گردن اڑا دی اور اس کا سر کونڈے میں جا پڑا۔ وہاں سے مسلمان مال غنیمت حاصل کر کے آگے بڑھے اور ارک پہنچے۔ ارک صحرائے حلب کے آخر میں تدمر کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کی نواحی زمین، سرسبز شاداب ہے اور وہاں کھجور اور زیتون کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں نے مصالحت کر لی۔ ارک سے آپ تدمر

پہنچے۔ تدمر، صحرائے شام میں ایک پرانا اور مشہور قصبہ ہے۔ اس کے اور حلب کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے۔ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے، لیکن آخر کار انہوں نے صلح کر لی۔

تدمر سے آپ قریتین پہنچے جو صحراء شام میں حمص کے علاقے میں ایک بڑا قصبہ ہے۔ اس کے باشندوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ وہاں سے مال غنیمت حاصل کر کے آپ نے حوارین کا رخ کیا۔ وہاں کے باشندے بھی لڑائی کے لیے تیار تھے۔ لڑائی ہوئی جس میں انہیں شکست ہوئی۔ سیدنا خالدؓ نے وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔ وہاں سے چل کر آپ قصم پہنچے جو عراق کی سرحد پر صحراء شام کے قریب ایک بستی ہے۔ وہاں کے باشندوں نے جو قضاعہ کی شاخ، بنو مشجعہ سے تعلق رکھتے تھے، صلح کر لی۔ وہاں سے روانہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کا سیاہ علم "عقاب" اڑاتے ہوئے "ثنیۃ العقاب" پہنچے۔ "ثنیۃ العقاب" دمشق کے شمال میں ایک درہ ہے۔ یہاں سے دمشق اور غوطہ کا میدان سامنے نظر آتا ہے۔ وہاں سے مرج راہط روانہ ہوئے۔ مرج راہط، دمشق کے مشرق میں غوطہ کے ایک سبزہ زار کا نام ہے۔ یہاں غسانیوں سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ آپ نے انہیں شکست دے کر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے آپ نے فوج کا ایک دستہ غوطہ کی جانب روانہ کیا جو کامیاب و کامران ہو کر واپس آ گیا۔ مرج راہط سے چل کر آپ بصریٰ پہنچے۔ وہاں کے باشندے پہلے تو مقابلے پر آئے لیکن پھر صلح کر لی۔ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو سیدنا خالدؓ اور عراقی فوج کے ہاتھوں فتح ہوا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے خمس سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا اور آگے چل کھڑے ہوئے۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ سیدنا خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے ابوعبیدہ بن الجراحؓ، شرحبیل بن حسنہؓ اور یزید بن سفیانؓ یہاں موجود تھے اور ان سب سرداروں نے مل کر شہر کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے چلے گئے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ بات ٹھیک نہیں۔ بصریٰ کو صرف سیدنا خالدؓ نے فتح کیا اور ان سب سالاروں سے آپ یرموک میں جا کر ملے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطوط اور دیگر واقعات سے بھی ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

ماہ ربیع الاول ۱۳ھ میں آپ یرموک پہنچ گئے۔ اُدھر باہان بھی رومی فوجوں کی مدد کے

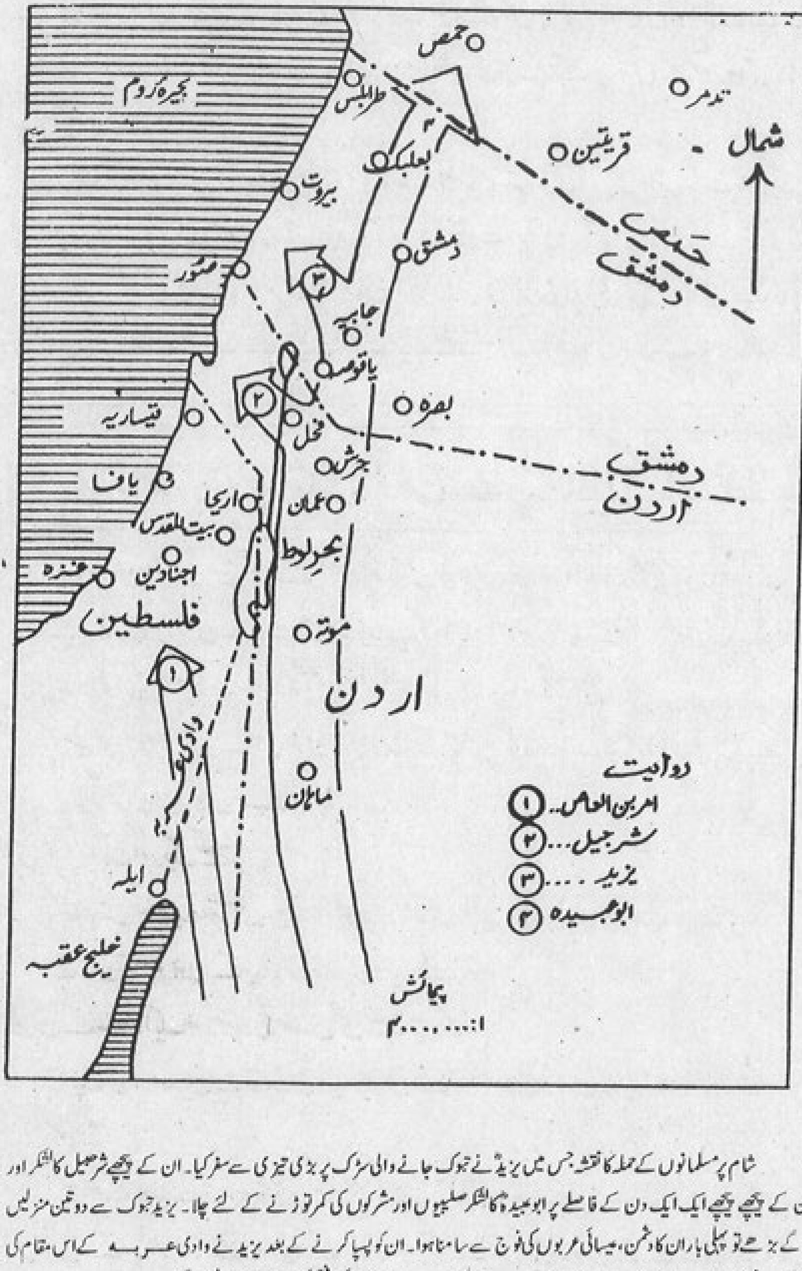

شام پر مسلمانوں کے حملے کا نقشہ جس میں یزیدؓ نے تبوک جانے والی سڑک پر بڑی تیزی سے سفر کیا۔ ان کے پیچھے شرحبیل کا لشکر اور ان کے پیچھے پیچھے ایک ایک دن کے فاصلے پر ابوعبیدہؓ کا لشکر صلیبیوں اور مشرکوں کی کمر توڑنے کے لئے چلا۔ یزید تبوک سے دو تین منزلیں آگے بڑھے تو پہلی بار ان کا دشمن، عیسائی عربوں کی فوج سے سامنا ہوا۔ ان کو پسپا کرنے کے بعد یزید نے وادی عربہ کے اس مقام کی طرف رخ کیا جہاں یہ وادی بحیرہ مردار کے کنارے سے جا ملتی ہے۔ یوں شام کی فتح کی طرف قدم اٹھنے لگے......

لیے پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ پادری اور راہب بھی تھے جن کا کام رومیوں کو جنگ کے لیے ابھارنا اور جوش دلانا تھا۔ مسلمان سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پہنچنے پر خوش تھے اور رومی باہان کے پہنچنے پر۔

ان جنگوں کے ذکر سے پہلے جو سیدنا خالد کو شام میں پیش آئیں، اس بات کا فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ ان معرکوں میں سیدنا خالدؓ کی حیثیت کیا تھی۔ آیا ان کی حیثیت شام میں سپہ سالار اعظم کی تھی یا وہ دوسرے مسلمان سرداروں کی طرح جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے یرموک پہنچے تھے۔ صرف اپنی اس فوج کے سپہ سالار تھے جو عراق سے ان کے ساتھ آئی تھی؟

کیا خالدؓ بن ولید شامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے؟

خالدؓ بن ولید کی حیثیت کے متعلق مؤرخین کی بیان کردہ روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ طبری کی بعض روایات میں مذکور ہے کہ خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق نے خالدؓ بن ولید کو افواج شام کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے ان افواج کو یرموک کے مقام پر مجتمع ہو جانے کا حکم دیا اور عراق سے سیدنا خالدؓ بن ولید کو ان سب کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔''

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''شام میں ابو عبیدہ، شرحبیل، یزید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اپنی اپنی فوجیں لیے ہوئے موجود تھے۔ ان تمام فوجوں کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید تھے۔''

طبری کے علاوہ ایک اور مؤرخ مقدسی بھی لکھتے ہیں کہ:

''سیدنا ابو بکر صدیق نے خالدؓ بن ولید کو عراق سے تمام اسلامی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر شام بھیجا۔''

تاہم یہ روایات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ سیدنا خالدؓ بن ولید صرف اس فوج کے سپہ سالار تھے جو ان کے ساتھ عراق سے آئی تھی۔ اس دعوے کے ثبوت میں

مندرجہ ذیل امور پیش کیے جاسکتے ہیں:

① سیدنا خالد کو امراءِ شام کی معاونت اور امداد کے لیے بھیجا گیا تھا، ان پر امیر بنا کر نہیں۔

② طبری میں مذکور ہے کہ جب یرموک پر تمام فوجیں اکٹھی ہوگئیں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں تو ہر فوج سیدنا صدیق کے حکم کے ماتحت اپنے ہی امیر کے پیچھے نماز ادا کرتی تھی۔ البتہ بعض اوقات کوئی امیر کسی دوسرے امیر کے پیچھے بھی نماز ادا کر لیتا تھا۔ جب سیدنا خالدؓ وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو ایک طرف ٹھہرایا اور علیحدہ نماز ادا کی۔ اگر وہ سپہ سالار اعظم ہوتے تو انہیں علیحدہ نماز ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں تو تمام فوجوں کا امام ہونا چاہیے تھے۔

③ جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ نے تمام امراء کو اکٹھا کر کے انہیں یہ مشورہ دیا کہ موجودہ حالت میں علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تمام فوجوں کو ملا دیا جائے اور باری باری ہر امیر قیادت کے فرائض انجام دے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ درخواست کی کہ اگلے روز کے لیے انہیں امیر مقرر کر دیا جائے۔ اگر آپ سپہ سالار اعظم ہوتے تو آپ کو ایسا مشورہ دینے اور ایسی درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

④ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب خالدؓ بن ولید بصریٰ پہنچے اور اسلامی افواج سے ملے تو تمام سپہ ساروں نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر منتخب کرلیا۔ اس روایت سے یہ بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ بن ولید کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے سپہ سالار اعظم مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ خود اسلامی افواج کے امراء نے آپ کی جنگی قابلیت کو دیکھ کر انہیں اپنا امیر بنالیا تھا۔

جنگ یرموک

رومیوں سے لڑنے کے لیے مسلمانوں کی فوجیں یک جا نہیں تھیں بلکہ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے امیر کے ماتحت چھاؤنیوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے سخت

خطرناک تھی۔ رومیوں کے عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کا کوئی لشکر بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ طبری کے بیان کے مطابق رومیوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن مسلمانوں کی مجموعی تعداد چھتیس ہزار اور بعض روایات کے مطابق چھیالیس ہزار تھی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کو بھی رومیوں کی عظیم الشان فوج کے مقابلے میں کوئی نسبت نہیں تھی چہ جائے کہ علیحدہ علیحدہ ہر لشکر کی کچھ حیثیت ہوتی۔

سید امیر علی، یرموک کے متعلق لکھتے ہیں:

یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو حوران کی سطح سے نکل کر جھیل گیلیلی کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ دونوں دریاؤں کے مقام اتصال سے تیس میل اوپر دریائے یرموک نصف دائرے کی صورت میں ایک چکر کاٹتا ہے جس سے اتنا وسیع میدان بن جاتا ہے کہ اس میں ایک پوری فوج سما سکتی ہے۔ اس دریا کے کنارے پر گہرے کھڈ تھے۔ اسی گھائی کو واقوصہ کہتے ہیں جسے اسلامی تاریخ میں زبردست شہرت حاصل ہے۔''

جب سیدنا خالدؓ یرموک پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ ہر فوج اپنے اپنے امیر کے ماتحت علیحدہ علیحدہ مقیم ہے اور علیحدہ ہی نماز پڑھتی ہے تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو علیحدہ ہی ٹھہرایا اور علیحدہ ہی نماز پڑھی۔ اس وقت مسلمان رومیوں کی عظیم الشان فوج کو دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے اور رومی باہان اور اس کی فوجوں کے آنے سے خوش تھے۔ سیدنا خالدؓ کے پہنچنے پر طرفین میں لڑائی شروع ہوئی ۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی اور وہ پسپا ہو کر خندقوں تک ہٹ گئے۔ ایک مہینے تک یہ لوگ لڑائی کے لیے آگے نہ بڑھے۔ پادری اور راہب اس عرصے میں انہیں جوش وخروش دلاتے رہے اور یہ کہہ کر ان کے مذہبی جذبات کو ابھارتے رہے کہ اگر اس موقع پر تم نے بزدلی دکھائی تو پھر عیسائیت کا خاتمہ ہے۔ پادریوں کی تدابیر کارگر ثابت ہوئیں۔ پورے ایک ماہ بعد رومی ایک ایسے ولولے اور جوش کے ساتھ میدان میں نکلے جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی۔

جب مسلمانوں نے رومیوں کی جنگی تیاریاں دیکھیں تو وہ بھی علیحدہ علیحدہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ سیدنا خالدؓ نے اس طریقے کو پسند نہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ اس طرح

رومیوں کا پلہ بھاری رہے گا اور مسلمانوں کو سراسر نقصان ہوگا۔ رومیوں کا لشکر ڈھائی لاکھ اشخاص پر مشتمل تھا اور ایک کمان کے تحت پوری طرح منظم۔ اگر اسلامی فوجوں نے ان سے علیحدہ علیحدہ جنگ کی تو مسلمانوں کے حصے میں سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں آئے گا۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ پانچوں اسلامی فوجوں کو ایک ہی نظام میں منسلک کر دیا جائے اور وہ ایک ہی امیر کے ماتحت منظم اور مجتمع ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ چنانچہ آپ نے تمام امراء کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''آج کا دن اللہ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے۔ آج کسی کے لیے فخر ومباہات اور خود آرائی اور خودستائی مناسب نہیں۔ جہاد خالص اللہ کے لیے کرو اور اپنے اعمال کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو! آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم جو ہر طرح منظم اور مرتب ہے، تمہارا علیحدہ علیحدہ لڑنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ اگر انہیں جو تم سے دور ہیں۔ (یعنی سیدنا ابوبکر صدیق) تمہارے حالات کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے۔ بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم تو نہیں ملا لیکن تم اس معاملے کو اس طرح سرانجام دو گویا یہ تمہارے خلیفہ اور اس کے خیر خواہوں کا حکم ہے۔''

سیدنا خالد کی تقریر سن کر امراء نے کہا: ''آپ ہی فرمایئے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟'' آپ نے فرمایا:

''ابوبکر نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہ مہم بآسانی سر کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالت کا علم ہوتا تو وہ ضرور تمہیں اکٹھا رکھتے۔ جن حالات سے تم گزر رہے ہو، وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور مشرکین کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم علیحدہ علیحدہ ہو، مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو الگ الگ شہر کے لیے نامزد کیا گیا ہے لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نہ تمہارے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ اللہ اور امیر المؤمنین کے نزدیک تمہارا درجہ کم ہوگا۔ ذرا دیکھو تو سہی دشمن نے کتنی زبردست تیاری کر رکھی ہے۔ یاد رکھو! اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلتے ہی رہیں گے لیکن اگر انہوں نے

ہمیں شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ میری تجویز اس بارے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو باری باری امارت کا موقع ملنا چاہیے۔ اگر آج ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پرسوں تیسرا، ترسوں چوتھا۔ یہاں تک کہ ہر شخص کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا آج کے دن کے لیے تم مجھے امیر بنا دو۔''

سیدنا خالدؓ کی رائے نہایت معقول تھی۔ تمام امراء اس پر متفق ہو گئے اور پہلے روز کے لیے انہوں نے سیدنا خالدؓ کو امیر مقرر کر دیا۔ مسلم مجاہدین یہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کی یورش آج بھی عام دنوں کی طرح ہی ہو گی اور لڑائی بہر حال طول کھینچے گی۔ اس لیے باری باری ہر ایک کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔ سیدنا خالدؓ نے لشکر کو جس طریقے سے مرتب کیا وہ عربوں کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ آپ نے اسلامی لشکر کو اڑتیس دستوں میں منقسم کیا۔ ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ آپ نے فرمایا: ''تمہارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اپنی کثرت تعداد پر نازاں ہے۔ اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم اپنی فوج کو بہت سے دستے بنا دیں تا کہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آئے۔'' قلب میں آپ نے اٹھارہ دستے رکھے اور ابو عبیدہؓ کو ان کا سردار بنایا۔ ان دستوں میں عکرمہ بن ابو جہل اور قعقاع بن عمرو بھی شامل تھے۔ میمنہ پر آپ نے دس دستے متعین کیے اور ان کا سردار عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان دستوں میں شرحبیل بن حسنہ بھی تھے۔ میسرہ پر دس دستے متعین کیے اور ان کا سردار یزید بن ابو سفیان کو مقرر کیا۔ ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو میمنہ، میسرہ اور قلب کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا۔ ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو اپنی بہادری، جوانمردی اور شجاعت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مثلاً قعقاع بن عمرو، عکرمہ بن ابو جہل، عیاض بن غنم، ہاشم بن عتبہ اور عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید (سیدنا خالدؓ کے بیٹے کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔)

سیدنا خالدؓ نے اس ترتیب کے علاوہ لشکر کا ہراول دستہ بھی بنایا تھا۔ جس کا سردار قیاث بن اشیم کو مقرر کیا۔ قاضی کی خدمت سیدنا ابو درداء کے سپرد ہوئی۔ لشکر کے قاری سیدنا مقداد تھے جو لشکر کو سورہ انفال (جس میں جہاد کا ذکر ہے) پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ سامان کے افسر سیدنا عبداللہ بن مسعود

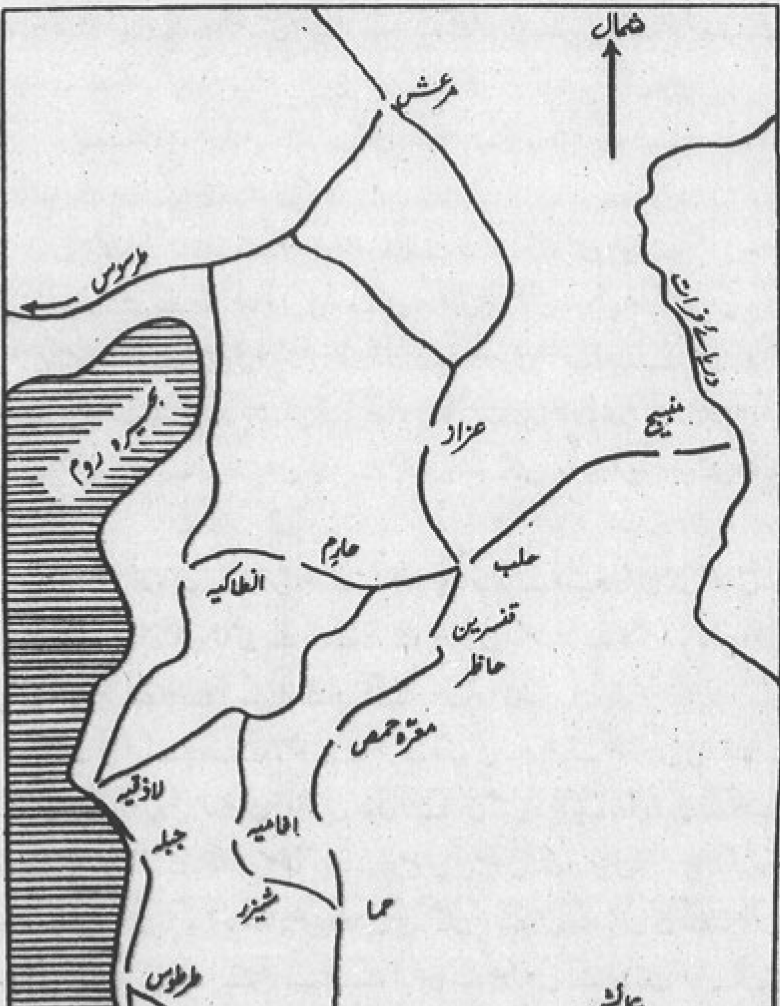

جونہی حلب فتح ہوا تو ابوعبیدہؓ نے مالک بن اشتر کی قیادت میں ایک دستہ ''عزاز'' مقام پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تا کہ یہ یقین ہو جائے کہ اب حلب کے شمال میں کوئی بڑی رومی فوج باقی نہیں رہ گئی جو وہاں سے ایسے وقت میں مسلمانوں کے پہلو اور عقب پر حملہ

کرنے کے قابل ہو جب وہ اپنی اگلی مہم میں مصروف ہوں۔ چنانچہ جب مالک نے یوقنہ کی مدد کے ساتھ ''اعزاز'' پر قبضہ کر لیا اور واپس آئے تو ابوعبیدہؓ نے انطاکیہ کو فتح کرنے کے لئے مغرب کی طرف کوچ کر دیا۔

تھے۔واعظ ابوسفیان تھے۔وہ لشکر میں گشت کرتے رہتے تھے اور ہر دستے کے سامنے ٹھہر کر کہتے تھے:

''اللہ اللہ تم حامیان عرب ہو اور دین اسلام کے مددگار۔تمہارے مدمقابل حامیان روم اور شرک کے مددگار ہیں۔اے اللہ! آج کی جنگ صرف تیرے نام کے لیے ہے۔اے اللہ! اپنے بندوں پر اپنی مدد نازل فرما۔''

ان انتظامات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ سیدنا خالدؓ بن ولید نے لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد مسلمانوں کی قوت میں ایزادی اور جوش وخروش اور دشمن پر فتح پانے کا عزم صمیم پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔دوسری طرف آپ نے دشمن کے دل میں جو اپنی طاقت اور کثرت پر نازاں تھا، مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا اور اس کے تمام عزائم پر اوس پڑ گئی۔یہ ترتیب اور نظام اس نظام سے چنداں مختلف نہیں جو آج کل جنگوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔

ان تمام انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا خالدؓ نے قلب کو، جس میں قعقاع بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل شامل تھے، آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔یہ دونوں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور جنگ شروع کر دی۔

جنگ کی آگ پورے زور شور سے بھڑک اٹھی تھی۔ہر طرف گھوڑوں کی ہنہناہٹ، نیزوں اور تلواروں کی جھنکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔یکایک رومی فوج کے قلب کا سردار جرجہ اپنے لشکر سے نکلا اور مسلمانوں اور رومیوں کی صفوں کے درمیان آکر پکارا کہ خالدؓ میرے پاس آئیں۔سیدنا خالدؓ، ابوعبیدہ کو اپنی جگہ متعین کر کے اس کے پاس پہنچ گئے۔دونوں سردار ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کے گردنیں آپس میں مل گئیں۔جرجہ نے کہا: ''اے خالدؓ! میں تم سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ان کے جوابات صحیح دینا۔جھوٹ نہ بولنا کیونکہ شریف آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔نہ ہی مجھے دھوکہ دینا کیونکہ کریم النفس انسان کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔اس کے بعد خالدؓ اور جرجہ کے درمیان مندرجہ ذیل مکالمہ ہوا:

جرجہ : پہلی بات تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر آسمان

سے کوئی تلوار اتاری تھی جو انہوں نے تمہیں دے دی اور اسی کی برکت ہے کہ جس قوم پر تم تلوار استعمال کرتے ہو وہ شکست کھا جاتی ہے؟''

خالدؓ : ''نہیں۔''

جرجہ : ''پھر تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟''

خالدؓ : ''اللہ نے ہم میں اپنے نبی ﷺ کو پیدا کیا۔انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا۔ شروع میں تو ہم سب نے انکا انکار کیا لیکن پھر ہم میں سے بعض نے انہیں قبول کر لیا اور ان کی اطاعت اختیار کر لی لیکن بعض بدستور انکار اور تکذیب کرتے رہے۔ میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے آپ کا انکار کیا، آپؐ سے دور دور رہے اور آپ سے لڑے۔ پھر اللہ نے ہمارے دلوں پر قبضہ کر کے ہمیں ہدایت دی اور ہم نے نبی کی اطاعت اختیار کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم اللہ کی تلوار ہو جسے اس نے مشرکین پر مسلط کیا ہے۔ ساتھ ہی آپؐ نے میری فتح مندی کی دعا بھی فرمائی۔ اس وجہ سے میرا لقب ،سیف اللہ پڑ گیا اور اس وجہ سے میں مشرکوں کے لیے سب سے سخت مسلمان ہوں۔''

جرجہ : ''تم ٹھیک کہتے ہو۔اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو؟''

خالدؓ : ''میں تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اقرار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

جرجہ : ''اگر کوئی شخص ان باتوں کو قبول نہ کرے، تب کیا صورت ہوگی؟''

خالدؓ : ''تب وہ جزیہ ادا کرے۔ ہم اس کی جان و مال کے محافظ ہوں گے۔''

جرجہ : ''اگر وہ جزیہ بھی ادا نہ کرنا چاہے؟''

خالدؓ : ''تب ہم اسے لڑائی کی دعوت دیں گے اور اس سے جنگ کریں گے۔''

جرجہ : ''اس شخص کا کیا رتبہ ہوگا جو آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے اور تمہاری دعوت قبول کر لے؟''

خالدؓ : ’’اللہ نے جو فرائض ہم پر عائد کیے ہیں ان کے لحاظ سے ادنیٰ، اعلیٰ، اول اور آخر سب برابر اور ہم رتبہ ہیں۔‘‘

جرجہ : ’’جو شخص آج تمہارے دین میں داخل ہو جائے کیا اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو تمہیں ملتا ہے؟‘‘

خالدؓ: ’’بے شک! اسے وہی اجر اور ثواب ملے گا جو ہمیں ملے گا۔ بلکہ ہم سے بھی زیادہ۔‘‘

جرجہ: ’’وہ کس طرح ثواب میں تمہارا ہم رتبہ ہوگا جب کہ تم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہو؟‘‘

خالدؓ : ’’جب ہم دین اسلام میں داخل ہوئے اس وقت رسول اللہ بقید حیات تھے۔ آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ ہمیں زمین و آسمان کی خبریں سناتے تھے جس شخص کو وہ ایمان افروز نظارے دیکھنے کا موقع ملا جو ہم نے دیکھے اور ان آیات الٰہی کے سننے کا موقع ملا جو ہم نے سنیں، اس کے لیے تو لازم تھا کہ وہ اسلام لاتا اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتا۔ لیکن تم لوگ کہ جنہوں نے نہ وہ چیزیں دیکھیں جنہیں دیکھنے کا ہمیں موقع ملا اور نہ وہ عجیب و غریب باتیں سنیں جنہیں سننے کا ہمیں موقع ملا۔ اگر صدق دل اور خلوص نیت سے (بغیر مشاہدہ کیے اور پرکھے) دین اسلام میں داخل ہو گے تو ہم سے افضل ہو گے۔‘‘

جرجہ : ’’مجھ سے قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ سب باتیں سچ کہی ہیں۔‘‘ مجھے دھوکا تو نہیں دیا اور میرا دل خوش کرنا تو نہیں چاہا؟‘‘

خالدؓ: ’’میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ مجھے تمہارا یا کسی اور کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا میں نے ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔‘‘

جرجہ : ’’تم ٹھیک کہتے ہو‘‘

یہ کہہ کر اس نے اپنی ڈھال الٹ دی اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیا اور ان سے درخواست کی کہ ’’مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے۔‘‘ سیدنا خالدا سے اپنے خیمے میں لے گئے اور پانی

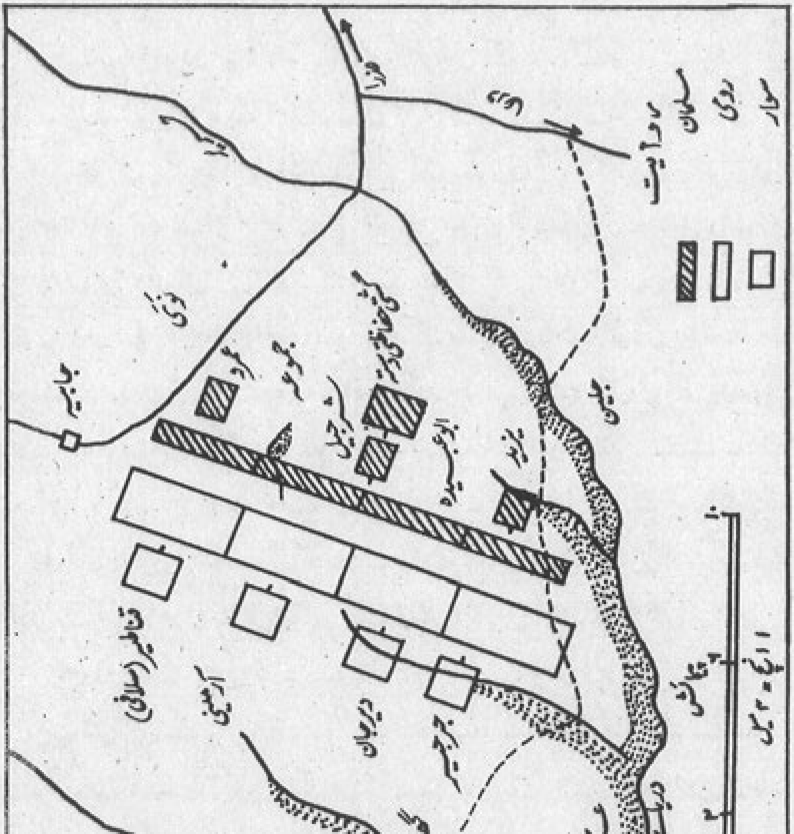

سیدنا ابوعبیدہؓ کی امارت میں سیدنا خالد کی ہدایات وقیادت کی نگرانی میں لڑی گئی مشہور جنگ یرموک میں مسلمانوں اور رومیوں کی میدان کارزار میں صف بندی کا ایک منظر اور جنگ کے مقام کی جغرافیائی پوزیشن۔

کی ایک مشک مہیا کی جس سے اس نے غسل کیا۔ پھر سیدنا خالدؓ نے اسے وضو کرایا اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

جب یہ رومی سردار سیدنا خالدؓ کے ساتھ چلا تو رومی سمجھے کہ ان کے سردار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ خیال کر کے انہوں نے بھی مسلمانوں کو ان کی جگہوں سے پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن مددگار دستے جن پر عکرمہ اور حارث بن ہشام متعین تھے، اپنی جگہ جمے کھڑے رہے۔ اسی اثنا میں سیدنا خالدؓ جرجہ کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آئے۔ اس وقت رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو للکارا جس پر ان کے قدم جم گئے۔ انہوں نے رومیوں پر حملہ کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ کوئی شخص بھی سیدنا خالدؓ کے مقابلے میں میدان میں قائم نہ رہ سکا۔ خالدؓ اور جرجہ حملہ کرتے تھے تو صفیں کی صفیں پلٹ دیتے تھے۔ سیدنا خالدؓ اور جرجہ صبح سے لے کر مغرب تک برابر رومیوں سے لڑتے رہے۔ آخر کار جرجہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے سوائے ان دو رکعتوں کے جو اسلام لانے کے وقت ادا کی تھیں اور کوئی نماز ادا نہیں کی۔ جنگ کی شدت کے باعث مسلمان باقاعدہ نمازیں ادا نہ کر سکے اور انہوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں میدان جنگ ہی میں اشاروں کے ساتھ ادا کیں۔

مسلمانوں کے حملے کی شدت کے باعث رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سیدنا خالدؓ ان کے قلب میں گھس گئے۔ میدان جنگ لڑنے کے لیے تو بے حد وسیع تھا، مگر بھاگنے کے لیے بہت تنگ تھا۔ جب سیدنا خالد لڑتے ہوئے آگے بڑھ آئے تو رومیوں کے گھوڑوں کو بھاگنے کے لیے راستہ مل گیا۔ اور وہ بے تحاشا صحراہ کی جانب بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے بھی ان سے تعرض نہ کیا بلکہ بھاگنے کے لیے راستہ دے دیا۔ رومی سوار بھاگ کر جہاں جس کے سینگ سمائے چل دیئے۔

سوار تو بھاگ گئے مگر پیدل فوج کو بھاگنے کے لیے راستہ نہ ملا۔ اب سیدنا خالدؓ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندق میں گھس گئے۔ سیدنا خالدؓ وہاں بھی پہنچ گئے تو انہوں نے واقوصہ کی گھاٹی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں وہ دھڑا دھڑ اس گھاٹی میں

گرنے لگے۔ اگر ایک گرتا تھا تو اپنے ساتھ دس کو لے کر گرتا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھڈ کو دیکھ نہ سکے جو رومی بھاگ بھاگ کر اِدھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری۔ وہ بھی اسی کھڈ میں گرتے جاتے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہوئے۔ ان میں سے اسی ہزار نے اپنے آپ کو بیڑیوں سے جکڑ رکھا تھا۔ یہ تعداد ان سواروں اور پیادوں کے علاوہ ہے جو میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ لڑائی دن اور رات کے اکثر حصہ میں جاری رہی۔ صبح طلوع ہونے سے پہلے ہی سیدنا خالدؓ رومی لشکر کے سپہ سالار اعظم کے خیمے تک پہنچ چکے تھے۔ یہ جنگ سیدنا عمر کے عہد کی پہلی جنگ ہے۔ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بیس روز بعد وقوع میں آئی۔

گو جنگ یرموک سیدنا عمرؓ کے عہد میں وقوع پذیر ہوئی لیکن ہم نے اسے سیدنا صدیق کے زمانے میں اس لیے شمار کیا کہ اس کی تیاری آپ ہی کے عہد میں کی گئی تھی۔

رومیوں کے بڑے بڑے سرداران فوج اس عبرت ناک شکست کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لیے اپنی ٹوپیوں سے اپنے منہ چھپائے اور میدان کی ایک جانب ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اگر ہم مسرت کا دن دیکھنے اور عیسائیت کی حمایت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو ہم اس ذلت اور بدبختی کے دن کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں قتل کر دیئے گئے۔

یہ عادت آج بھی بعض عربی قبائل میں پائی جاتی ہے کہ جب لشکر شکست کھا جاتا ہے تو اس کے سردار اپنے آپ کو شکست کی عار سے بچانے کے لیے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب دشمن کے سپاہی آ کر اپنی تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیں۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے جس بہادری، جوش اور صبر و استقامت سے دشمنوں کا مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عکرمہ بن ابوجہل نے جب دیکھا کہ رومیوں کا دباؤ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو انہوں نے جوش میں آ کر کہا: ”میں رسول اللہ کے ساتھ ہر میدان میں لڑتا رہا ہوں، کیا آج کی لڑائی میں تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا؟“ اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ یہ کہہ کر وہ پکارے ”آؤ! موت کے لیے کون بیعت کرتا ہے؟“ یہ سن کر حارث بن ہشام، ضرار بن

الازور اور چار سو دوسرے بہادر اور معزز مسلمانوں اور شہسواروں نے عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ ان لوگوں نے سیدنا خالدؓ کے خیمہ کے سامنے بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا۔ ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا اور زخمی ہونے سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ شدید زخمی ہونے کی حالت میں سیدنا خالدؓ کے پاس لائے گئے۔ سیدنا خالدؓ نے عکرمہ کا سر اپنی ران پر اور عمرو کا اپنی پنڈلی پر رکھ لیا۔ آپ دونوں باپ بیٹوں کے منہ سے خون پونچھتے جاتے اور ان کے حلق میں پانی کے قطرے ٹپکاتے جاتے تھے۔

اس جنگ میں صرف شہسواروں اور بہادروں نے ہی کارہائے نمایاں انجام نہیں دیئے بلکہ مسلمان عورتیں بھی فوج کی مدد کرنے میں کسی طرح پیچھے نہیں رہیں۔ وہ میدان جنگ میں پانی پلاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور اپنے مردوں کے دلوں میں جوشیلے الفاظ کے ساتھ غیرت وحمیت کے جذبات بھڑکاتی پھر رہی تھیں۔ بعض عورتوں نے تو باقاعدہ جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔

جنگ یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے صرف صحابہ کرام ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ اس جنگ میں شہید ہونے والے بدری صحابہ کی تعداد ایک سو تھی۔

دوران جنگ ہی میں مدینہ منورہ سے سیدنا عمر فاروق کا قاصد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر اور سیدنا خالد کی (سپہ سالاری سے) معزولی اور ان کی جگہ سیدنا ابوعبیدہ کے تقرر کا حکم لے کر پہنچا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو اس سے مدینہ کے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اس نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر کہا کہ مدینہ میں ہر طرح خیریت ہے اور تمہاری امداد کے لیے مزید فوجیں آ رہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے سیدنا خالد کو ایک طرف لے جا کر تمام حالات بتائے اور جو کچھ اس نے فوج سے کہا تھا وہ بھی بتایا۔ سیدنا خالدؓ نے اس کے فعل کی تعریف کی اور اس سے خط لے کر اپنے ترکش میں ڈال لیا۔ انہوں نے خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر کو مشتہر نہ کیا کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہیں یہ خبر سن کر مسلمانوں کی ہمتیں پست نہ ہو جائیں۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو آپ نے سیدنا ابوعبیدہ کو بلا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط ان کے سپرد کر دیا اور امارت کا کام انہیں سونپ کر ان کی ماتحتی قبول کر لی۔

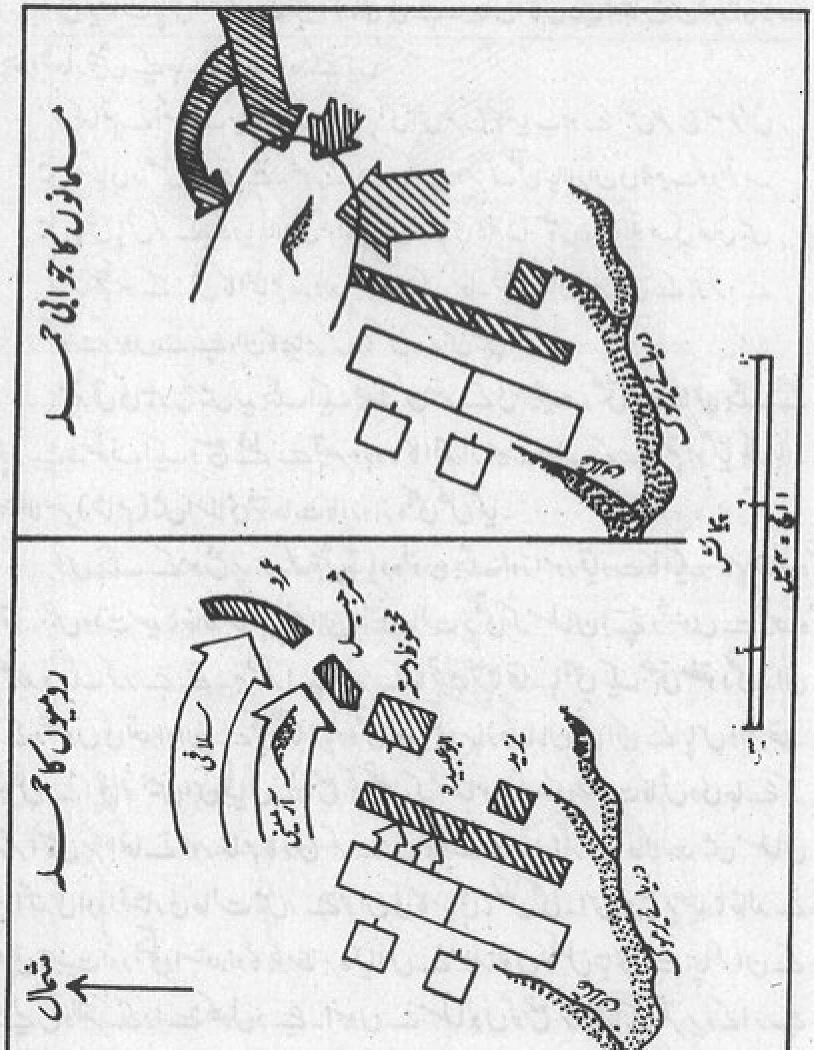

جنگ یرموک کے تیسرے دن رومیوں کا مسلمانوں پر حملہ اور مسلمانوں کے جوابی حملہ کا نقشہ منظر اور مجاہدین کے جھپٹنے پلٹنے اور پھر جھپٹنے کے انداز۔

آپ نے لشکر کو جس طرح مرتب کیا اور جس طرح اس کی صف بندی کی وہ عربوں کے لیے بالکل نیا تجربہ تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو مسلمانوں کی تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آنے لگی اور وہ مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے۔

مسلمانوں کے مختلف لشکروں کو ایک قیادت کے تحت متحد کرنے کا تجربہ بعد والے زمانے میں بھی اختیار کیا گیا اور اس سے خاطر خواہ فوائد حاصل ہوئے۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں اتحادی قوموں کی فوجیں اپنے اپنے ملک کے کمانڈر انچیف کے ماتحت تھیں لیکن جب جرمن کی فوجوں نے پیش قدمی شروع کی تو اتحادیوں کو بڑے سوچ و بچار، غور و فکر اور باہمی صلاح و مشورہ کے بعد اسی طریقہ پر عمل کرنا پڑا جو تیرہ سو سال پہلے یرموک کے میدان میں سیدنا خالدؓ اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام فوجوں کو متحد کر کے ایک سپریم کمانڈر کے ماتحت کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں بالآخر فتح اور کامرانی نصیب ہوئی۔

دوسری جنگ عظیم میں بھی یہی طریقہ آزمایا گیا۔ موجودہ زمانے میں بھی معاہدہ شمالی اوقیانوس کی تنظیم کے تحت مغربی یورپ کی افواج کو ایک کمان کے تحت کر کے اسی اصول کو اپنایا جا رہا ہے۔

با ایں ہمہ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ جنگ یرموک کے موقع پر یہ تجویز پیش کرنے والی ذات صرف اور صرف اکیلے خالد کی تھی۔ لیکن جنگ عظیم کے موقع پر پورے دو سال کے غور و فکر اور بڑے بڑے جنگی مدبرین کی متعدد کانفرنسوں کے بعد یہ تجویز عمل میں لائی گئی۔ سیدنا خالدؓ نے کسی جنگی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ لیکن اتحادیوں کے کمانڈر اور فوجی افسر دنیا کے بڑے بڑے فوجی کالجوں اور عظیم جنگی تربیت گاہوں کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ سیدنا خالدؓ کے ذہن میں یہ تجویز آج سے تیرہ سو سال پہلے آئی تھی اور تب فنون جنگ ابتدائی حالت میں تھے، جبکہ اتحادیوں نے یہ سبق اتنا عرصہ گزرنے کے بعد اس وقت سیکھا جب جنگی علوم و فنون اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کیا ان واقعات پر غور کرنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سیدنا خالد ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے اور مادر گیتی ان جیسا عظیم الشان قائد آج تک پیدا نہ کر سکی۔

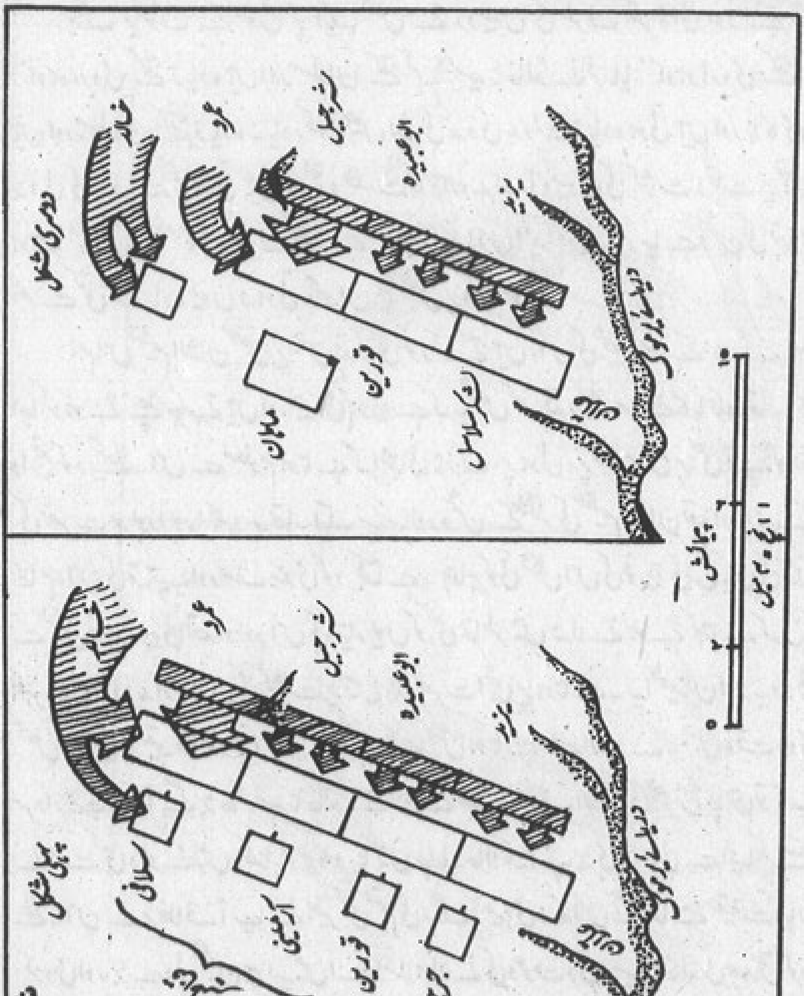

جنگ یرموک میں سیدنا خالدؓ کے چھٹے دن دشمن رومیوں پر حملہ آور ہونے اور ان کو تہ تیغ کرنے کی دو شکلیں اور ساتھ ساتھ سیدنا عمرو، سیدنا شرحبیل، سیدنا ابوعبیدہ اور یزیدؓ کا دشمن کے بڑے حصے پر حملہ آور ہونے اور ان کو کاٹ ڈالنے کی منظر کشی کرتا ہوا نقشہ۔

الشان کارناموں کے بدلے اپنے لیے انعام واکرام اور بہترین صلے کی توقع ہوتی ہے۔ سیدنا خالدؓ کے پاس حکم پہنچتا ہے کہ انہیں امارت سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس وقت لڑائی کی آگ پورے زور شور سے بھڑک رہی تھی لیکن آپ کے دل میں ذرا بھی ملال پیدا نہ ہوا۔ جس جوش و خروش سے پہلے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے اسی جوش سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعد میں مقابلہ کرتے رہے۔ نہ ان کی جرأت مندی میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی ان کے اخلاص میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ وہ ''قائد کی روح کے ساتھ سپاہی اور سپاہی کی صورت میں قائد'' کے فرائض انجام دیتے رہے اور اس علم کے باوجود کے کہ وہ معزول ہو چکے ہیں اور اب جنگ کی فتح کا سہرا دوسرے شخص کے سر پر رکھا جائے گا، اس وقت تک برابر دشمن سے لڑتے رہے جب تک اسے شکست نہ دے لی۔ اگر ایسا واقعہ ہمارے زمانے میں پیش آئے اور کسی کمانڈر کی برطرفی اس طرح عمل میں لائی جائے تو یقیناً وہ جرنیل ہر ممکن طریقے سے اپنی ہتک کا بدلہ لینے کی کوشش کرے گا اور اپنے جانشین کو ناکام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے گا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ اس حکومت کا تختہ ہی الٹ دے جس نے اس کی قدر نہ پہچانی۔

لیکن جب ہم سیدنا خالد کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معزول ہونے کے بعد اپنی وفات تک ایک ایسے سپاہی کی طرح کام کرتے رہے جو ریاست اور امارت کی صفات سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں آپ نے نہ کمزوری دکھائی اور نہ کبھی مفوضہ کام کو سر انجام دینے سے انکار کیا۔ بلکہ پورے اخلاص، جوش و خروش اور تندہی کے ساتھ بدستور دین کے کام میں مصروف رہے۔ آپ کو نہ اس بات پر ناز تھا کہ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی خدمات کے انتہائی معترف تھے اور نہ اس بات کا رنج کہ سیدنا عمرؓ نے آپ کو معزول کر دیا ہے۔ آپ کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی مدعا اور وہ تھا دین کی خدمت اور امام کی اطاعت۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''تعریف اس اللہ کے لیے زیبا ہے جس نے ابوبکرؓ کو وفات دی۔ وہ مجھے عمر سے زیادہ محبوب تھے اور تعریف اس اللہ کے لیے زیبا ہے جس نے عمر کو حاکم بنا دیا۔ وہ مجھے ابوبکرؓ کے مقابلے میں ناپسند تھے مگر پھر مجھ سے جبراً ان کی محبت کرائی۔''

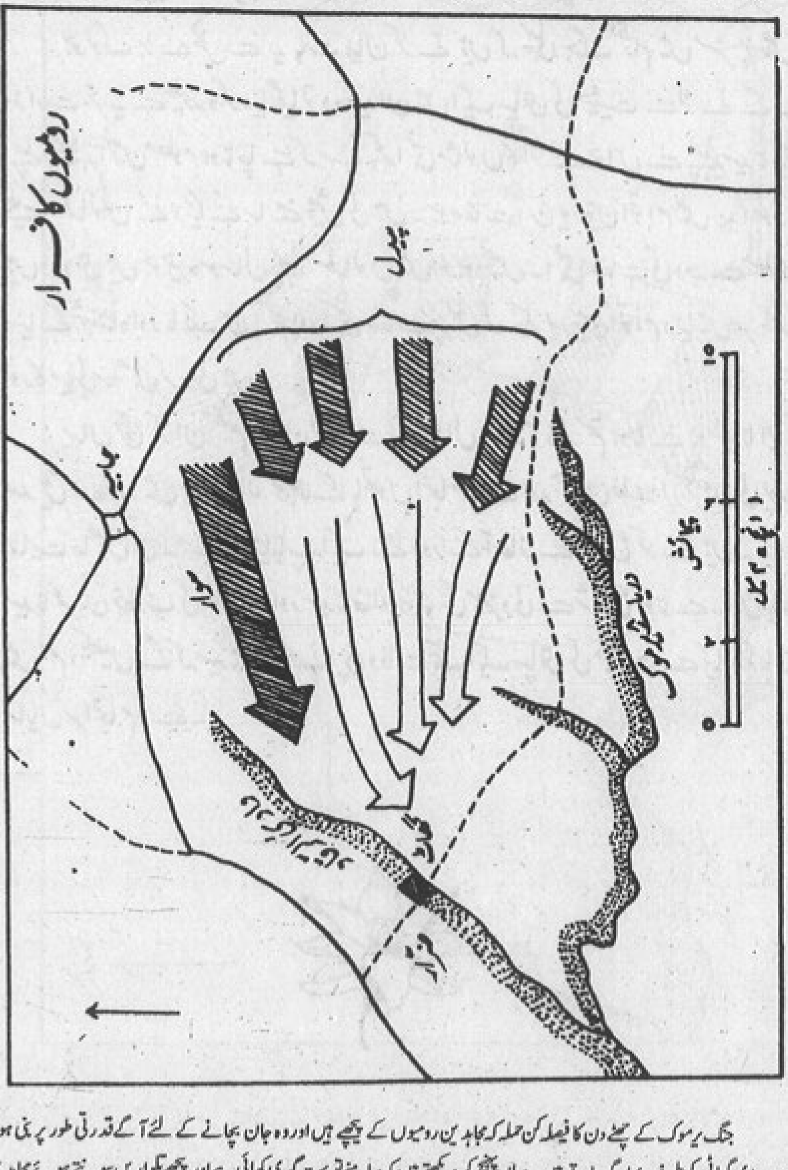

جنگ یرموک کے پچھلے دن کا فیصلہ کن حملہ کہ مجاہدین رومیوں کے پیچھے ہیں اور وہ جان بچانے کے لئے آگے قدرتی طور پر بنی ہوئی بہت بڑی کھائی کی طرف بھاگے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ سامنے تو بہت گہری کھائی ہے اور پیچھے تلواریں سونتے ہوئے مجاہدین پیدل اور گھوڑے دوڑاتے آ رہے ہیں۔ وہ کھائی سے بچنے کے لئے پیچھے آنا چاہتے ہیں کہ راستے میں پیچھے سے بھاگ کر آنے والے مزید رومی ان سے ٹکرا کر ان کو دھکیل کر کھائی میں گرا دیتے ہیں اور ان کو ان سے بھی پیچھے آنے والے گراتے جا رہے ہیں اور یوں ان کی چیخیں اس وقت تک بلند ہوتی رہتی ہیں کہ جب تک وہ زمین کی تہہ سے نہیں جا ٹکراتے یا راستے میں منہ کھولے کھڑی چٹانیں، سنگین کی طرح ان کے جسم میں دھنس نہیں جاتمیں یا ان کا قیمہ نہیں بنا دیتیں۔ اور یوں ان کے جسم بے ہنگم خون آلود لوتھڑوں کی شکل میں آگے پیچھے تک گرتے چلے جاتے۔

حصہ چہارم

خالدؓ بن ولید سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں

فتح دمشق

جنگ یرموک کا اختتام رومیوں کی شکست فاش، سیدنا خالد کی معزولی اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح کی امارت پر ہوا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ نے مال غنیمت تقسیم کیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری بھیجی اور مال غنیمت کا خمس ارسال کیا۔ اس کے بعد یرموک کے علاقے میں بشیر بن کعب حمیری کو اپنا نائب بنا کر مفرورین کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور صفر کے مقام پر آ کر اترے۔ یہاں انہیں خبر ملی کہ رومی فحل میں جمع ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ بھی اطلاع ملی کہ اہل دمشق کی امداد کے لیے حمص سے کمک آ رہی ہے۔ آپ نے ان حالات سے سیدنا عمر کو اطلاع دی اور ان سے ہدایت طلب کی: آیا رومیوں پر حملے کا آغاز فحل سے کیا جائے یا دمشق سے؟ خود جواب کے انتظار میں وہ صفر میں ہی ٹھہر گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جواب آیا کہ اپنی کاروائی کا آغاز دمشق سے کرو کیونکہ دمشق شام کا قلعہ اور دار الحکومت ہے۔ البتہ فحل کے سامنے بھی اپنا ایک دستہ متعین کر دو تاکہ جب تک تم دمشق سے فارغ نہ ہو جاؤ فحل والے کچھ کر نہ سکیں۔

اس حکم کی تعمیل میں سیدنا ابوعبیدہ نے فحل کی جانب دس قائد، عمارہ ابن مخش کی زیر سرکردگی روانہ کر دیئے۔ ذوالکلاع کو ایک دستہ دے کر انہیں دمشق اور حمص کے راستے پر متعین کر دیا تاکہ حمص کی جانب سے کوئی مدد رومیوں کو نہ پہنچ سکے۔ اسی طرح علقمہ بن حکیم اور مسروق کو دمشق اور فلسطین کے راستے پر متعین کر دیا تاکہ فلسطین کی جانب سے رومیوں کا کوئی دستہ پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکے۔ اس طرح چاروں طرف سے رومیوں کی کمک کے راستے مسدود کر دیئے گئے۔ ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد ابوعبیدہ صفر سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچ کر چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ سیدنا عمرو بن

العاص کو باب فرادلیس کے سامنے متعین کیا۔ شرحبیل بن حسنہ کو باب توما کے سامنے، قیس بن ہبیرہ کو باب فرج کے سامنے اور سیدنا خالد کو باب شرقی کے سامنے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ خود سیدنا ابوعبیدہ باب جابیہ کے سامنے اترے۔ رضی اللہ عنہم جمیعاً۔ ستر دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مسلمان اس دوران تیروں اور منجنیقوں سے شہر پر حملے کرتے رہے۔ ادھر اہل شہر ہرقل کی جانب سے کمک کے انتظار میں رہے جبکہ چاروں طرف سے راستے بند تھے۔ جب اہل شہر کو کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو وہ بے حد گھبرا گئے۔ لے دے کے یہ امید باقی رہ گئی کہ سردی کا موسم شروع ہونے والا ہے، مسلمان یہاں کی شدید سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور واپس ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی اور مسلمان برابر شہر کا محاصرہ کیے پڑے رہے۔ سیدنا خالد کی یہ عادت تھی کہ نہ خود سوتے تھے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے۔ دشمن کی معمولی سے معمولی بات کا بھی انہیں پتہ رہتا تھا۔ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں۔ انہیں معلوم پڑا کہ عیسائیوں کے بطریق (لاٹ پادری) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس نے خوشی میں تمام شہر والوں کی دعوت کی ہے۔ تمام لوگ کھانے پینے میں مشغول ہیں اور اپنے مفوضہ کاموں اور فرائض سے بالکل غافل ہیں۔ شہر کی محافظ فوج بھی شراب کے نشہ میں دھت ہے۔ آپ نے پہلے ہی سے سیڑھی نما کمندیں تیار کرا رکھی تھیں، جب رات چھا گئی تو آپ نے فصیل پھاندنے کی تیاریاں کیں۔ اور ان لوگوں کو لے کر جو عراق سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ آگے بڑھے، ان لوگوں میں قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی جیسے اشخاص پیش پیش تھے۔ آپؓ نے اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت کی کہ جب تم فصیل سے ہماری تکبیروں کی آوازیں سنو تو فوراً فصیل پر چڑھ آؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔ جب آپ اور آپ کے ساتھی دروازے پر پہنچے جس کے سامنے آپ ڈیرے ڈالے ہوئے پڑے تھے تو آپ نے اپنی کمندیں فصیل کے کنگروں پر پھینکیں۔ ان کی کمروں کے ساتھ وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ انہوں نے خندق کو تیر کر پار کیا تھا۔ جب کمندیں اچھی طرح کنگروں میں اٹک گئیں تو قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی ان کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور تمام کمندوں کو جو ان کے ساتھ تھیں دوسرے کنگروں میں اٹکا کر فصیل سے نیچے لٹکا دیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جس جگہ سے وہ فصیل پر حملہ آور ہوئے تھے وہ جگہ تمام شہر میں سب سے زیادہ مستحکم تھی۔ خندق بھی اس جگہ کافی چوڑی تھی اور پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ اس طرح بظاہر یہ حصہ ناقابل عبور نظر آتا تھا۔ جب قعقاع اور مذعور ساری کمندیں لٹکا چکے تو سیدنا خالدؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر فصیل پر چڑھ گئے۔ کچھ لوگوں کو تو حفاظت کے لیے فصیل پر ہی چھوڑ دیا اور باقی لوگوں کو لے کر فصیل کی دوسری طرف اتر گئے۔ نیچے اتر کر آپ نے فصیل پر متعین لوگوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے تکبیریں کہنی شروع کیں جنہیں سن کر نیچے کھڑی ہوئی فوج کے کچھ آدمی تو کمندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ آئے اور کچھ دروازے کی طرف بھاگے۔ سیدنا خالدؓ اپنے قریب کے دشمن کو قتل کرتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے اور دربانوں کو قتل کر کے قفلوں کو توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ مسلمان فوج جو باہر منتظر کھڑی تھی شہر میں داخل ہو گئی۔

جب شور و غل مچا تو تمام شہر والے جو شراب میں مدہوش تھے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن انکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مسلمان تلواریں چلاتے اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب اہل شہر کو پوری طرح ہوش آیا اور انہوں نے حقیقت کو سمجھا تو وہ شہر کے دوسرے دروازوں کی طرف بھاگے جن کے سامنے دوسرے مسلمان سردار ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔

مسلمانوں نے اہل دمشق کو نصف نصف تقسیم پر مصالح کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے یہ دعوت نامنظور کر دی تھی اور بدستور مقابلے پر اڑے رہے تھے۔ جب سیدنا خالد کی تلوار نے ان کا صفایا کرنا شروع کیا تو انہوں نے دوسری طرف کے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ رومیوں نے جھٹ پٹ شہر کے دروازے کھول دیئے اور کہا کہ ہمیں خالدؓ کے حملہ سے بچاؤ۔ چنانچہ شہر کے تین اطراف سے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ مشرقی جانب سے سیدنا خالدؓ دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ شہر کے وسط میں ان کی ملاقات دوسرے مسلمان سرداروں سے ہوئی۔ تھوڑی بہت بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ سیدنا خالد کی طرف کا حصہ بھی صلح کے حکم میں شامل ہوگا۔

مصالح کی شرائط یہ تھیں کہ مفتوحین چاندی سونے اور جائداد کا پانچواں حصہ ادا کریں اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں سالانہ ادا کریں لیکن شاہی خاندان اور اس کے متلعقین کی تمام زمینیں اور مملوکہ سامان مال غنیمت قرار دیا گیا۔

معرکہ فحل

جب مسلمان دمشق کی فتح سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے سیدنا عمر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے فحل کا قصد کیا کیونکہ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ فی الحال حمص اور دوسرے رومی شہروں کا رخ نہ کیا جائے کیونکہ رومیوں کی ایک بھاری فوج، جو مؤرخین کے اندازے کے مطابق اسی ہزار سے کم نہ تھی مسلمانوں کے عقب میں موجود تھی۔ خصوصاً فحل کی فوجیں رومیوں کے لیے ڈھال کا کام دے رہی تھیں اور انہی سے رومیوں کی توقعات وابستہ تھیں۔

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہم کو دمشق میں اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑا اور اسلامی لشکر فحل کی جانب روانہ ہوا۔ اس فوج کے سپہ سالار شرحبیل بن حسنہ تھے کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی جانب سے انہیں اس علاقے کی حکومت تفویض کی گئی تھی۔ انہوں نے سیدنا خالد کی تعظیم و تکریم کے خیال سے آپ کو مقدمہ پر مقرر کیا۔ سیدنا ابو عبیدہ کو میمنہ پر سیدنا عمرو بن العاص کو میسرہ پر، سواروں پر ضرار بن الازور کو اور پیدل فوج پر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہم کو متعین کیا۔

رومیوں نے جب سنا کہ مسلمانوں کی فوجیں فحل پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھی چلی آ رہی ہیں تو انہوں نے ندیوں کے بند توڑ دیئے جس سے اردگرد کی تمام زمین زیر آب ہو کر دلدل بن گئی۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس صورت حال سے بڑے کبیدہ خاطر ہوئے لیکن بالآخر یہی دلدلیں ان کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہوئیں۔

مسلمان ایک لمبے عرصے تک وہاں ڈیرے ڈال کر پڑے رہے، رومیوں نے مسلمانوں کو غافل خیال کر کے ایک دن بڑے زور شور سے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان بے خبر نہ تھے

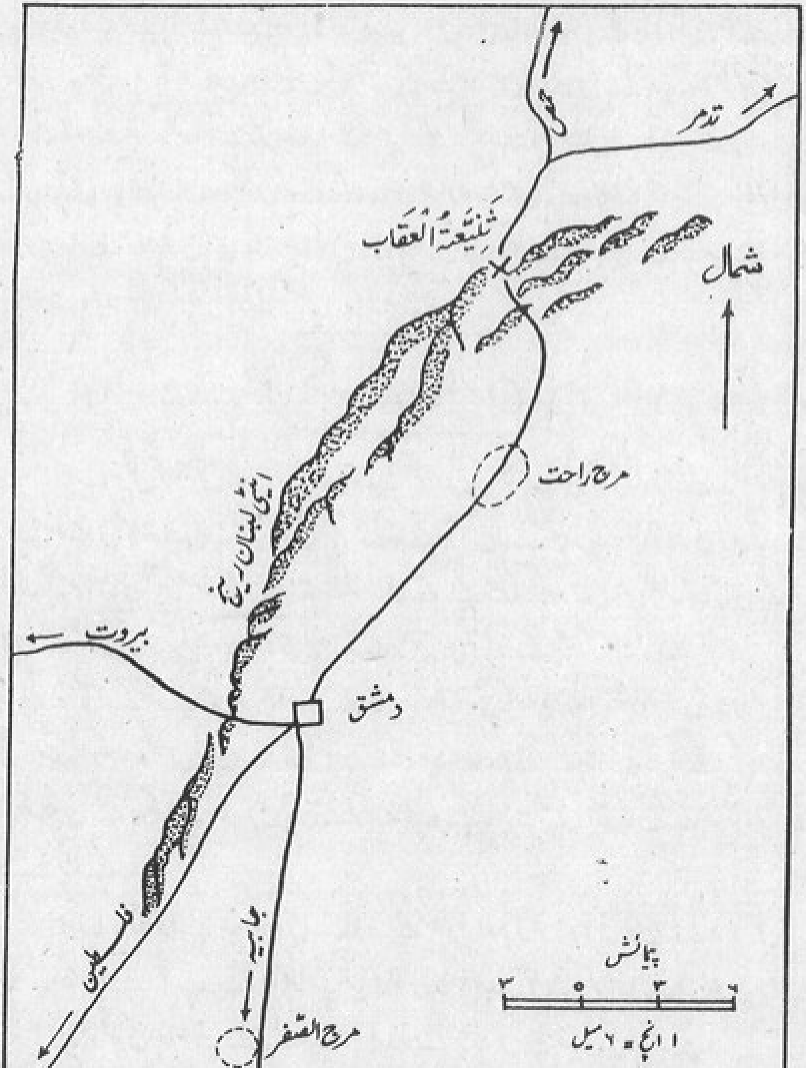

دمشق کی فتح اور محاصرہ سے قبل سیدنا خالد بن ولیدؓ نے دمشق کو آنے والے ان تمام راستوں پر مجاہدین کی پوسٹیں قائم کر دیں کہ جہاں سے اہل دمشق کو مدد مل سکتی تھی۔ اور مزید یہ کہ ایسے مخبر دستے قائم کر کے رومیوں میں بھیج دیے جو رومی فوج کی پل پل کی خبر دیتے تھے۔ نقشہ میں دکھائے گئے ان راستوں پر جن سے رومی، مدد کے لئے آسکتے تھے، مورچے قائم کرنے کے بعد سیدنا خالدؓ نے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔

، انہوں نے خوب ڈٹ کر رومیوں کا مقابلہ کیا۔ اس پہلی رات اور اگلے روز رات تک میدان کارزار گرم رہا۔ آخر جب رومیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں تو انہوں نے پسپا ہونا شروع کیا۔ رات کا وقت تھا۔ گھبراہٹ میں وہ راستہ بھول گئے۔ شکست و پریشانی نے انہیں دلدل اور کیچڑ میں دھکیل دیا اور وہاں وہ پھنس کر رہ گئے۔ اسی ہزار فوج میں سے اِکا دُکا شخص کے سوا کوئی بچ کر نہ جا سکا۔ تمام فوج اسی جگہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ اس لڑائی کے بعد سیدنا ابو عبیدہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر حمص روانہ ہوئے۔

جنگ مرج الروم

جب ہرقل کو دمشق اور اردن میں اپنے لشکروں کی شکست کی خبر ملی اور اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ارادہ اب حمص کو فتح کرنے کا ہے تو اس نے مشہور پادری توذر کی زیر قیادت ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بعد میں اس لشکر کو ناکافی سمجھ کر اس نے شنس کی زیر قیادت اتنا ہی بڑا ایک اور لشکر بھی توذر کے پیچھے روانہ کر دیا۔

دمشق کے مغرب میں مرج الروم کے مقام پر مسلمانوں کی ان دونوں لشکروں سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ سیدنا ابو عبیدہ شنس رومی کے مقابل ہوئے اور سیدنا خالد توذر کے مقابلے میں نکلے۔ صبح اٹھ کر مسلمانوں نے دیکھا کہ توذر اپنی فوج لے کر غائب ہے۔ البتہ شنس اپنی فوج کے ہمراہ ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

سیدنا خالد کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا کہ توذر اپنی فوج لے کر دمشق کی جانب جا رہا ہے۔ آپ نے فوراً بھانپ لیا کہ توذر کا مقصد دمشق پہنچ کر اچانک اس فوج پر حملہ کرنا ہے جو شہر کی حفاظت کے لیے سیدنا ابو عبیدہ نے یزید بن ابو سفیان کی سرکردگی وہاں متعین کی تھی۔ خالدؓ بن ولید، سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کر کے نہایت تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ سیدنا خالدؓ اس کے پیچھے پیچھے ہیں اور دمشق پہنچ کر اسے مسلمانوں کی ایک فوج سے نہیں بلکہ دو فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔

ابھی توذر اور یزید بن ابو سفیان کی فوجوں کا مقابلہ شروع ہی ہوا تھا کہ سیدنا خالد بھی اپنی

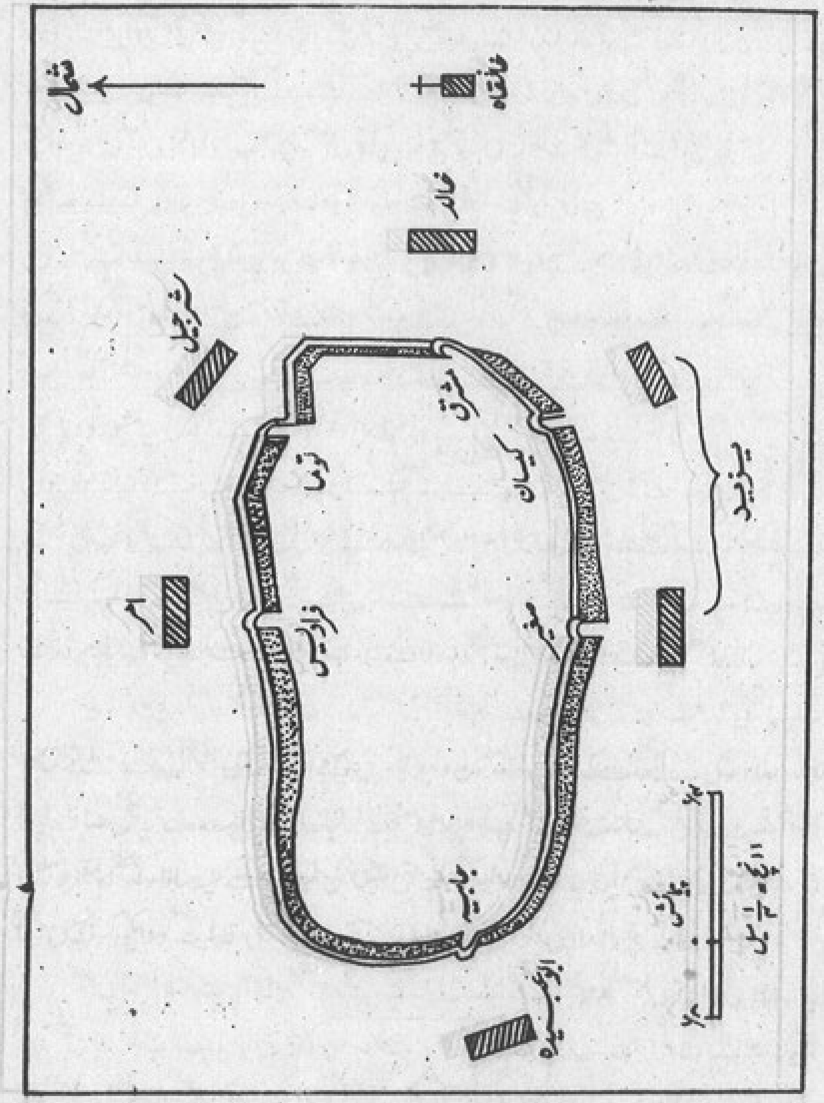

سیدنا خالدؓ کے حملوں کی تاب نہ لا کر رومی دمشق میں محصور ہو گئے سیدنا خالدؓ نے یزید، ابو عبیدہ، شرحبیل کے ساتھ شہر کے باہر خاص مقامات اور شہر کے دروازوں کے سامنے محاصرہ کرلیا۔ بالآخر دشمن کو شکست تسلیم کر کے مصر سیدنا خالد کے حوالے کرنا پڑا۔

فوج کے ہمراہ دمشق پہنچ گئے اور توذر کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ آگے سے یزید کی فوج کے نیزے رومیوں کے سینے چھلنی کر رہے تھے اور پیچھے سے سیدنا خالد کی فوج کی تلواریں ان کا کام تمام کر رہی تھیں۔ فرار کے لیے انہیں کوئی راہ نہ ملتی تھی۔ بہت ہی کم لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے۔ فوج کا سپہ سالار توذر سیدنا خالدؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

جنگ کے بعد سیدنا خالدؓ بن ولید اور یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی فوجوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم ہوا اور سیدنا خالدؓ ابوعبیدہؓ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔ یہ جنگ ۱۳ھ میں واقع ہوئی۔

فتح حمص وحاضر

جب ہرقل کو اپنی فوجوں کی تباہی کا حال معلوم ہوا تو وہ حمص سے بھاگ گیا اور جاتے ہوئے اپنے عامل کو حکم دے گیا کہ جہاں تک ہو سکے شدید سردی کے دنوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ سردی کی شدت سے حوصلہ ہار بیٹھیں اور جم کر مقابلہ نہ کر سکیں۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بعلبک کے راستے حمص روانہ ہوئے۔ مقدمۃ الجیش کے طور پر آپ نے سمط بن اوسد کندی کو اپنے آگے روانہ کر دیا اور سیدنا خالد کو بقاع کے فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ اسے فتح کرنے کے بعد آپ پھر سیدنا ابوعبیدہ سے حمص آن ملے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ بڑی سختی سے کیا ہوا تھا۔ جب سردی کا موسم گزر گیا اور رومیوں کی آخری امید بھی جاتی رہی تو انہوں نے مجبوراً صلح کی درخواست کی جو مسلمانوں نے منظور کر لی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

حمص شام کا بہت پرانا اور مشہور شہر ہے۔ اس کے اردگرد مضبوط فصیل بنی ہوئی ہے۔ یہ شہر دمشق اور حلب کے درمیان یکساں مسافت پر واقع ہے۔ جنگوں سے فراغت کے بعد سیدنا خالدؓ یہیں پر مقیم ہو گئے تھے۔ باقی زندگی حمص میں گزاری۔ یہیں پر آپ کی اپنی، آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کی قبریں ہیں۔ سیدنا خالد کی قبر کے قریب ہی عیاض بن غنم کی قبر بھی ہے۔

حمص کی فتح کے بعد سیدنا ابوعبیدہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو قنسرین کی طرف بھیجا۔

راستے میں حاضر کے مقام پر رومیوں کے ایک لشکر سے آپ کی مڈھ بھیڑ ہوگئی جس کا سردار میناس تھا۔ میناس، قیصر کے بعد رومیوں کی سب سے اہم شخصیت تھی۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ میناس اور اس کے لشکر کا اکثر حصہ میدان جنگ میں کام آیا۔

جنگ کے بعد حاضر کے باشندوں نے سیدنا خالد کو کہلا بھیجا کہ ہم نے قیصر کے زور ڈالنے پر مجبوراً جنگ کی تیاری کی تھی لیکن ہمارا دل آپ سے لڑنے کو نہیں چاہتا تھا اس لیے آپ براہ کرم ہماری جان بخشی کر دیجیے۔ سیدنا خالدؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انہیں چھوڑ کر آگے بڑھے۔

فتح قنسرین و مرعش

حاضر سے روانہ ہو کر آپ قنسرین روانہ ہوئے۔ قنسرین، شام کے ایک صوبے کا نام ہے۔ اسی صوبے میں قنسرین کا شہر بھی ہے جو حلب سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ شہر والے پہلے ہی سے قلعہ بند ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا خالدؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شہر والوں کو کہلا بھیجا کہ:

> ''اس طرح قلعہ بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اتار لائے گا۔''

اہلِ قنسرین کو بالآخر اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ شہر کی فصیل کو منہدم کر دیا جائے گا۔ شہر والوں نے جان کے خوف سے مجبوراً اس شرط کو منظور کر لیا اور سیدنا خالدؓ نے فصیل کو منہدم کرا دیا۔

ہرقل حمص چھوڑ کر ''الرہا'' چلا گیا تھا۔ وہاں اسے حاضر کے میدان جنگ میں رومی لشکر کی تباہی اور قنسرین کی فصیل کے انہدام کی خبریں ملیں جنہیں سن کر اسے یقین ہو گیا کہ اب شام میں اس کی بادشاہت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لیے وہ انتہائی حسرت و یاس اور افسوس سے یہ کہتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شام سے رخصت ہو گیا۔

''اے شام: رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں۔''

حاضر اور قنسرین میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے انہیں سن کر آپؓ کے متعلق امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل تبدیل ہو گئی اور آپ نے فرمایا: خالدؓ نے اپنے کارناموں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا ہے۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت نازل کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔''

قنسرین کو فتح کرنے کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مرعش کی جانب روانہ ہوئے۔ اسے فتح کرنے کے بعد اس کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا اور شہر کو منہدم کرا دیا۔ مرعش کا شہر شام کی ان سرحدوں پر واقع ہے جو بلادِ روم سے ملتی ہیں۔ مرعش کی فتح کے بعد آپ نے حدث کا قلعہ فتح کیا۔

فتوحات کا اختتام

اب جب کہ ہم آپ کے عدیم المثال کارناموں اور فتوحات کے ذکر سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ایک ایسے اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں جو ان یورپین معترضین کی طرف سے جنہیں اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی، عموماً پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک بہت ہی قلیل وقت میں سیدنا خالد کے ایران و روم کی سلطنتوں پر چھا جانے اور ایک وسیع قطعہ ارضی پر قابض ہو جانے کا سبب مسلمانوں کی موت سے بے خوفی، اسلامی فوجوں کی شان دار بہادری، ان کے سرداروں کا بے نظیر جنگی تجربہ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی فتح و نصرت محض اس وجہ سے تھی کہ اس وقت یہ غیر اسلامی حکومتیں داخلی انتشار میں مبتلا ہو کر کمزور ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں نے اس داخلی انتشار سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور ان پر پے در پے حملے کر کے حسب منشا کامیابی حاصل کی۔

بادی النظر میں اگرچہ یہ اعتراض صحیح نظر آتا ہے لیکن ان لوگوں سے جنہیں تاریخ کے حقائق کا ذرا بھی علم ہے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس اعتراض میں کہاں تک صداقت ہے۔ یہ

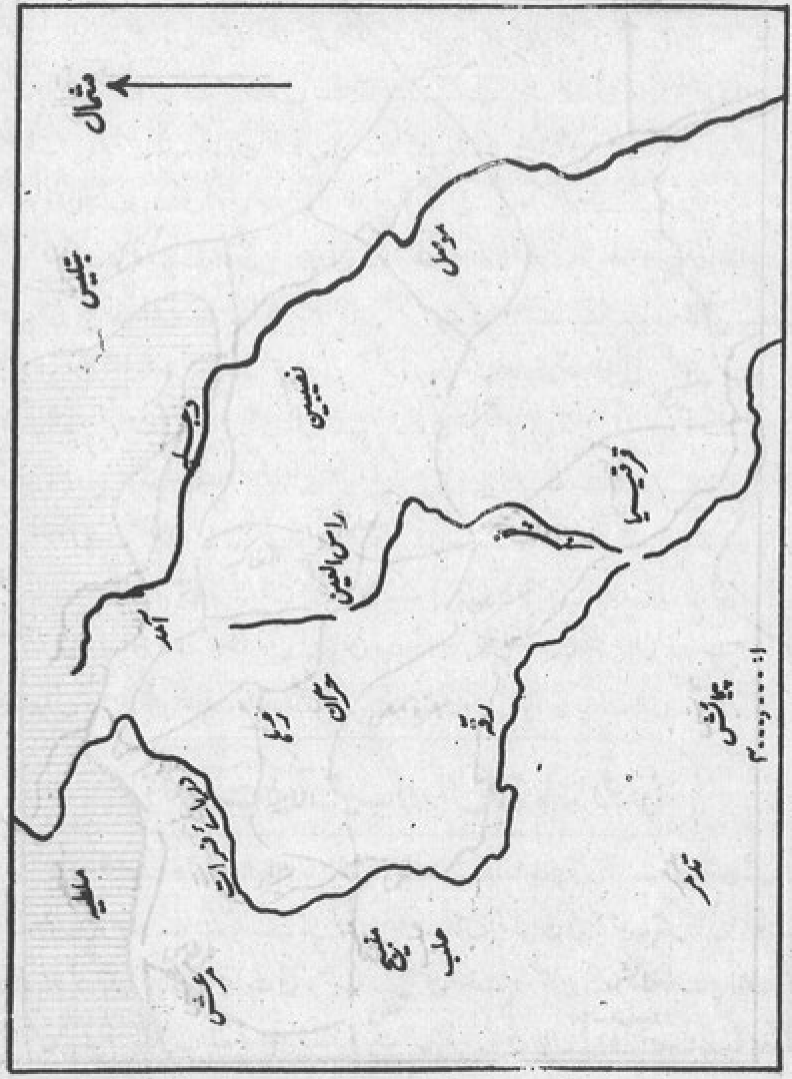

شام کی سرحدوں کے آگے ایک محفوظ خطہ قائم کرنے کے لیے سیدنا عمر نے سیدنا سعد (ؓ) کو اس کی تسخیر کے لئے حکم دیا اور ایاز بن غنم کو اس میدان جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا۔ چنانچہ سعدؓ نے ایاز کو اپنے سپاہ کے ساتھ جزیرے پر چڑھائی کا حکم دیا۔ چنانچہ سیدنا ایاز نے چند ہی ہفتوں میں دجلہ اور فرات کے درمیان کے علاقے کو نصیبین اور رہا (اب عرفا) تک مسخر کر لیا۔ یاد رہے اس تسخیر کی تکمیل میں کوئی خون نہ بہا۔

ٹھیک ہے کہ یہ حکومتیں داخلی انتشار میں مبتلا تھیں لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی ایک تاریخی حقیت ہے کہ دونوں سلطنتوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ہمیشہ بھاری بھاری لشکر روانہ کیے صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان لشکروں کی امداد کیلیے کمک کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا اور یہ لشکر فنون جنگ سے بھی اچھی طرح باخبر اور پوری طرح مسلح اور منظم ہوتے تھے۔

جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے ڈھائی لاکھ کا لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع کیا تھا۔اس سے قبل اتنا عظیم الشان لشکر کب کسی سلطنت نے اپنے مدمقابل کے لیے جمع کیا ہوگا؟ اور انسانوں نے کس موقع پر جنگجوؤں کی اتنی بھاری تعداد اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوگی؟ یہ واقعات ایسے ہیں جن میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ۔اگرچہ وہ لوگ جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسا عدیم الشال شخص اپنی قوم میں پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں اور جن کی نظروں میں مسلمانوں کی ترقی خار کی طرح کھٹکتی ہے۔مسلمانوں کے غلبے،ان کی پے در پے فتوحات اور قلیل ترین مدت میں مسلمانوں کے ہاتھوں ،ایرانیوں اور رمیوں کی عظیم الشان سلطنتوں اور باجبروت شہنشاہوں کی تباہی سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن ان فتوحات کو وہ ان بظاہر دل خوشکن لیکن خلاف واقعہ عذرات کے پردے میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔

واقعات کی ترتیب اور ان کا زمانہ وقوع

وہ واقعات وحوادث جو بلاد شام میں مسلمانوں کے درمیان پیش آئے ،مؤرخین میں ان کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں البتہ ان کی ترتیب میں کافی اختلاف ہے۔ذیل میں ہم ان واقعات کی ترتیب کے متعلق مختلف مؤرخین کے اختلافات پر کچھ روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک کس مؤرخ کی بیان کردہ ترتیب کو ترجیح حاصل ہے۔

بلاذری نے لکھا ہے:

''خالدؓ بن ولید دیگر مسلمان قائدین سے بصریٰ میں ملے تھے (یرموک میں نہیں)۔ ان سرداروں نے اہل بصریٰ سے لڑنے کے لیے متفقہ طور پر سیدنا خالد کو اپنا امیر مقرر کیا۔بصریٰ کی

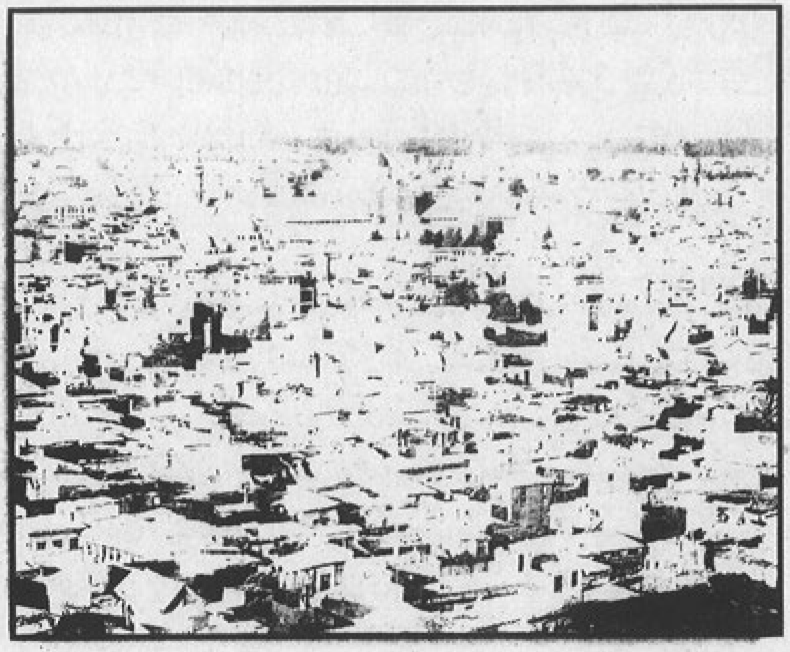

۱۹ ویں صدی کے اوائل کے دمشق کا ایک منظر۔ نیز یہ شام کا وہی شہر ہے جس کو سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح کی امارت میں سیدنا خالد بن ولید نے جہادی تدبیروں سے فتح کیا تھا۔ سیدنا خالدؓ باب شرقی کے باہر کھڑے تھے۔ اہل شہر نے شہر کے گرد خندق کھود کر اس میں پانی چھوڑ رکھا تھا لیکن سیدنا خالد اپنے جانبازوں سمیت پھر بھی شہر کی فصیل پر اس وقت چڑھ گئے کہ جب لوگ لاٹ پادری کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خوشی میں شراب کے نشے میں ڈوب کر خوشیاں منا رہے تھے۔ آپ فصیل سے شہر میں کمندوں کے ذریعہ پہنچ گئے اور اپنے قریب کے دشمنوں کی گردنیں اڑاتے ہوئے شہر کے بند دروازے تک پہنچ گئے اور دربانوں کو قتل کر کے تالوں کو توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ مختصر مسلمان فوج اندر داخل ہوگئی۔ تو باقی ماندہ رومیوں نے فوراً صلح منظور کر لی اور یہ کہتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے کہ کسی طرح ہمیں خالد بن ولید کے حملے سے بچاؤ...... اور یوں شہر کے تینوں اطراف سے مسلمان صلح کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے اور شہر ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا مسکن بن گیا۔ شہر کے درمیان میں مسجد اُمیہ نظر آ رہی ہے۔

فتح کے بعد جمادی الاول اور جمادی الثانی ۱۳ھ میں اجنادین کی جنگ ہوئی جس میں عکرمہ بن ابوجہل، ہبار بن سفیان، سلمہ بن ہشام، عمرو بن سعید بن عاصی، ان کے بھائی ابان اور جندب بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ جنگ اجنادین کے بعد یاقوصہ کی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی۔ اسی جنگ کے دوران سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی۔ اس کے بعد ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳ھ کو جنگ فحل، محرم ۱۴ھ میں جنگ مرج الصفر، رجب ۱۴ھ میں فتح دمشق، بعدازاں فتح حمص اور رجب ۱۴ھ میں ہی جنگ یرموک واقع ہوئی۔"

یعقوبی لکھتے ہیں:

"سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمان قائدین سے مل کر شام میں بصریٰ اور فحل جبکہ فلسطین میں اجنادین کے مقامات پر فتوحات حاصل کیں۔ جنگ اجنادین، ہفتہ کے روز ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو ہوئی۔ اسکے بعد مرج الصفر کی جنگ ہوئی۔ رجب ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا اور اس کے بعد فحل اور پھر حمص۔ ان فتوحات کے بعد سیدنا ابوعبیدہ واپس ہوئے اور یرموک کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے، کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ ہرقل نے ان کے مقابلے کے لیے ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ھ میں ہی جنگ یرموک ہوئی۔ اس کے بعد سیدنا ابوعبیدہ حمص واپس آ گئے۔"

طبری نے ابن اسحاق کی بیان کردہ روایت کے ماسوا جو دیگر روایات بیان کی ہیں وہ اسی ترتیب سے درج کی ہیں جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی ترتیب صحیح ہے کیونکہ:

① بلاذری نے واقعۂ فحل کا ذکر جنگ دمشق سے پہلے کیا ہے لیکن یہ سیدنا عمرؓ کے اس خط کے خلاف ہے جس میں آپ نے سیدنا ابوعبیدہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کارروائی دمشق سے شروع کریں کیونکہ وہاں رومیوں نے اپنی طاقت مجتمع کر رکھی ہے۔

یعقوبی واقعۂ فحل کے متعلق شش و پنج میں پڑ گئے ہیں۔ ایک مرتبہ اسے جنگ اجنادین سے قبل بیان کرتے ہیں اور دوسری مرتبہ جنگ دمشق کے بعد۔ جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے کسی مؤرخ نے یعقوبی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

طبری نے اس واقعے کا ذکر فتح دمشق کے بعد کیا ہے۔ جہاں یہ یعقوبی کی دوسری رائے کے مطابق ہے وہاں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس خط کے مطابق بھی ہے جو آپ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ نیز جنگی نقطۂ نظر سے بھی یہی قرین قیاس ہے کہ دمشق کی جنگ پہلے ہوئی ہو، کیونکہ یہاں دشمن کی ایک کثیر جمعیت جمع تھی اور کسی دوسری طرف رخ کرنے سے پہلے اسے تباہ و برباد کرنا ضروری تھا۔

② بلاذری نے دو جنگوں کا ذکر کیا ہے: ایک یاقوصہ کی جنگ، جس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ جنگ تھی جس کے دوران سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی تھی، دوسری یرموک کی جنگ۔ ہم نے معجم البلدان اور ان کتب تاریخ کی جو ہماری نظروں میں تھیں، چھان بین کی ہے۔ ہم نے کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جس میں یاقوصہ اور یرموک کو علیحدہ علیحدہ مقامات کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ سب کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ یاقوصہ دریائے یرموک کے کنارے کا نام ہے۔ نہ ہی کسی مؤرخ نے یہ ذکر کیا ہے کہ دریائے یرموک کے کنارے دو مرتبہ جنگ ہوئی تھی۔ البتہ زمانہ حال کے بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ دریائے یرموک کے علاوہ یرموک کے نام سے ایک اور مقام بھی موجود ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہو سکتا ہے کہ ان دونوں مقامات پر جنگیں ہوئی ہوں لیکن جب تک اس بارے میں کوئی واضح ثبوت پیش نہ کیا جائے اس وقت تک قیافے کی بنا پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

③ بلاذری اور یعقوبی نیز طبری نے بھی ابن اسحٰق کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جنگ اجنادین، جنگ دمشق سے پہلے، جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ یرموک ۱۶ھ میں ہوئی۔

اس روایت کے بالکل برعکس طبری نے ایک اور روایت درج کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ یرموک ۱۳ھ میں ہوئی اور جنگ اجنادین ۱۵ھ میں۔

قبل اس کے کہ ہم دونوں جنگوں کی تاریخوں کا تعین کریں چند قابل ذکر امور کا بیان ضروری ہے:

الف) وہ شہداء جن کے متعلق بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔ بعینہ وہی حضرات ہیں جن کے متعلق طبری نے لکھا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ نیز بلاذری اور یعقوبی کی رائے میں یرموک کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا جو سبب تھا، طبری کی رائے میں بعینہ وہی سبب اجنادین کے مقام پر مسلمانوں کے اجتماع کا تھا۔

ب) مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ ان دونوں جنگوں میں سے ایک جنگ فتح دمشق سے قبل ہوئی تھی اور ایک جنگ بعد میں۔

ج) یرموک اور اجنادین دو مختلف مقامات ہیں۔ یرموک غورزغر کی جانب ایک ندی ہے جو دریائے اردن میں گرتی ہے اور اجنادین فلسطین کے ضلع بیت جبرین میں رملہ کے قریب ایک مقام ہے۔

ان امور کے تذکرے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان واقعات کی اصل ترتیب کیا ہے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے جنگ یرموک دمشق کی فتح سے پہلے ہوئی ہے اور اجنادین فتح دمشق کے بعد کیونکہ:

① سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے اس خط سے جس میں آپ نے سیدنا خالد کو شامی افواج کی مدد کے لیے جانے کا حکم دیا تھا، یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس خط میں آپ نے سیدنا خالد کو لکھا تھا کہ وہ عراق سے چل کر یرموک میں مسلمان افواج کی مدد کے لیے پہنچیں۔

② یاقوت نے بھی معجم البلدان (جلد ۸ صفحہ ۴، ۵) میں یہی تصریح کی ہے۔

③ ان اشعار سے بھی جو قعقاع بن عمرو نے اسلامی فتوحات کے متعلق لکھے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یرموک فتح دمشق سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ قعقاع کہتے ہیں:

''ہم بصریٰ پہنچے، بصریٰ والے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہم پر کوڑا کرکٹ پھینکا، لیکن ہم نے ان کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد ہمیں یرموک کے مقام پر رومیوں کا لشکر جرار ملا۔''

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ عراق سے آنے والی فوج نے پہلے بصریٰ فتح کیا اس کے

بعد یرموک کے مقام پر رومیوں کو شکست دی۔

④ طبری کی بھی اس روایت کے ماسوا، جو اس نے ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کی ہے ، باقی روایات میں یہی مذکور ہے کہ جنگ یرموک، فتح دمشق سے پہلے ہوئی۔

⑤ طبری نے واقدی کی اس روایت کہ جنگ یرموک ۱۵ھ میں ہوئی، کو ضعیف گردانا ہے۔

خود طبری کی اس روایت کے ٹکڑوں میں، جو اس نے ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھی ہے اور جس میں یہ مذکور ہے کہ جنگ اجنادین ۱۳ھ میں فتح دمشق ۱۴ھ میں اور جنگ یرموک ۱۵ھ میں ہوئی۔ تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس روایت کے شروع میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا خالد کی معزولی اس وقت ہوئی جب مسلمان ۱۴ھ میں دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ: ''عمر بن خطاب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں مالک بن نویرہ کے قتل اور بعض دوسرے امور کی وجہ سے جو سیدنا خالدؓ سے جنگوں کے دوران سرزد ہوئے تھے سیدنا خالدؓ سے ناراض رہے اور جونہی خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا حکم صادر کیا۔'' اس واقعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی سیدنا عمر کی خلافت کے شروع، یعنی ۱۳ھ کے نصف میں ہوئی لیکن روایت کے ابتدائی حصہ میں یہ مذکور ہے کہ آپ کی معزولی ۱۴ھ میں محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی۔ (اور یہ بات خلاف واقعہ وروایات معتبرہ ہے)

⑥ ابن برہان الدین لکھتے ہیں کہ: ''سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے اس وقت وفات پائی جب مسلمان یرموک میں رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔''

⑦ یرموک اردن کے علاقے میں ہے اور اجنادین فلسطین کے علاقے میں۔ فتح دمشق کے بعد اردن میں مسلمانوں کے پاؤں پوری طرح جم گئے تھے۔ لیکن فلسطین میں کئی شہر مثلاً بیت المقدس وغیرہ ایسے تھے جو بدستور رومیوں کے قبضے میں تھے اور وہاں ان کے بڑے بڑے لشکر موجود تھے۔ ان شہروں کو مسلمانوں نے بعد میں فتح کیا۔ قرین قیاس یہی بات ہے کہ رومی لشکر جنگ اجنادین کے بعد مسلمانوں سے مزید مقابلے کے لیے ایسے شہروں میں جمع ہوئے ہوں گے جو ان کے قبضہ میں تھے اور جہاں انہیں

فتح کی امید ہو سکتی تھی۔ یہ بات بالکل بعید از عقل ہے کہ رومی فلسطین کو چھوڑ کر اردن میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے آ گئے ہوں گے۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یرموک، جنگ دمشق سے پہلے ہوئی ہے اور جنگ اجنادین، جنگ دمشق کے بعد۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اجنادین کے مقام پر دو جنگیں ہوئی ہوں۔ ایک جنگ یرموک سے پہلے اور دوسری جنگ دمشق کے بعد ۱۵ھ میں۔ بلاذری اور یعقوبی نے پہلی جنگ کا تو ذکر کر دیا لیکن دوسری کا چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہی وہ جنگ ہے جس میں فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصلی جنگی جوہر دنیا کے سامنے آئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ طبری ایک روایت میں تو جنگ اجنادین کا ذکر جنگ یرموک سے پہلے کرتے ہیں لیکن پھر جنگ دمشق کے بعد ایک علیحدہ باب میں خاص طور پر اس جنگ کا حال بیان کرتے ہیں۔

مؤرخین کی روایات میں اختلاف کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ ۱۳ھ، ۱۴ھ اور ۱۵ھ میں کثرت سے جنگیں وقوع پذیر ہوئیں۔ بعض اوقات ایک ایک وقت میں دو دو جنگیں ہوئیں۔ ایک راوی نے کسی ایک واقعے کا ذکر دوسرے واقعہ سے پہلے کر دیا دوسرے راوی نے دوسرے واقعے کا ذکر پہلے کر دیا۔ بعد میں جب وہ لوگ آئے جنہوں نے دونوں راویوں سے روایات لیں، تو انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق واقعات کو بالکل الگ ترتیب دے دی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی شہر فتح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا جسے انہیں دوبارہ فتح کرنا پڑا۔ ایک راوی نے پہلی فتح کا ذکر کر دیا اور دوسرے راوی نے دوسری فتح کا حال بیان کر دیا۔ اس طرح روایات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

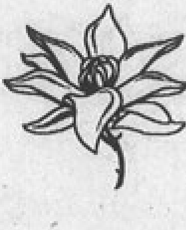

سیدنا خالدؓ بن ولید اور امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب

ان اسباب پر بحث کرنے سے پہلے کہ جو ان دو عظیم قائدین کی باہمی غلط فہمی کا باعث بنے۔ بہتر ہے کہ ان دونوں کے اخلاق و عادات کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تا کہ اخلاق و عادات کی روشنی میں اس مخالفت کے اسباب پر بحث کرنی آسان ہو جائے۔

سیدنا عمرؓ کے اوصاف

① آپ اپنے تمام کاموں میں سچائی اور انصاف کو مقدم رکھتے تھے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کو حق اختیار کرنے سے منحرف نہ کر سکتی تھی۔

② ہر اس چیز کو جس میں اسلام کا فائدہ ہو آپ کے نزدیک اولین حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عامۃ المسلمین کی خوشنودی کی خاطر آپ عمال کی ناراضگی بھی برداشت کر لیتے تھے۔

③ آپ اپنے عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کا معمولی سے معمولی کام بھی آپ کی نظروں سے اوجھل نہ رہتا تھا۔

④ آپ کا خیال تھا کہ عمال کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ خصوصاً مالی امور میں تو آپ عمال کی آزادروی کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''میں تو مسلمانوں کا تجارتی نمائندہ ہوں۔''

⑤ آپ جہاں خود حد درجہ کفایت شعار اور نہایت سادگی پسند انسان تھے وہاں اپنے عمال کے متعلق بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ بھی آپ کے نمونے پر عمل کرتے ہوئے کفایت شعاری اور سادگی اختیار کریں۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو اپنا اصلی جوہر سادگی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے اور دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کی طرف اپنی توجہات قطعاً

مبذول نہیں کرنی چاہئیں۔ کیونکہ فراغت اور سکون حاصل ہوتے ہی وہ اپنا اصلی مقصد، اعلاء کلمۃ اللہ بھول جائیں گے۔

سیدنا خالدؓ کے بعض اوصاف

① آپ بھی حق بات کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے، البتہ زمانہ جنگ میں آپ سے بعض معمولی فروگذاشتیں سرزد ہو جاتی تھیں۔ مگر اس وقت بھی آپ کو یہی خیال رہتا تھا کہ کوئی کام ایسا نہ ہونے پائے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ مسلمانوں کا فائدہ ہمیشہ آپ کے مدنظر رہتا تھا۔ اور وہ فروگذاشتیں بھی اسی لیے آپ سے سرزد ہوتی تھیں کہ آپ کو ان میں مسلمانوں کا فائدہ نظر آتا تھا۔

② آپ کی رائے یہ تھی کہ عمال اور امراء کو اپنے کاموں میں کچھ آزادی اور اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ضروری نہیں ہونا چاہئے کہ جب تک خلیفہ کی طرف سے کوئی حکم موصول نہ ہو، امیر اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کر سکے۔ بلکہ اگر خلیفہ کی طرف سے بروقت کوئی حکم موصول نہ ہو تو امیر کو اپنے اختیار سے بھی بعض احکام صادر کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

③ آپ کے نزدیک دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور عیش و آرام سے زندگی گزارنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بشرطیکہ یہ چیزیں دینی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کی جائیں۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ اکثر شاندار حماموں میں غسل کیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ اشعث شاعر کو انعام میں دس ہزار درہم دے دیئے تھے۔

④ آپ فوجی آدمی تھے۔ اس وجہ سے آپ کے مزاج میں قدرے سختی پیدا ہو گئی تھی۔

اس مجمل بیان سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ گو دونوں میں حق بات اختیار کرنے اور مسلمانوں کے فائدہ کو ہمیشہ مقدم رکھنے کی صفات مشترک تھیں، تاہم دونوں کی طبائع میں بہت فرق تھا اور دونوں میں اپنی طبیعت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ سختی پائی جاتی تھی۔ ایسی حالت میں دونوں کے درمیان ٹکراؤ اور اختلاف کا ہونا ایسا عجب نہیں۔

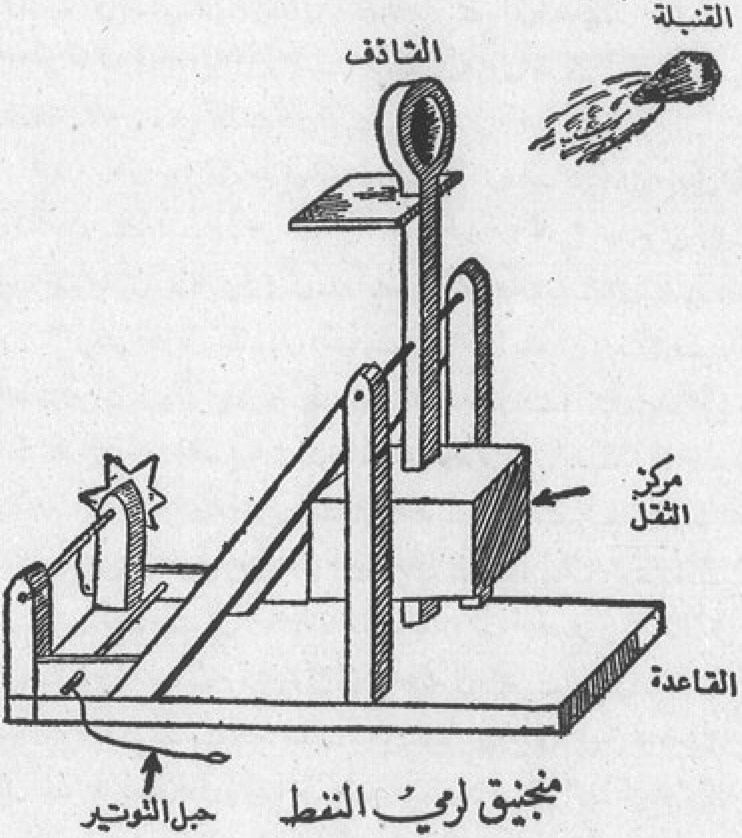

منجنيق لرمي النفط

منجنیق ،ایسا ہتھیار ہے کہ جس نے دشمن کے بڑے بڑے دیو ہیکل فولادی قلعوں کی دیواریں ریزہ ریزہ کر ڈالیں ۔ دمشق کی فتح کے لئے سیدنا خالد اور ان کے ساتھیوں نے دمشق کا ستر دن تک محاصرہ کئے رکھا اور اس دوران وہ شہر پر تیروں اور منجنیقوں کے ذریعہ حملے کرتے رہے۔ ایسی ہی منجنیقوں کے ذریعہ سلطان محمد الفاتح نے صلیبیوں کے عظیم اور مضبوط حصار قسطنطنیہ کے درودیوار اور قلعوں کو راکھ کا ڈھیر بنا کر فتح کیا۔ اسی سے سلطان محمود غزنوی اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہم نے دشمن کو زیروزبر کیا۔ موجودہ دور میں اس کی متبادل شکل ٹینک قرار دی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نظریات کے ان اختلافات نے بیرونی طور پر کوئی نتیجہ یا اثر پیدا نہیں کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص آپؐ کی رائے کے برخلاف کوئی رائے ظاہر کر سکے۔ اس زمانے میں ہر شخص کا مدعا اور مقصود یہی تھا کہ دینی اور دنیاوی ہر قسم کے امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی رائے دریافت کرے اور کھلے دل کے ساتھ اسے قبول کرے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو اس وقت صحابہ کرام اور دینی حیثیت میں بلند مرتبہ رکھنے والے بزرگوں نے اپنی آراء کا اظہار کرنا شروع کیا۔ عمر بن خطابؓ کی حیثیت سیدنا صدیقؓ کے وزیر کی سی تھی۔ ابوبکر صدیقؓ جو کام کرنا چاہتے اس کے بارے میں پہلے سیدنا عمرؓ سے مشورہ کرتے۔ اس وقت سے سیدنا عمرؓ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔ سیدنا خالدؓ سے کئی کام ایسے سرزد ہوئے جنہیں سیدنا عمرؓ پسند نہ کرتے تھے لیکن وہ سیدنا صدیق اکبر کے زمانے میں خالد کو معزول کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ ایک تو سیدنا ابوبکر صدیق بہت نرم طبیعت کے انسان تھے۔ اپنے عمال کے کاموں میں زیادہ دخل دینا اور ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں پر سختی سے احتساب کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ دوسرے اس نازک وقت میں اسلام کو خالدؓ بن ولید کی سخت ضرورت تھی۔ یہ خالدؓ ہی تھے جنہوں نے جزیرۂ عرب کے مرتدین کا قلع قمع کیا اور کسریٰ و قیصر کے ایوانوں کو متزلزل کر کے آئندہ عظیم فتوحات کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ خالدؓ بن ولید کی معزولی خواہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں ہوتی یا سیدنا عمرؓ کے زمانے میں، مناسب نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمرؓ بن خطاب کو باوجود سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے اختلاف رکھنے کے آخرکار یہ اعتراف کرنا پڑا کہ خالد کے بارے میں ابوبکر صدیق نے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ بالکل درست تھا۔

سیدنا عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم ان اسباب کا ذکر کریں گے جو مؤرخین کے نزدیک سیدنا عمرؓ کی خالدؓ سے ناراضگی اور بالآخر آپ کی معزولی کا باعث بنے۔

سیدنا عمرؓ کی خالدؓ سے ناراضگی کے اصل اسباب

ابن عساکر بن ولید اور ابن برہان الدین لکھتے ہیں کہ اس ناراضگی کا اصل سبب یہ تھا۔ بچپن میں ایک دفعہ عمر بن خطاب اور خالدؓ بن ولید میں لڑائی ہو گئی۔ جس میں خالدؓ نے عمر کی پنڈلی توڑ ڈالی۔ اس واقعہ سے سیدنا عمرؓ کے دل میں سیدنا خالد کی طرف سے جو غصہ پیدا ہوا وہ آخر وقت تک نہ گیا اور یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا عمرؓ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا۔

یہ درست ہے کہ بچپن میں ان دونوں میں جھگڑا ہو جایا کرتا تھا اور واقعی سیدنا خالدؓ نے ایک دفعہ سیدنا عمر کی پنڈلی بھی توڑ دی تھی۔ لیکن اس کا اگر کچھ اثر ہو سکتا تھا تو محض وقتی۔ ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ سیدنا عمرؓ کے دل پر یہ واقع ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا ہو۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ بڑے ہو کر بھی سیدنا عمرؓ کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی تب بھی اسلام لانے کے بعد اس واقعے کے اثرات کا باقی رہنا کسی صورت میں ممکن نہیں۔ اور کوئی عقل مند شخص جسے اسلام کی ان تاثیرات کا علم ہو جو صحابہ کے دلوں میں اس نے پیدا کر دی تھیں، یہ بات باور کرنے لیے کبھی تیار نہ ہو گا۔ اسلام نے مومنین کے دلوں سے جاہلیت کے ان پرانے کینوں اور عداوتوں کو یکسر مٹا دیا تھا جو پشتہا پشت سے مختلف قبائل اور اشخاص میں چلی آ رہی تھیں۔ کیا وہ اس ناراضگی کو دور نہ کر سکتا تھا جو محض دو بچوں کے آپس کے معمولی جھگڑے کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی؟ اسلام لانے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کے قاتل سے بھی ملتا تھا تو نہایت صاف دل ہو کر اور قاتل کی جانب سے اس کے دل میں کوئی کینہ نہ ہوتا تھا۔ کیا سیدنا عمرؓ ایک عام انسان جتنی قوت برداشت بھی اپنے اندر نہ رکھتے تھے کہ محض بچپن کے ایک جھگڑے کی وجہ سے ان کے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سیدنا خالدؓ سے عداوت اور بغض و کدورت پیدا ہو گئی تھی؟ کم از کم یہ وجہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں صحیح نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمرؓ بن خطاب کے دل میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی طرف سے کسی قسم کا کوئی کینہ موجود نہ تھا۔ جب سیدنا خالدؓ اپنی معزولی کے بعد مدینہ تشریف لائے تو امیر المومنین سیدنا عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ”خالدؓ میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور تم

مجھے بے حد محبوب ہو۔''

ناراضگی کے حقیقی اسباب جو حقیت کے بھی مطابق ہیں، تاریخ سے بھی مطابقت رکھتے ہیں اور دونوں کے اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی بعید از قیاس نہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:

① سیدنا خالد کا مالک بن نویرہ کو قتل کرنا اور اس کی بیوہ سے شادی کر لینا۔ یہ واقعہ رونما ہونے پر عمرؓ بن خطاب نے سیدنا ابوبکر صدیق سے خالد رضی اللہ عنہ کو قید اور معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی سیدنا خالدؓ بنو جذیمہ کو قتل کر چکے تھے۔ بعد میں جنگ مصیخ کے موقعے پر بھی آپ نے دو ایسے اشخاص کو (ایک غلط فہمی کی بنا پر) قتل کر دیا جو اسلام لے آئے تھے اور ان کے پاس خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرحمت فرمائی ہوئی تصدیق بھی موجود تھی۔ ان واقعات کے باعث سیدنا عمر کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

② خالدؓ بن ولید بعض اوقات سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی رائے کے خلاف بھی کوئی کام کر لیا کرتے تھے۔ جسے سیدنا عمرؓ برداشت نہ کر سکتے تھے۔

③ خالدؓ بن ولید، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جزیہ، لگان اور دیگر محصولات کا جو لوگوں سے وصول کئے جاتے کوئی حساب نہ بھیجتے تھے۔ سیدنا صدیق تو درگزر کر جاتے تھے لیکن یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی طبیعت کے مطابق ایسا ہرگز نہ کر سکے۔

مسلمان سیدنا خالد کی شخصیت پر بھروسہ کر بیٹھے اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول کرنے لگے تھے۔ عوام کا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر یہ بھروسہ بھی آپ کو معزول کرنے کا ایک سبب بنا۔ فاروق اعظم لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ فتح صرف اللہ کی مدد پر مبنی ہوتی ہے۔ خالد کی شجاعت، بہادری پر نہیں۔ اللہ ہر حال میں اپنے دین کی مدد کرتا ہے خواہ خالدؓ سپہ سالار ہوں یا نہ ہوں۔ سیدنا عمرؓ نے خود بھی اپنے ایک خط میں جو آپ نے مختلف شہروں کے حاکموں اور قائدین کے نام بھیجا تھا اس چیز کی تصریح کر دی تھی۔ اس خط میں آپ نے فرمایا تھا:

''میں نے خالد کو کسی ناراضگی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے لگے تھے، مجھے ڈر پیدا ہوا کہ وہ خالد کی ذات پر کہیں بھروسہ نہ کرنے

لگیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے بندہ کچھ بھی حیثیت اور اختیار نہیں رکھتا۔"

معزولی کب ہوئی؟

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ معزولی کا حکم اس وقت پہنچا جب مسلمان دمشق کے محاصرے میں مشغول تھے۔اور بعض یہ لکھتے ہیں کہ معزولی معرکۂ یرموک کے اثناء میں ہوئی۔

وہ لوگ جن کا خیال یہ ہے کہ سیدنا خالدؓ کے پاس محاصرۂ دمشق کے دوران معزولی کا حکم پہنچا، یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس محاصرے کے وقت لشکر کے امیر سیدنا خالدؓ تھے اور صلح نامہ انہی کی طرف سے لکھا گیا تھا۔لیکن یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔لشکر کی امارت ان کے سپرد اس لیے کی گئی تھی کہ آپ جیسا جنگی ماہر لشکر اسلام میں اور کوئی نہ تھا اور صلح نامہ ان کی طرف سے اس لیے لکھا گیا تھا کہ آپ صلح نامے اور عہد نامے طے کرنے میں بڑے ماہر تھے۔صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان میں سے ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات سے صرف چار روز قبل کیا تھا لیکن یہ روایت قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔بعض لوگ معزولی کا ذکر ہی اس طور پر کرتے ہیں گویا انہیں خود اس پر اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ بلاذری اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوعبیدہ کے لیے شام کی ولایت سنبھالنے کا حکم محاصرۂ دمشق کے دوران میں آیا تھا۔لیکن سیدنا خالدؓ نے اس حکم کو چھپائے رکھا۔"بعض لوگوں نے اس سلسلے میں جو روایت بیان کی ہے اس کے حصے ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔یعنی روایت کے شروع میں یہ بیان ہے کہ سیدنا خالد کو ۱۴ھ میں محاصرہ دمشق کے موقعے پر معزول کیا گیا لیکن روایت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خالدؓ بن ولید کی معزولی کا حکم روانہ کیا۔

ہم اس معاملے میں دوسرے فریق کے ساتھ ہیں جو یہ کہتا ہے کہ سیدنا خالد کی معزولی

جنگ یرموک کے موقعے پر ہوئی۔ اپنی تائید میں ہم دو قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں:

اول: ٹھوس تاریخی شہادتیں۔

دوم: ایسے تاریخی واقعات جن پر غور و فکر کرنے سے اصل حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔

ٹھوس تاریخی شہادتیں

① طبری کی اکثر روایات میں یہی مذکور ہے کہ سیدنا خالد کو جنگ یرموک کے موقعے پر معزول کیا گیا۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے:

''مسلمان یاقوصہ کے مقام پر تھے......... وہیں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی ہے۔ انہیں شام کی تمام فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا ہے اور خالد بن ولید کو معزول کر دیا گیا ہے۔''

② ابن اثیر یرموک کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہیں (یرموک میں) قاصد سیدنا ابوبکر صدیق کی وفات کی خبر اور سیدنا ابوعبیدہ کی امارت کا حکم لایا۔''

③ معجم البلدان میں اس جگہ جہاں یرموک کا ذکر کیا گیا ہے لکھا ہے:

''اس روز قاصد سیدنا صدیق کی وفات اور سیدنا عمر کی خلافت کی خبر اور تمام شام کے لیے سیدنا ابوعبیدہ کی امارت اور سیدنا خالد کی معزولی کے احکامات لایا۔''

④ مؤلف کتاب السیرہ الحلبیہ نے لکھا ہے:

''جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مسلمان یرموک میں جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے......... جب سیدنا عمر بن خطاب نے خلافت سنبھالی تو آپ نے سیدنا خالد بن ولید کو معزول اور لشکر اسلام پر سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح کی امارت کے احکامات دے کر ایک قاصد کو شام کی جانب بھیجا۔''

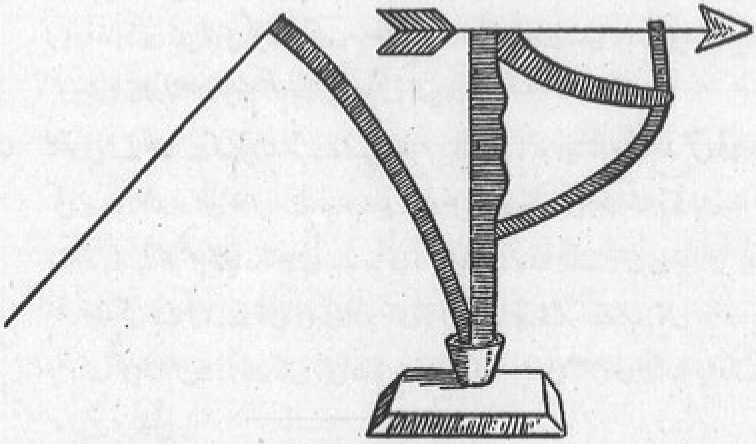

منجنیق لرمی السہام الثقیلۃ

ایک ایسی منجنیق کہ جس کے ذریعہ آتش گیر مادہ دشمن پر پھینکنے کا کام لیا جاتا تھا، اس سے دشمن کے بڑے مقامات جل جاتے اور تباہ ہو جاتے، بڑے بڑے دھماکے ہوتے اور کبھی ڈائریکٹ دشمن پر یہ آتش گیر مادہ گرنے سے دشمن زندہ جھلس کر رہ جاتے۔ اس کی آج کے دور میں جدید شکل میزائل اور راکٹ لانچر ہیں۔

خالد کو ان کی معزولی کی اطلاع ہی نہ دی ہو۔ جس پر آپ نے ایک خط اور بھیج کر سیدنا خالد کو مدینہ طلب کیا۔ سیدنا خالدؓ خط لے کر ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے۔ اس وقت سیدنا ابو عبیدہ نے کہا میں آپ کو رنج پہنچانا نہ چاہتا تھا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ میرے پاس آپ کو معزول کرنے کا حکم آیا تھا۔ خالدؓ بن ولید، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح سے رخصت ہو کر قنسرین پہنچے اور اپنے رفقائے کار کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ وہاں سے وہ حمص پہنچے، وہاں بھی ایک خطبہ دیا۔ حمص سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر جب سیدنا عمرؓ سے ملے تو آپ نے ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟'' سیدنا خالدؓ نے جواب دیا: ''مال غنیمت کے حصوں سے۔'' یہ کہہ کر فرمایا کہ اگر میرے پاس ساٹھ ہزار درہم سے زیادہ رقم نکلے تو میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔'' چنانچہ بیس ہزار درہم زائد نکلے جو سیدنا عمرؓ نے بیت المال میں داخل کر دیئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''خالدؓ! اللہ کی قسم! تم مجھے نہایت عزیز اور محبوب ہو۔ آج کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' یہ کہہ کر آپ نے تمام سلطنت میں فرمان بھیج دیا کہ میں نے خالد کو کسی ناراضگی یا ان کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑے جا رہے تھے۔''

سیدنا خالدؓ کے مدینہ میں تشریف لانے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا تھا:

صنعت فلم یصنع کصنعک صانع وما یصنع الا قوام فاللہ یصنع

''تم نے بہت سے کارہائے نمایاں سر انجام دیے اور کوئی شخص بھی تم جیسے کارہائے نمایاں بجا نہ لا سکا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ قومیں کچھ نہیں کیا کرتیں جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔''

مدینہ سے سیدنا خالد حمص واپس چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ آپ کی وفات بھی حمص ہی میں ہوئی۔

خالد کی معزولی کا اثر، سیدنا عمرؓ کے دل پر

خواہ سیدنا خالد کی معزولی کا کوئی بھی سبب کیوں نہ ہو۔ تاہم سیدنا عمرؓ صدق دل سے یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ دینی نقطۂ نگاہ سے بالکل ٹھیک ہے اور اسی میں مسلمانوں کا فائدہ

بھی مضمر ہے۔

معزولی کا اثر، خالدؓ کے اپنے دل پر

اس معزولی سے سیدنا خالدؓ کے عزم وارادہ اور قوت وطاقت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑا۔ آپ دین کی حمایت کے لیے بدستور سرگرم عمل اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کوشاں رہے۔ سیدنا عمر کی طرف سے کسی قسم کا کینہ اور غصہ آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ معزولی کا حکم عین اس وقت پہنچا تھا جب میدان کارزار گرم تھا۔ ایسے مواقع پر جب کوئی رنجیدہ خبر موصول ہو تو فطری طور پر انسان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ کسی قسم کی کمزوری دکھائے بغیر برابر دشمن کے مقابلے میں مصروف عمل رہے اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک مکمل فتح حاصل نہ کر لی۔ بعد میں بھی آپ نے قربانی کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ گو بعد کی جنگوں میں آپ کی حیثیت محض ایک سپاہی کی تھی جو اپنے افسر کے حکم کے مطابق لڑ رہا ہو لیکن ان جنگوں میں بھی آپ نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ خود سیدنا عمر کو آپ کی جنگی مہارت اور امارت کے لیے آپ کی اہلیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرنا پڑا۔

''خالدؓ نے اپنے کارناموں سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی زبان سے سیدنا خالد کی اس زیادہ تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔

امراء کے دلوں پر معزولی کا اثر

سیدنا خالدؓ بن ولید کی معزولی ایسی بات نہ تھی جو امراء اور قائدین کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت اور عظمت کم کر دیتی۔ معزولی کے بعد بھی آپ کی وہی عزت اور وقعت باقی رہی جو معزولی سے پہلے تھی۔ دوران جنگ جب کوئی نازک مرحلہ پیش آ جاتا اور دشمن کا لشکر کسی طرح زیر نہ ہو سکتا تو تمام امراء مشورے کے لیے سیدنا خالدؓ ہی کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کی بتائی ہوئی تدابیر کے مطابق عمل کرتے تھے۔ گو امارت اور قیادت کا ظاہری نشان تو آپ کے پاس نہ تھا لیکن اس کے اثرات کسی موقع پر بھی زائل نہ ہو سکے۔

لشکریوں کے دلوں پر معزولی کا اثر

مسلمان دوسرے قائدین کے مقابلے میں آپ کی فوج میں شریک ہو کر دشمن سے مقابلہ کرنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ معزولی کے بعد بھی ہر شخص خواہ وہ پہلے آپ کی فوج میں شامل رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ آپ کی اطاعت کے لیے بے چین نظر آتا تھا۔ فوج کے ہر دستے کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ سیدنا خالدؓ اسی میں شامل ہوں تا کہ وہ آپ کے حسن تدبیر، اصابت رائے اور فنون جنگ میں مہارت کی بدولت جنگ میں زیادہ سے زیادہ سرخروئی حاصل کر سکے۔

صحابہ کے دلوں پر معزولی کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ جلیل القدر اور کبار صحابہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ سیدنا خالدؓ امارت کے عہدے پر بدستور برقرار رہیں اور انہیں سیدنا عمر کی خوشنودی بھی اسی طرح حاصل رہے جس طرح انہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل تھی۔ وہ سیدنا خالدؓ کے بے نظیر کارناموں سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اللہ کی تلوار کفار کے سروں پر بدستور مسلط رہے۔

ناراضگی اور اختلاف کا اختتام

شروع میں سیدنا عمرؓ بن خطاب اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے درمیان جو ناراضی اور اختلاف پایا جاتا تھا وہ بالآخر دونوں جانب سے محبت اور اخلاص پر اختتام ہوا۔ دونوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ ہر شخص اپنے مؤقف میں حق پر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف دنیوی یا شخصی وجوہات سے نہیں بلکہ محض دینی امور کی وجہ سے تھا۔ بعد میں سیدنا عمرؓ خود اپنے فعل پر پشیمان ہوئے۔ جب سیدنا خالد کی وفات ہوئی اور ان کے ترکے میں سوائے ان کے گھوڑے، ہتھیاروں اور ایک غلام کے اور کچھ نہ نکلا تو سیدنا عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: ''اللہ! ابو سلیمان پر رحم کرے۔ ہمیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس تنگدستی سے اپنا گذارہ کرتے ہوں گے۔''

اسی طرح جب سیدنا خالدؓ بن ولید مدینہ تشریف لائے اور سیدنا عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر

اپنے متعلق ان سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم مجھے نہایت عزیز اور محبوب ہو۔ آج کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دل بالآخر سیدنا خالد کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کو اپنا حبیب ہی نہیں بنایا بلکہ ان پر کبھی ناراض نہ ہونے کا عہد بھی کیا۔

اسی پر نہیں جب سیدنا عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپ کو اپنے بچنے کی امید نہ رہی تو لوگوں نے آپ سے کہا: ''اگر آپ اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ تو بعد میں امت کے لیے بہت آسانی رہے گی۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر خالدؓ بن ولید زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت سونپ دیتا۔ پھر جب میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے پوچھتا کہ اے عمر! تو نے امت محمد پر کس شخص کو خلیفہ بنایا؟ تو میں عرض کرتا اے اللہ! میں نے تیرے بندے اور حبیب (رسول اللہ) کو یہ کہتے سنا تھا کہ خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جسے اس نے مشرکوں پر مسلط کیا ہے۔''

سیدنا خالدؓ کی وفات پر امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے فرمایا: ''خالدؓ کے مرنے سے اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پر نہ کی جا سکے گی۔ کاش اللہ ان کی عمر اور لمبی کر دیتا۔''

ہشام بن بختری بنو مخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ سیدنا عمر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے کہا: ''تم نے خالدؓ کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں وہ سناؤ۔ ہشام نے وہ اشعار سنائے لیکن آپ کو وہ پسند نہ آئے۔ آپ نے فرمایا:

''تم نے ابو سلیمان (سیدنا خالدؓ) کی قرار واقعی تعریف و توصیف نہیں کی۔ وہ چاہتے تھے کہ شرک کو کلی طور پر نیست و نابود کر دیں۔ انہوں نے اپنی زندگی نہایت اچھے طریقے پر گزاری۔ وہ اپنی مثال آپ تھے اور زمانہ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔'' اس کے بعد آپ نے بنو تمیم کے ایک شاعر کے یہ اشعار پڑھے:

اس شخص سے جو جانے والے کی مخالفت پر کمر بستہ ہے کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے اوپر اتنا ہی ناز

ہے تو اس جیسے کارنامے تو کر کے دکھاؤ۔اس شخص کی زندگی ، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جو دوسروں کے پس خوردہ پر گزارہ کرتا ہے اور وہ موت موت نہیں جس کے بعد انسان زندگانی جاودانی حاصل کر لے۔''

جس طرح سیدنا عمرؓ اس رائے پر جو انہوں نے سیدنا خالدؓ کے بارے میں رکھی تھی نادم تھے اور انہوں نے آپ کی فضیلت اور کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کر لیا تھا اسی طرح سیدنا خالدؓ نے بھی یہ اعتراف کر لیا تھا کہ سیدنا عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی خاطر اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے کیا۔ مرض الموت میں سیدنا ابو الدرداء ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لئے آئے۔ باتوں باتوں میں سیدنا خالدؓ نے کہا: ''اے ابو الدرداء! اگر عمرؓ وفات پا گئے تو تمہیں بہت سے خوشگوار امور دیکھنے پڑیں گے۔'' سیدنا ابو الدردارء نے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔'' سیدنا خالدؓ نے کہا:

''مجھے کئی باتوں کے متعلق رنج تھا لیکن جب میں نے اس مرض میں ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیا۔ ایک تو مجھے اس واقعے کے متعلق رنج تھا جب عمرؓ نے میرا مال مجھ سے لے کر لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن میں یہ دیکھتا ہوں یہ صرف مجھ پر ہی منحصر نہیں ، انہوں نے کئی سابقون الاولون اور بدری صحابہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ سیدنا علی نے سعد بن ابی وقاص ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری ، سیدنا عمرو بن العاص اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے اموال بھی اسی طرح ضبط کر لیے تھے۔ مجھے اس بات پر بھی رنج تھا کہ وہ مجھ سے درشتی سے پیش آئے۔ لیکن اس میں بھی میں منفرد نہیں تھا۔ اور بھی کئی لوگوں پر انہوں نے سختی کی اور ان کے ساتھ وہ درشتی سے پیش آئے۔ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ میرے قریبی رشتے دار ہیں اس لیے میرا لحاظ کریں گے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ دینی امور میں قریبی اور غیر قریبی کسی شخص کی پرواہ نہیں کرتے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ جب یہ باتیں میرے ذہن میں آئیں تو سارا رنج اور ساری وہ کدورت جو میرے دل میں عمر کی طرف سے تھی یکسر کافور ہو گئی۔''

سیدنا خالد کی ان باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق سیدنا عمرؓ کے سلوک کو نہ

صرف جائز ہی سمجھتے تھے بلکہ آپ کے دل میں جو کچھ کدورت ان کے متعلق تھی وہ بھی آپ نے نکال باہر کی تھی اور کھلے دل سے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ سیدنا عمرؓ ایسے شخص نہیں جو محض قرابت کی بنا پر کسی شخص کا لحاظ کریں یا کسی ملامت گر کی پرواہ کریں۔ انہی باتوں کے دوران میں آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اسلام کو بہترین مدد عمرؓ بن الخطاب کے ذریعے ملی ہے۔''

سیدنا عمرؓ کے عدل وانصاف پر آپ کو اس درجہ یقین تھا کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو یہ فرمایا: ''میرا ترکہ اور میری وصیت عمرؓ بن الخطاب کے پاس پہنچا دی جائے تاکہ وہ اس کا نفاذ کر سکیں۔'' شراب کا ظاہری و باطنی استعمال ممنوع حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے یہی اخلاق تھے کہ جب ان کی باہمی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں تو وہ پچھلی باتوں کو بالکل فراموش کر دیتے تھے۔ ان کی ناراضگیاں بھی محض اللہ کی رضا اور حق وانصاف کی خاطر تھیں اور دوستیاں بھی اللہ کی خاطر۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا دینی مرتبہ

اسلام لانے کے بعد سیدنا خالد کی پوری جدوجہد اور سعی وکوشش اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنے اور شرک کو نیست نابود کرنے کی خاطر صرف ہوتی رہی۔ آپ نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے راستے میں اور دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی امداد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

سیدنا خالد ابن عباس سیدنا خالدؓ بن ولید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ میمونہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہاں گوہ کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو کسی نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے جس پر نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ خالدؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا یہ حرام ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''حرام تو نہیں چونکہ یہ میری قوم کی سرزمین (مکہ) میں نہیں پایا جاتا اس لیے مجھے یہ پسند نہیں۔'' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''آپؐ کے یہ فرمانے پر میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور کھانا شروع کر دیا۔ آپؐ میری طرف دیکھتے جاتے تھے۔''

سیدنا خالدؓ بہت بعد میں اسلام لائے تھے۔ اسلام لانے کے بعد وہ جنگوں اور جہاد میں مشغول ہو گئے۔ اس لیے دین میں غور وفکر کرنے، اس میں تبحر حاصل کرنے، قرآن کریم اور احادیث سیکھنے کے لیے وہ زیادہ وقت نہ نکال سکے۔

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حیرہ میں سیدنا خالدؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ دوران نماز ایک ہی سورۃ آپ نے بار بار پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''جہاد نے مجھے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا۔'' ابن حجر نے اصابہ میں یہ الفاظ اس طرح بیان کیے ہیں: ''جہاد نے مجھے تعلیم قرآن کے بڑے حصے سے محروم رکھا۔''

آپ نے پے در پے جنگوں میں شرکت کرنے کے باوجود احادیث نبوی کا کچھ نہ کچھ حصہ محفوظ کر لیا تھا اور جہاں تک ہو سکا ان کی اشاعت کی۔ آپ سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث متفق ہے جیسے بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کیا ہے اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتابوں، الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ سیدنا خالدؓ سے ابن عباس، جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدیکرب، قیس بن ابی حازم، اشتر نخعی، علقمہ بن قیس، جبیر اور ابوالعالیہ وغیرہم نے احادیث لی ہیں۔ دینی امور

میں ان کی کما حقہ واقفیت کا ثبوت اس واقعے سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ نے بنو الحارث بن کعب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے سیدنا خالد کو نجران بھیجا تھا۔ جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو نبی ﷺ نے آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ ان میں رہ کر انہیں شریعت، اسلام اور دینی امور کی تعلیم دیں۔ یہ کسی صورت بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ نے تبلیغ اسلام کرنے اور دینی امور کی تعلیم دینے کے لیے کسی ایسے شخص کو بھیجا ہو گا جسے خود اسلامی عقائد واعمال اور دینی امور سے واقفیت نہیں تھی۔ آپ نے جن لوگوں کو بھی اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لیے روانہ فرمایا وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے ہر طرح اہل تھے اور سیدنا خالد بھی انہی میں سے ایک تھے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اوصاف واخلاق

اس ضمن میں ہم بعض ایسے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درج کرتے ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی کے ہر پہلو کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا۔ ان عظیم لوگوں کے اقوال سے آپ کے اخلاق وعادات کی صحیح اور روشن تصویر سامنے آجائے گی۔ یہ لوگ آپ کے ہمعصر تھے اور انہوں نے آپ کے متعلق جو کچھ کہا وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہا۔ اس لیے ان کے اقوال ایک قطعی فیصلے کا درجہ رکھتے ہیں۔

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

''خالد کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر گرایا ہے۔''

ایک اور موقع پر آپ ؐ نے فرمایا:

''یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب آدمی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے کفار اور منافقین پر کھینچا ہے۔''

② خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب الیس اور امغیشیا کے معرکوں کے دوران آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے ایک (عجمی) شیر پر حملہ کر دیا اور اس کی کچھار میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا ہے۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔''

جب عمرؓ بن خطاب نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے پر اصرار کیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہوا ہے۔''

③ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قنسرین کی فتح کا حال سن کر فرمایا:

''اس کارنامے سے خالدؓ نے خود ہی اپنے آپ کو امیر بنا لیا۔ اللہ ابوبکر پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔''

آپ نے سیدنا خالد کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا:

''اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پر نہیں ہو سکے گی۔''

④ سیدنا عمرو بن العاص سے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر صدیق نے سیدنا خالدؓ بن ولید رضی اللہ عنہم کے بارے میں رائے طلب کی۔ آپ نے کہا:

''وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ موت کی پروا مطلق نہیں کرتے ان میں بلے کی سی پھرتی ہے اور ان کا حملہ شیر کے مانند ہوتا ہے۔''

⑤ اکیدر، رئیس دومۃ الجندل نے آپ کے متعلق کہا تھا:

''فتح حاصل کرنے میں کوئی شخص ان سے زیادہ خوش نصیب اور جنگی امور میں کوئی شخص ان سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہے۔ خالدؓ کے مقابلے میں کوئی قوم خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ ٹھہر نہیں سکتی۔''

⑥ خود سیدنا خالدؓ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

''جس دن سے میں اسلام لایا۔ اس دن سے رسول اللہ ﷺ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔''

ان اقوال کی موجودگی میں سیدنا خالد کی بہادری اور آپ کی استعداد کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

آپ کی جنگی لیاقت

سیدنا خالدؓ ہر میدان سے کامیاب اور کامران ہو کر لوٹے۔ کسی جگہ بھی آپ کو شکست کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جہاں جاتے تھے فتح اور کامرانی آپ کے قدم چومتی تھی۔ آپ ایک مدبر اور دور اندیش سپہ سالار تھے جو جنگ کے اصولوں اور طریقوں سے پوری طرح واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ کس موقع پر آگے بڑھنا چاہیے اور کس موقع پر مدافعت کرنی چاہئے۔ سپہ سالار کی صفات کے ساتھ ساتھ ایک سپاہی کی صفات بھی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ لڑائی میں آپ بوڑھوں کی تجربہ کاری، نوجوانوں کی سی بہادری اور شیر کی سی جرأت دکھاتے تھے۔ آپ دشمن پر اندھا دھند حملہ کر دیتے تھے۔ بلکہ حملہ کرنے کے لیے موزوں وقت کی تلاش میں رہتے تھے۔ آپ دشمن کی حالت معلوم کرنے کی پوری جستجو کرتے رہتے تھے۔ کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے وقت اس شہر کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ متعین کر

دیتے تھے۔ اپنے لشکر کے عقب کی حفاظت کا سامان بڑے اہتمام سے کرتے تھے تاکہ دشمن بے خبری میں پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ کثرت سے لڑائیاں لڑنے کے باعث آپ کو جنگی امور کا اس قدر تجربہ ہو گیا تھا کہ کوئی شخص بھی اس میدان میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب تک فتح نہ ہو جاتی آپ میدان جنگ سے نہ ہٹتے تھے۔ دشمنوں کی قلت و کثرت، بہادری، شجاعت اور سامان جنگ کی فراوانی آپ کو قطعاً مرعوب نہ کر سکتی تھی۔ میدان جنگ میں شہادت حاصل کرنے کے حد درجہ شائق تھے۔ نہ خود سوتے تھے نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے۔ (آپ کے منظم جاسوسی نظام کی وجہ سے) دشمن کی کوئی بات آپ سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

لشکر کے سپاہیوں سے آپ کا حسن سلوک

سیدنا خالدؓ اپنی ماتحت فوج سے بہت محبت کرتے تھے اور ہر سپاہی سے نرمی سے پیش آتے تھے۔ فوج کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتے تھے جہاں سے فتح حاصل کرنے میں کوئی روک نہ ہو۔ ہلاکت کی جگہوں میں اسے کبھی نہ لے جاتے تھے۔ بلکہ ایسے مواقع پر خود آگے ہوتے تھے۔ غنیمت میں سے پورا حصہ انہیں مرحمت فرماتے تھے۔ غنیمت کے علاوہ بھی انہیں انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے۔ آپ کے وقت کا اکثر حصہ فوج کو لڑائی کے لیے ابھارنے، ہمت بندھانے اور جوش و خروش دلانے میں صرف ہو جایا کرتا تھا۔ ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے: ''اے اہل اسلام! صبر میں عزت ہے اور بزدلی میں ذلت۔ اللہ کی مدد اسی شخص کو حاصل ہوگی جو صبر اختیار کرے گا۔'' فوج کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کے نتیجے میں ہر شخص آپ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور آپ ہی کے جھنڈے تلے لڑنا چاہتا تھا۔ اس کا سبب یہ اعتقاد بھی تھا کہ خواہ دشمن کتنی بھاری جمعیت اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلے پر آجائے، جب خالدؓ اس کے مقابلے کے لیے نکلیں گے تو دشمن کے حصے میں سوائے ناکامی اور نامرادی کے اور کچھ نہ آئے گا۔ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا کہ جب آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق کے حکم کے مطابق عراق سے شام جانے کا ارادہ کیا اور لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو باوجودیکہ

سفر سینکڑوں خطرات اور آفتوں سے پر تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قیصر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اپنی پوری قوت مجتمع کر دی ہے۔ لیکن کسی ایک شخص نے گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اور ہر شخص یہ کہہ کر چلنے کے لیے تیار ہو گیا کہ ''آپ میں اللہ نے ہر قسم کی بھلائیاں مجتمع کر دی ہیں اس لیے آپ ہمیں جہاں چاہیں لے جائیں۔ ہم چلنے کے لیے تیار ہیں۔'' آپ کے بارے میں لوگوں کے ان خیالات و اعتقادات، لشکر کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری اور آپ کے جھنڈے کے نیچے آ کر موت کو بالکل فراموش کر دینے ہی کا اثر تھا کہ آپ کو ہمیشہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں فتوحات نصیب ہوتی رہیں۔ آپ کی معزولی کا بڑا سبب بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سیدنا خالدؓ پر حد درجہ بھروسہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمر کو ڈر پیدا ہوا کہ لوگ کہیں اللہ کو ہی نہ بھول جائیں۔ آپ نے انہیں معزول کر دیا تاکہ یہ دکھا سکیں کہ فتح کا دارومدار خالدؓ پر نہیں بلکہ الٰہی نصرت و تائید پر ہے۔

سیدنا خالدؓ ان صحابہ کا، جنہوں نے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا اور اللہ کی راہ میں پیش از پیش قربانیاں دی تھیں، بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ آپ کا یہ یقین تھا کہ اللہ کی مدد کا ظہور انہی لوگوں سے ہوتا ہے۔ اس تعظیم و تکریم کی روشن مثال جنگ موتہ کے موقع پر نظر آتی ہے کہ جب آپ نے ایک بدری صحابی کے ہاتھ سے جھنڈا لینے سے انکار کر دیا تھا اور جب انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا آپ کو دینا چاہا کہ ''تم مجھ سے بہتر لڑنا جانتے ہو'' تو آپ نے فرمایا: ''میں یہ جھنڈا نہیں لوں گا۔ آپ اس کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ جنگ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔'' جب آپ عراق سے شام جانے لگے تب بھی آپ نے صحابہ کرام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی اور انہیں خاص طور پر اپنی فوج میں شامل کیا۔

جہاد سے محبت

اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اللہ کی راہ میں نہ آپ کو اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی۔ زندگی میں آپ کو جہاد سب

سے زیادہ پسند تھا اور آپ کی تمام تر کوشش اسی بات میں صرف ہوتی تھی کہ دشمنان دین کو چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی کوئی رات مجھے میدان جنگ کی سخت رات سے زیادہ محبوب نہیں، جس میں مہاجرین کو ساتھ لے کر میں دشمنوں سے لڑوں۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی وفات تلواروں اور نیزوں کے سائے میں ہو۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو بستر پر جان دینے کے خیال سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں فرمایا:

''میں ایک سو سے زائد جنگوں میں لڑا ہوں۔ میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں تلوار، تیر یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتا لیکن افسوس میں بستر پر پڑا ہوا اس طرح جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ جان دیتا ہے۔''

سیدنا خالدؓ کے اہل و عیال

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کئی بیویاں تھیں جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی۔ آپ کے ایک بیٹے سلیمان تھے۔ انہی کی وجہ سے سیدنا خالد کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ ایک بیٹے عبداللہ تھے جو عراق میں شہید ہوئے۔ دو بیٹے عبدالرحمٰن اور مہاجر خاص شہرت کے مالک ہوئے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ جب سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو عبدالرحمٰن، سیدنا معاویہ کے ساتھ مل گئے اور مہاجر، سیدنا علی کے ساتھ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ مہاجر جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا۔ ان کی طبیعت میں فیاضی اور سخاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سیدنا عثمان کے زمانے میں وہ سیدنا معاویہ کے ماتحت حمص کے والی تھے۔ جب کوفہ کے مفسدین نے سیدنا عثمان کے خلاف شورش برپا کرنی شروع کی تو سیدنا عثمان نے انہیں شام کی طرف جلاوطن کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ لیکن سیدنا معاویہ بھی بعض وجوہات کی بنا پر انہیں شام میں نہ رکھ سکے اور انہیں واپس کوفہ بھیج دیا۔ یہ

لوگ کوفہ آنے کی بجائے جزیرہ چلے گئے جہاں کے عامل عبدالرحمٰن تھے۔جب آپ کو ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فوراً انہیں بلوایا اور کہا: ”میں نے تمہارے حالات سنے ہیں۔اللہ مجھے نامراد کرے، اگر میں تمہیں درست نہ کردوں۔تم جانتے ہو کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے فتنہ ارتداد کو دور کیا تھا اور بڑی بڑی مشکلات پر قابو پایا تھا۔میں دیکھوں گا کہ کس طرح تم معاویہ اور سعید (والئی کوفہ) سے جو باتیں کیا کرتے تھے مجھ سے بھی کر سکتے ہو۔سنو! اگر کسی شخص کے ساتھ تم نے یہاں فتنہ وفساد کی کوئی بات کی تو ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے۔“ یہ کہہ کر انہیں نظر بند کر دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔جب سفر پر جاتے تو انہیں اپنے ساتھ پا پیادہ لے جاتے اور ان سے دریافت کرتے کہ اب تمہارا کیا حال ہے؟ جسے نیکی درست نہیں کرتی اس کا علاج سزا ہوتی ہے۔تم لوگ اب کیوں نہیں بولتے؟ آخر ان لوگوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی چاہی۔

ان کے علاوہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اور بھی کئی لڑکے تھے۔ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

”شام میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے کئی لڑکے اور پوتے موجود تھے۔لیکن وہ سب طاعون کی وبا میں فوت ہو گئے۔کوئی بھی باقی نہ بچا۔ان کے گھروں اور جائیداد کے وارث ایوب بن سلمہ بن عبداللہ (الولید) بن ولید بن ولید بن مغیرہ ہوئے۔“

مؤلف کتاب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

”سیدنا خالدؓ بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی اور کوئی بھی باقی نہ رہا۔ایوب بن سلمہ مدینہ میں ان کے گھروں کے وارث ہوئے۔“

مؤلف کتاب نہایۃ الارب لکھتے ہیں:

”سیدنا خالدؓ بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی۔مشرق اور مغرب میں کوئی شخص بھی ان کی اولاد میں سے باقی نہ رہا۔جو شخص ان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔“

مؤلف کتاب صبح الاعشیٰ اور دیگر اہل علم حضرات بھی سیدنا خالد کی نسل کے ختم ہو جانے پر

سیدنا خالد بن ولیدؓ کے جہادی کارناموں کی یادداشتوں کا امین شہر حلب ۔ رہتی دنیا تک یہ شہر تن مسلم میں جہاد کا ولولہ ابھارتا رہے گا۔ ایسے شہروں کو فتح کرنے کے لئے سیدنا خالد نے جو گوریلا اور حیران کن عسکری تدابیر اختیار کیں، ان کو ملاحظہ کر کے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ شہر کے درمیان میں خالدؓ بن ولید کے روحانی فرزند اور آپ کی جہادی روایات کے امین جناب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھ کا قائم کردہ قلعہ بھی زبان حال سے مسلمانوں کو کفار کے خلاف...... اللہ ورسول اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف دعوت جہاد و قتال دے رہا ہے۔

متفق ہیں۔

خالدؓ کی وفات

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جائے وفات اور سنہ وفات کے بارے میں مؤرخین میں کافی اختلاف ہے۔ہم ذیل میں بعض روایات کو درج کر کے کوشش کریں گے کہ صحیح جائے وفات وسنہ وفات متعین کر سکیں۔

طبری نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی۔

ابن عساکر لکھتے ہیں: ''سیدنا خالد کی قبر حمص میں ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے جنازے کو کس کس نے غسل دیا تھا اور کون کون جنازے پر حاضر ہوا تھا۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''سیدنا خالد حمص کی سرحد پر مقیم ہو گئے تھے آپ کے گھوڑے اور ہتھیار سب یہیں تھے۔حمص ہی میں آپ نے وفات پائی۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''معزولی کے بعد سیدنا خالدؓ بن ولید مدینہ آئے اور سیدنا عمرؓ سے ملے۔ وہاں سے شام چلے گئے اور حمص میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔اسی جگہ ۲۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔''

مؤلف کتاب اسد الغابہ لکھتے ہیں: ''آپ نے شام کے مقام حمص میں وفات پائی۔ البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ۲۱ھ میں ہوئی۔''

ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں: ''محمد بن سعد، ابن نمیر اور چند لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص میں وفات پائی۔رحیم اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی۔''

ابن حجر اپنی دوسری کتاب ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں: ''سیدنا خالدؓ بن ولید نے ۲۱ھ میں شہر حمص میں وفاتُ پائی۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی لیکن اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی وفات حمص میں ہوئی۔''

بدر عینی لکھتے ہیں: ''سیدنا خالدؓ بن ولید نے ۲۱ھ میں حمص میں اپنے بستر پر وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔''

ان روایات پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر وفات پائی کیونکہ ان روایات میں سے بعض میں سرے سے مدینہ کا ذکر ہے ہی نہیں۔ اسی طرح بعض میں ۲۲ھ کا بھی ذکر نہیں۔ ۲۲ھ میں آپ کی وفات کا ذکر کرنے والوں نے بھی جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں شک کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ اس لیے ہم یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ آپ کی وفات ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سیدنا خالدؓ بن ولید رضی اللہ عنہ وارضاہ پر اپنی رحمتیں اور برکات نازل فرمائے۔ آپ نے اسلام کی خاطر جو خدمات سرانجام دیں وہ ایسی ہیں کہ بھلائی نہیں جا سکتیں۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے واقعات پر غور کرے اور اپنے اندر بھی وہی صفات پیدا کرے جو سیدنا خالدؓ میں تھیں۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی انہی صفات کو اختیار کرنے میں مضمر ہے۔

((وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝))

۱۹	طلیحہ کی سرکوبی	۱۱	۶۳۲	سیدنا ابوبکرؓ کے دور میں مرتدین کے خلاف جنگوں میں کارنامے
۲۰	مالک بن نویرہ کی سرکوبی	۱۱	۶۳۲	
۲۱	الیمامہ میں کارروائیاں	۱۱	۶۳۲	
۲۲	منطقۃ البصرۃ میں کارروائیاں	۱۲	۶۳۳	
۲۳	المذار میں کارروائیاں	۱۲	۶۳۳	
۲۴	الولجۃ میں کارروائیاں	۱۲	۶۳۳	
۲۵	اُلیس میں میں کارروائیاں	۱۲	۶۳۳	
۲۶	اُمغیشیا میں معرکے	۱۲	۶۳۳	عراق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں فتح کیا گیا۔
۲۷	الحیرۃ میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۲۸	الأنبار میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۲۹	عین التمر میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۳۰	دومۃ الجندل میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۳۱	المصیخ میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۳۲	الثنی والزمیل میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۳۳	الفراض میں معرکے	۱۲	۶۳۳	
۳۴	خالدؓ کا حج	۱۲	۶۳۳	
۳۵	خالدؓ کی عراق سے شام کی طرف روانگی	۱۳	۶۳۴	
۳۶	قراقر میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	یہ معرکے عراق اور سر زمین شام کے درمیان واقع ارضی پٹی پر سیدنا
۳۷	سوی میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	
۳۸	تدمر میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	

۳۹	قصم میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں لڑے گئے۔
۴۰	مرج راھط میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	
۴۱	بصریٰ میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	
۴۲	الیرموک میں جہادی یلغاریں	۱۳	۶۳۴	شام کی فتح سیدنا ابوبکر کے عہد میں شروع ہوگئی
۴۳	قیادت کے عہدہ سے معزول کردیئے گئے	۱۳	۶۳۴	
۴۴	دمشق کے جہاد میں یلغاریں	۱۳	۶۳۴	شام سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور میں مکمل طور پر فتح کرلیا گیا۔
۴۵	فحل کے جہاد میں یلغاریں	۱۳	۶۳۴	
۴۶	مرج الروم کے جہاد میں یلغاریں	۱۵	۶۳۶	
۴۷	حمص کے جہاد میں یلغاریں	۱۵	۶۳۶	
۴۸	قنسرین کے جہاد میں یلغاریں	۱۵	۶۳۶	
۴۹	مرعش وحصن الحدث کے جہاد میں یلغاریں	۱۵	۶۳۶	
۵۰	آپ کی وفات	۲۱	۶۴۱	حمص شہر میں

نوٹ: ہم نے جدول میں دیئے گئے ان اعداد وشمار کی تیاری میں تاریخ طبری اور تاریخ ابوالفداء پر اعتماد کیا ہے۔ ماسوا مرعش اور حصن الحدث کی فتح کے۔

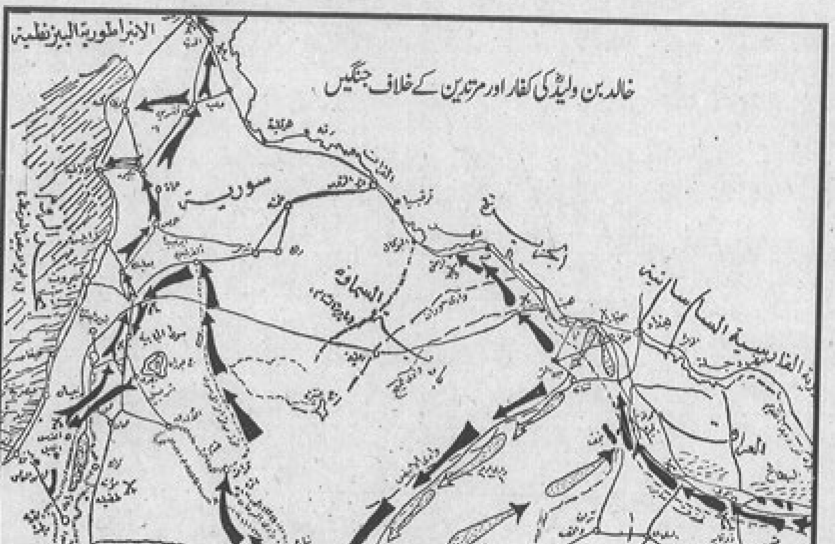
خالد بن ولیدؓ کی کفار اور مرتدین کے خلاف جنگیں
الامبراطوریة البیزنطیة
سوریة
البلقاء
النفود الکبیر
المقیاس بالأمیال